اللہ
رسول
محمد

تاریخ ابنِ کثیر

البدایہ والنہایہ

حصہ
اوّل - دوم

علامہ حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر دمشقی

نفیس اکیڈمی
اردو بازار کراچی

ابوالفدا حافظ ابن کثیر دمشقی

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ

تاریخ ابن کثیر

شہرۂ آفاق عربی کتاب

البدایۃ والنہایۃ

کا اردو ترجمہ

جلد اوّل

زمین آسمان کی تخلیق اور سیدنا آدم علیہ السلام کے تذکرے سے شروع ہوا ہے۔ اس میں عرش و کرسی اور جنات و ملائکہ کے تذکرے سے لے کر حضرت الیاس علیہ السلام تک کے واقعات شامل ہیں۔

تصنیف ❁ علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر (۷۰۱ھ-۷۷۴ھ)

ترجمہ ❁ پروفیسر کوکب شادانی فاضل ادب (عربی)

ایم اے (فارسی) ایم اے (انگریزی) ایم اے (اسلامیات) ایم اے (تاریخ اسلام)

سابق پروفیسر ڈیلی کالج (اندور) فرگوسن کالج (پونا) الفنسٹن کالج (بمبئی)

اردو بازار، کراچی

نفیس اکیڈمی

البِدَایۃ والنَّھَایۃ

نام کتاب	....	تاریخ ابن کثیر (جلد اول)
مصنف	....	علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر
ترجمہ	....	پروفیسر کوکب شادانی
ناشر	....	نفیس اکیڈمی۔ کراچی
طبع اوّل	....	جون ۱۹۸۷ء
ایڈیشن	....	آفسٹ
ضخامت	....	۲۴۰
ٹیلیفون	....	۰۲۱۔۷۷۲۲۰۸۰

فہرست عنوانات

☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنے والد مرحوم

اقبال سلیم گاہندری کے نام

جن کی تربیت نے مجھے اسلامیات کے مطالعے کی ترغیب دلائی اور مسلمانان عالم کی تاریخ کی طرف راغب کیا۔ یہ ان کی تربیت ہی کا نتیجہ ہے کہ میں ان کے مشن کو پورا کرتے ہوئے ان کے چھوڑے ہوئے کام کی تکمیل کر رہا ہوں۔

طارق اقبال گاہندری

عرضِ ناشر

اسلام نے جہاں مختلف علوم وفنون کی ترویج کی اور ان کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا' وہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس نے علم الرجال کی بنیاد ڈالی' روایت اور اس کے بیان کرنے والوں کے حالات وکوائف کی چھان بین کی اس طرح کسی واقعہ کے درست یا نادرست ہونے کا نتیجہ نکالا۔ اس پر کام کیا' اس پر تنقیدی روشنی ڈالی' سیرت' سوانح اور تذکرہ نگاری کے مستند اصول وضع کیے اور اس طرح کہ اس کے احتساب وانتقاد سے معمولی سے معمولی واقعہ بھی نہیں بچ سکا۔ اس اصول کی جو بھی تحریر پابندی کرتی تھی' وہ سوانح کا روشن باب کہلاتی' تاریخ سمجھی گئی۔ اس طرح عربوں میں مستند تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری کا آغاز ہوا۔

عربی میں جتنی بھی تاریخیں لکھی گئی ہیں ان سب میں مذکورہ طریقہ کار اور اصول کو برقرار رکھا گیا اور اس کی پوری طرح پابندی کی گئی چنانچہ تمام معلومہ تاریخوں میں یہی التزام نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ عرب مؤرخوں اور تذکرہ نگاری نے واقعات بیان کرنے میں تحقیق و دریافت کے کن دشوار گزار راستوں کو طے کیا۔ کن غور وفکر کی پر پیچ وادیوں کی سیاحت کی اور بعض واقعات کی چھان بین میں دور دراز علاقوں کے سفر کیے۔ روز وشب کی سختیاں اور موسموں کی نامساعد کیشیاں برداشت کیں۔

تاریخ عربوں کی سب سے زیادہ مؤثر اور طاقتور قوت تھی۔ اس معاملے میں کوئی بھی ان کا حریف اور مقابل نہیں تھا۔ مغربی اقوام نے ان ہی سے تاریخ نویسی کا سبق سیکھا ہے ورنہ ان کی تاریخ میں قصہ کہانیوں اور ماورائی اور مافوق الفطرت داستانوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ عقلی' خود پرستی اور انا کے اس قدر شکار تھے کہ ان کو اپنے حکمرانوں کے علاوہ دنیا میں کوئی بھی بہتر نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اگر عرب تاریخ نویس اپنے عنانِ قلم کو جنبش نہ دیتے' ان کی کاوشیں منظر عام پر نہ آتیں تو تاریخ کا مزاج کچھ اور ہی ہوتا۔

یہ واقعہ ہے کہ عربوں نے تاریخ سے اپنی تہذیب اپنے کلچر اور اپنی اقدار کو زندہ رکھا' اور دنیا سے روشناس کرایا۔ جس تہذیب جس کلچر اور جن اقدار کو ابتلاء زمانہ نے بھلا دیا' جو حقیقتیں طاق نسیاں پر دھری رہ گئیں' تاریخ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا ان کے تن مردہ میں نئی جان ڈالی' ان کے قالب میں ہمیشگی کا صور پھونکا۔ ان کو نئی روئیدگی عطا کی' اس طرح لوگوں کو اپنے تاریخی سرمایہ پر فخر کرنے کا موقع عطا کیا۔

اگر آپ عربی تاریخوں کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ عرب مؤرخوں نے اپنی تاریخوں میں تسلسل زمانی کا برابر خیال رکھا ہے۔ ان کی ہر تاریخ آدم علیہ السلام کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور پھر واقعات اور بیانات کا سلسلہ ان واقعات تک پہنچتا ہے جن میں ان کا لکھنے والا سانس لے رہا ہے' ان تاریخوں میں اقدار' روایات اور تصورات بھی ایک ہوتے ہیں ان کے کردار بھی ایک ہوتے ہیں' کہیں کہیں جزوی اختلاف ضرور ملتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کہ اس کے پڑھنے سے کسی کو ان مقاصد تحریر کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ پیدا ہو۔

عربوں نے تاریخ نگاری کو اس قدر عام کیا تھا کہ ہر دور اور زمانے اور ہر علاقے کی تاریخ ملتی ہے۔ ابتداء میں تاریخ کا دائرہ

بہت محدود تھا عربوں نے ابتداء میں ظہور اسلام اور سیرت نبی کریم کو اپنا فکری اور تحقیقی موضوع بنایا اور اس سلسلہ میں وہ تمام مستند ذرائع اور ماخذ استعمال کیے جن پر ان کو مکمل یقین اور اعتماد تھا کہ وہ درست ہیں اس سلسلہ میں سیرت نبوی پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب سیرت اسحاق ہے۔ اسحاق کو یہ اوّلیت حاصل ہے کہ اس نے سیرت نبی کریم ﷺ کو نہایت مستند ماخذوں اور روایت کے ذریعہ محفوظ کر دیا اور تاریخ نگاروں میں اپنی قابل قدر اور ممتاز جگہ بنالی' بعد کا آنے والا ہر مؤرخ اس کے حوالے اور اقتباسات اپنی تاریخوں میں درج کرتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسحاق نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر ہشام نے سیرت النبی ﷺ لکھی' یہ تمام تر کتاب اسحاق کی سیرت سے بیانات سے مستعار ہے لیکن سیرت اسحاق تک لوگوں کی رسائی ممکن نہیں تھی' اس کے خطی نسخے دریافت نہیں ہوتے تھے اور پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ کہاں ہے چنانچہ سیرت ہشام ہی کو سب سے زیادہ مستند اور معتبر مانا گیا۔

ان دو بنیادی اہم اور اوّلین سوانح کے علاوہ اس موضوع کے تعلق سے کئی کتابیں لکھی گئیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے ساتھ اس کے موضوعات میں اضافہ ہوا پھر مسلمانوں نے مختلف ممالک میں قبضہ کرنے کے بعد اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ اپنے کارناموں کو تاریخ میں محفوظ رکھا جائے چنانچہ تاریخ نویسی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

اگرچہ عربوں نے بے شمار تاریخیں لکھیں' تذکرے لکھے۔ اس میں تاریخ واقدی بھی ہے جس کو مغازی رسول ﷺ کا نام دیا گیا ہے اس میں فتوح مصر' فتوح شام اور فتوح ایران کی تفصیل موجود ہے اور اس قدر تفصیل کے ساتھ کہ کسی اور دوسری تاریخ میں نہیں ملتی ہے لیکن بعد کے آنے والوں نے بعض قرائن کی بناء پر اس پر کلی اعتماد نہیں کیا کیونکہ وہ ان اصولوں پر پورا نہیں اترتی تھی جن کو تاریخ نویسی کا جزو اعظم سمجھا جاتا ہے اس تاریخ میں مصنف کا انداز تحریر یوں ہے جیسے وہ ہر معرکہ میں عینی شاہد تھا اور ہر شخص کے افعال اور کردار پر نظر رکھے ہوئے تھا' یہ ممکن نہیں تھا۔ اس لیے اس کو بہت سے لوگ حوالے کے طور پر استعمال نہیں کرتے تھے لیکن اس تاریخ نے دوسرے تاریخ نویسوں میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ وہ اپنی دائرہ تحقیق و دریافت آگے بڑھائیں چنانچہ اس کے بعد ممالک اسلامیہ اور اس کے خلفاء اور حکمرانوں کی تاریخیں لکھی جانے لگیں

ان تاریخوں میں سب سے اہم نام ابن خلدون کا ہے۔ ابن خلدون کی اہمیت اس تاریخ سے نہیں ہے بلکہ اس کے مقدمہ تاریخ سے ہے اس مقدمہ میں جو بہت ضخیم ہے اور دو جلدوں پر محیط ہے۔ اس نے تحقیق و دریافت کے اصول متعین کیے۔ اس پر بحث کی' غلط اور صحیح روایت کی شناخت کا طریقہ بتایا۔ تاریخ کو کیا ہونا چاہیے' اس پر بھرپور روشنی ڈالی' چنانچہ پہلی بار اس کے ذریعہ علم تاریخ سامنے آیا۔ اس مقدمہ کی روشنی میں اس نے عہد جاہلیت سے لے کر اپنے دور تک کے حالات اور واقعات کی تفصیل لکھی' مختلف ممالک کے مسلم حکمرانوں کے کارناموں کا ذکر کیا' ان کی حکومت' عدالت' شجاعت اور سخاوت کی تفصیل بتائی اور ان سب چیزوں کو اس کی تاریخ کی کئی جلدوں میں پڑھ کر یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ فلسفہ تاریخ کا بانی بھی ہے اور جدید تاریخ نویسی کا موسس بھی۔

ابن خلدون کے ساتھ ہی مسعودی کا بھی ذکر آتا ہے۔ مسعودی کی تاریخ چار جلدوں پر مشتمل ہے' اس نے بھی اپنے دور تک کے حالات لکھے ہیں اور بڑا حصہ رسول کریم ﷺ کے حالات و واقعات کے لیے مختص کیا' اس کے بعد اس نے خلفائے راشدین اور ان کی خلافتوں کا حال لکھا ہے پھر امویوں کے حالات پر روشنی ڈالی' اس طرح اس کی تاریخ سے مسلمانوں کے حکمران کے کئی ادوار سامنے آتے ہیں۔ ابن خلدون اور مسعودی کے ساتھ ابن کثیر کا نام بھی ذہن میں آتا ہے اس کی شخصیت کئی خانوں میں بٹی

ہوئی تھی' ایک طرف وہ زبردست مفسر تھا تو دوسری طرف جید عالم' اس سے ہٹ کر اس کی شخصیت کا ایک نمایاں رخ اس کو تاریخ نگار کی حیثیت سے سامنے لاتا تھا۔ اس کی تاریخ البدایہ والنہایہ جو تاریخ ابن کثیر بھی کہلاتی ہے' ۱۶ جلدوں پر مشتمل ہے یہ ۱۶ جلدیں مختصر نہیں' مفصل ہیں اس کی وجہ سے اس کی ضخامت میں اضافہ ہی نہیں ہوا بلکہ یہ بھی پتا چلا کہ اس نے تاریخ مواد کو جمع اور فراہم کرنے میں کتنی محنت برداشت کی ہوگی کتنی جانفشانی سے کام لیا ہوگا۔

ابن کثیر کی یہ تاریخ بھی دوسری تاریخوں کی طرح ابتدائے آفرینش سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد انبیاء اور مرسلین کے حالات سامنے آتے ہیں یہ کئی لحاظ سے اہم ہیں' اس سے پہلے جو تاریخیں لکھی گئی ہیں یا اس کے بعد جن تاریخوں کو دریافت کیا گیا ہے۔ ان میں یہ تمام واقعات اساطیری ادب سے لیے گئے ہیں یا ان کو اسرائیلی روایتوں پر اکتفا کرتے ہوئے آگے بڑھایا گیا۔ یہ اسرائیلی روایات ان کتابوں میں عام طور پر ملتی ہیں جن کو قصص الانبیاء کے نام سے متعدد غیر معروف لکھنے والوں کے نام سے روشناس کرایا گیا۔ اس کے برعکس ابن کثیر نے اپنا تمام مواد قرآن ہی سے لیا ہے اور یہ اس کے ایمان اور یقین کی مضبوطی کی دلیل ہے کہ اس نے اس سلسلے میں اس الہامی کتاب کو سامنے رکھا ہے۔ اس طرح اس کتاب میں تمام و کمال وہ واقعات ملتے ہیں جو قرآن میں موجود ہیں' اس کو قصص الانبیاء بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ اس قدر صحیح اور مستند ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی دوسری کتاب نہیں کر سکتی۔

تاریخ ابن کثیر' آفرینش دنیا سے لے کر عراق و بغداد میں تاتاریوں کے حملوں تک وسیع اور عریض زمانے کا احاطہ کرتی ہے اور غالباً سب سے پہلی تاریخ ہے جس میں ہزاروں لاکھوں سال کی روز و شب کی گردشوں' کروٹوں' انقلابوں اور حکومتوں کو محفوظ کیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کی جتنی بھی تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سوں میں تاریخ ابن کثیر کا حوالہ دیا گیا ہے' یہ تاریخ اردو میں موجود نہیں تھی' اس کے پرانے ایڈیشن ضرور ملتے تھے لیکن عربی میں اور ان کا پڑھنا اور پھر پڑھ کر سمجھنا بے حد مشکل تھا۔ اس سلسلہ میں ہمارے پڑھنے والے اس کے ترجمہ کی اشاعت کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے رہے' اس تاریخ کی اشاعت بادی النظر میں آسان نہیں تھی۔ اس کی چودہ جلدوں کو کوئی سرکاری ادارہ ہی چھاپ سکتا تھا۔ لیکن سرکاری ادارے اہم' غیر اہم' معیاری اور غیر معیاری کتابیں چھاپتے ہیں۔ ایسی کتابوں کی اشاعت پر توجہ نہیں دیتے ہیں جو ان کے قیام کے مقصد سے تعلق رکھتی ہو۔ جب ہم نے اس کی چودہ جلدیں دیکھیں اور ان کی ضخامت کا اندازہ کیا تو ہمیں یہ کام بے حد مشکل لگا۔ سب سے مشکل مرحلہ اس کے ترجمہ کا تھا۔ ہم نے کئی ماہرین سے مشورہ کیا۔ سب ہی اس کی اشاعت پر زور دیتے رہے لیکن کسی نے بھی یہ نہیں بتایا کہ ان کا ترجمہ کون کرے گا۔ قارئین کے اصرار کو دیکھتے ہوئے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح اس کی اشاعت ہو۔ اس سے پہلے ہم نے ابن خلدون کا مقدمہ اور اس کی تاریخ کی تمام جلدیں شائع کی تھیں۔ مسعودی کی مکمل تاریخ کو چھاپا تھا۔ اس کے چھاپنے کی طرف بھی توجہ دی تاکہ ہمیں یہ سعادت ملے کہ ہم نے برصغیر میں پہلی مرتبہ تاریخ اسلام سے متعلق تمام امہات الکتب کو اردو میں منتقل کروا کر اپنے پڑھنے والوں کے سامنے پیش کیا۔ ان ضخیم جلدوں کا ترجمہ آسان نہیں تھا' لیکن بعض مخلص اور محنتی لوگ ہمیں ایسے مل گئے جنھوں نے دن رات اس کا ترجمہ کیا اور دو تین سال کے دوران ہماری منزل آسان کر دی اور ہم اس قابل ہو سکے کہ ایک ساتھ اس کی دو جلدیں آپ کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہ جلدیں آپ کے سامنے ہیں۔

طارق اقبال گاہندری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ

اور

البدایہ والنہایہ

حافظ ابن کثیر کا عدیم النظیر کارنامہ:

نفیس اکادمی نے حیدرآباد دکن سے کراچی تک جو سفر کیا ہے اس سے برعظیم پاک و ہند کے اہل شعور خوب واقف ہیں۔ اس ادارے نے بالخصوص تاریخی لٹریچر کی اشاعت میں بڑا مؤثر اور نمایاں کردار ادا کیا ہے اور تاریخ کے حوالہ سے اُمہات الکتب کے تراجم کا اہتمام کر کے ان کی طباعت کا وہ فرض انجام دیا جس کی مثال نہیں ملتی۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ م ۷۷۴ھ کی معرکتہ الآراء تاریخی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' ابتدائے آفرینش سے ان کے دور تک کا نہایت مستند اور جامع تاریخی روزنامچہ ہے لیکن اب تک اس سے اردو داں حضرات محروم تھے۔

اپنی اس تحریر میں احقر تین نکات پر گفتگو کرے گا:

الف: تاریخ نویسی...... آغاز و ارتقاء

ب: حافظ ابن کثیر کی سوانح

ج: البدایہ والنہایہ...... موضوع اور اہمیت

تاریخ نویسی...... آغاز و ارتقاء:

پہلے نکتہ پر مختصر گفتگو اس لیے ضروری ہے کہ جس عظیم فن کی ایک نہایت معتمد کتاب کا ترجمہ قارئین کے مطالعہ میں آ رہا ہے اس فن سے انہیں آگاہی حاصل ہو جائے اور اندازہ ہو جائے کہ یہ فن کتنا اہم ہے۔

قرآن کریم...... جو اللہ تعالیٰ کی آخری وحی ہے اس کا ایک حصہ ایسا ہے جس میں ماضی کے وقائع اور قصص کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں حضرات انبیاء علیہم السلام ان کی قوموں مختلف حکمرانوں اور تہذیبوں کا ذکر ہے۔ گو اس کا انداز بیان مروجہ تاریخ کی طرح ایک مربوط کہانی کا نہیں تاہم تذکیر و نصیحت...... جو قرآن عظیم کا اصلی مقصد ہے۔ کے حوالہ سے کہیں اجمال اور کہیں تفصیل سے اس کا یہ پہلو اُجاگر ہوتا گیا ہے۔

مختلف زبانوں کے اہل علم نے قرآن کریم کے اس پہلو پر علمی سرمایہ فراہم کیا ہے اردو میں دو کتابیں اس سلسلے میں بڑی اہم ہیں۔ ایک مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی م ۱۹ کی ''قصص القرآن'' دوسری مولانا سید سلیمان ندوی م ۱۹ کی ''ارض القرآن''۔

قرآن کریم جو جملہ علوم وفنون کا سرچشمہ ہے' اس کے انہی بیانات سے فن تاریخ کی بنیاد پڑی اور پھر مسلمان قوم نے اپنی معارف پروری کے سبب اسے ایک لازوال فن بنا ڈالا۔

''تاریخ'' پر گفتگو کرتے ہوئے ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' (پنجاب یونیورسٹی لاہور) کے فاضل مقالہ نگار کہتے ہیں کہ:

''اس لفظ سے عام طور پر مراد ہے قوموں کے عام وقائع کا بیان حولیات یعنی وقائع کا بیان بہ ترتیب سالیانہ' شرح وقائع بہ ترتیب تاریخی''۔ (ج ۶ ص ۳۶)

اسی مقالہ میں ''تاریخ'' پر گفتگو کرتے ہوئے دوسری بات یہ کہی گئی کہ:

''کسی عصر خاص کی ابتداء کی تعیین' حساب ازمان' حوادث کے وقت کی دقیق تعیین''۔ (ج ۶ ص ۳۷)

اس لفظ کا بنیادی مادہ ''و۔ر۔خ'' سے مشتق ہے اور یہ سامی زبانوں میں مشترک ہے۔

البیرونی اور الخوارزمی کے یہاں ایک روایت آئی ہے کہ یہ کلمہ فارسی لفظ ''ماہ روز'' کا معرب ہے لیکن ثانی الذکر نے اس کو رد بھی کیا ہے۔ (الآثار الباقیہ ص ۲۹' مفتاح العلوم ص ۷۹)

علم التاریخ جو آج ایک فن کے طور پر ہمارے سامنے موجود ہے وہ ادبیات کی ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں سالنامے اور سیر دونوں شامل ہیں۔ اہل علم نے عربی فارسی تاریخ نگاری کے بلحاظ حالات' اس کے ادوار متعین کیے ہیں۔ اور اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

اس تفصیل کے مطابق عربی تاریخ نگاری کی ابتداء کیسے اور کیونکر ہوئی؟ ابھی تک قطعی طور پر اس سلسلے میں رائے قائم نہیں ہو سکی۔ زمانہ جاہلیت کی زبان زد عوام روایات جنہیں اصطلاح میں ''اساطیر'' کہا جاتا ہے (مخالفین اسلام نے وحی کے لیے یہی لفظ استعمال کیا اور اس طرح گویا اسے معاذ اللہ تعالیٰ بے وقعت بنانے کی کوشش کی) ان سے جو سفر شروع ہوتا ہے' اس سے لے کر دوسری صدی ہجری تک کے علمی سرمایہ کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل ہے جسے اب تک پر نہیں کیا جا سکا۔

زمانہ حال کے مصنفین کا یہ نظریہ کہ اس ارتقائی مرحلہ میں فارسی کتاب ''شاہ نامہ'' کا اثر پڑا' دل لگتی بات نہیں' ہاں اس کا غالب گمان ضرور ہے کہ مختلف النوع تاریخی اور نیم تاریخی نگارشات کے دھارے جب اختلاط و آمیزش کے مرحلے میں داخل ہوئے تو اس سے عربی تاریخ نگاری نے ایک خاص رُخ اختیار کیا۔

زمانہ جاہلیت کے تاریخی آثار کے سلسلہ میں سوائے دھندلے نقوش کے اور کچھ نہیں ملتا' قدیم عرب اپنی مشکل پسند طبیعت کے پیش نظر ایک خاص انداز سے زندگی گزارنے کے عادی تھے اور تاریخی حس اس انداز سے ان میں نہ تھی۔ اس کے باوجود ''داستانہائے دور دراز'' کی ایک دنیا موجود ہے۔ ایسی ہی داستانوں کو ''وہب بن منبہ'' اور ''عبید بن شریۃ'' نے مدون کیا اور

بہر حال ان کا اپنا ایک مقام ہے اور انہیں ایک درجہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ بعد کے مؤرخین نے انہی واقعات کو اپنی تصانیف میں شامل کیا' وہب بن منبہ کی ''کتاب التیجان'' سے بحری تک نے جا بجا استفادہ کیا۔ ابن خلدون نے (ج ۱ ص ۱۳' ۱۴) میں اس کی بعض روایات پر نقد بھی کیا ہے لیکن روایات کے اخذ میں انہوں نے بھی بخل سے کام نہیں لیا اور جہاں ان کے اپنے اُصولوں کے مطابق استفادہ ممکن ہوا انہوں نے استفادہ کیا۔ پھر چونکہ دنیائے عرب قبائل پر مشتمل تھی اور مختلف قبیلوں کا اپنا مزاج تھا اس لیے یہاں قبائلی روایات کا بھی ایک لامتناہی سلسلہ تھا۔ یہ روایات نظم ونثر کی شکل میں موجود تھیں اور بہر حال ان کا معاملہ ایسا تھا کہ ان کو کام میں لایا جاتا اور ان سے مطالب اخذ کیے جاتے' بعد میں یہی قبائلی روایات قبائلی تاریخ میں تبدیل ہوگئیں اور ان میں بہت حد تک صداقت کی روح نظر آنے لگی اسلام نے اخلاق عالیہ کا جو سبق پڑھایا اس کے نتیجہ میں ان نوشتوں میں صداقت شعاری ابھر کر آگئی گو کہ قبائل کی خصوصیت اپنی جگہ رہیں اور اس میں حرج بھی نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

''کہ جاہلیت میں تم میں سے جو کسی خاص حوالہ سے شہرت وعزت رکھتے تھے ان کا جوہر اسلام میں بھی جوں کا توں رہے گا اور اس پر اثر نہ پڑے گا''۔

انہی قبائلی روایات کی وجہ سے نسب محفوظ رکھنے کا رواج تھا اور اس معاملہ میں بڑے بڑے جلیل المرتبت صحابہ رضی اللہ عنہم کو امتیازی مقام حاصل تھا۔ اور ''علم الانساب'' نے ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر لی۔

تاریخ کا سفر اسی طرح جاری تھا کہ دوسری صدی ہجری آ پہنچی اس کا ابتدائی دور ایسا تھا کہ مملکت اسلامیہ میں بنوامیہ بلاشرکت غیرے حکمران تھے۔ ان کی معارف پروری اور علمی خدمات کا دور دور تک شہرہ تھا' مخصوص سیاسی حالات نے ان کی طرف عجیب وغریب روایات منسوب کر دی ہیں' تاہم ان کی علمی خدمات ایسی ہیں کہ ان کے متعلق دو رائیں ممکن نہیں' ماضی قریب کے معروف رہنما سر آغا خان کا بنوامیہ سے فکری اختلاف معروف ومسلم ہے لیکن انہوں نے بھی اس کا اعتراف کیا اور بنوامیہ کے دور کو شاندار علمی دور قرار دیا۔ شعر وسخن کے قدیم ذخیروں میں سے خاص طور پر وہ حصہ جو پچھلے مجموعوں میں سے باقی رہ گیا تھا' اسے اس دور میں استعمال میں لایا گیا اور علم تاریخ کی شاندار خدمات سرانجام دیں۔[1]

اس دور کے معروف مؤرخین ابوعبیدہ (ولادت ۱۱۰ھ وفات ۲۰۹ھ) نے لگ بھگ دوسو رسائل اس فن کے حوالہ سے لکھے۔ ان رسائل میں سے آج اپنی اصل شکل میں ایک بھی موجود نہ ہو' یہ اپنی جگہ ہے' لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بعد کے مجموعوں میں اس کا مواد بہت ہی وافر مقدار میں نظر آتا ہے۔

---

[1] مؤرخ مسعودی نے ''مروج الذہب'' میں خاندان بنوامیہ کے گوہر شب چراغ سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے تاریخ کے سلسلہ میں اہتمام واحساس پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ رات کا ایک تہائی حصہ وہ اس سلسلہ میں خرچ کرتے۔ ایک مستقل طبقہ تھا جن کے ذمہ یہ کام تھا اور وہ بڑے کھلے ماحول میں عرب وعجم کے وقائع اور احوال کی کیفیات بڑی تگ ودو سے مرتب کرتے اور حضرت الامیر ذاتی طور پر ان کی سرپرستی کرتے اور مدون شدہ حصہ کا جائزہ لیتے۔ مسعودی کے بقول یہ اہتمام محض اپنے قبیلہ کے نقطہ نظر سے نہ تھا بلکہ وسیع تناظر میں اس کا اہتمام کیا گیا۔
(منقول از مقدمہ سیرت ابن اسحاق از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ص ی)

اسی طرح ہشام بن محمد الکلبی (م ۲۰۴ھ/ ۸۱۹ء) نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور اس فن کی ابوعبیدہ سے زیادہ بہتر خدمت کی ''ملوک حیرۃ'' کے گرجوں اور دوسیر عمارات کے پتھروں کو عربی میں ترجمہ کرا کے اس نے استعمال کیا۔

اُدھر اسی دور میں آنحضرت ﷺ کی سیرت پر تحریری کام کی ابتداء ہوگئی جس کا اصل منبع و ماخذ احادیث نبویہ تھیں۔ وسیع تناظر میں یہ ''علم التاریخ'' کا ایک حصہ تھا اور اس دور میں اس کے لیے ''مغازی'' کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ اس نسبت سے جو نام بہت شہرت پذیر ہے وہ حضرت عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہما (م ۹۳ھ) کا ہے جو ام المومنین سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھانجے تھے اور انہیں پہلا سیرت نگار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کی روایات سیرت کو حال ہی میں ایک ہندی عالم دکتور محمد مصطفیٰ الاعظمی استاد جامعہ ریاض السعودیہ نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

سیرت و مغازی رسول کے ضمن میں محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے احادیث کی جمع و تدوین کرنے والے بزرگ) کا نام بھی بڑا معروف ہے اور پھر آئندہ چل کر ''سیرت محمد ابن اسحٰق'' جیسی کتاب' الزہری کی روایات ہی کی بنیاد پر مرتب کی گئی' جس کا کتب سیرت میں ایک خاص مقام ہے۔ اس دور میں تاریخ کا کام بہت پھیل گیا اور اس فن نے بڑی ترقی کر لی چنانچہ ابن اسحٰق ہی کی کتاب الخلفاء واقدی (م ۲۰۷ھ/ ۸۲۳ء) کی مغازی کے علاوہ دوسری کتب اسی دور کی یادگار ہیں واقدی کی اس فن میں جو حیثیت ہے اس کا اندازہ اس سے ممکن ہے کہ تاریخ کی اُمہات الکتب میں سے ایک یعنی ''طبقات ابن سعد'' (ابن سعد' واقدی کے کاتب تھے) کا بنیادی مواد واقدی ہی کا ہے سیرت رسول کے ساتھ سیرت صحابہ بالخصوص خلافت اور اس کے تعلقات کے ضمن میں بھی اس دور میں خلافتی احکامات اور مخطوطات کی بنیاد پر لکھنے کا رواج ہوا۔ یہ جہاں مسلمانوں کی حکومتی تاریخ تھی وہاں ان کا اجتماعی کردار بھی اس سے سامنے آیا اور بعض اہم شخصیات کی سیرت شخصی سے بھی ایک دنیا متعارف ہوئی اس سلسلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے اختلافات کے حوالہ سے بھی تاریخی مواد میسر آیا جیسے ابومخنف (م ۱۵۷ھ) کی روایت' جسے ہشام الکلبی نے جمع کیا' اہل کوفہ کے حق میں اور اہل شام کے خلاف ہے جب کہ کلبی کی روایات جو عوانۃ بن الحکم (م ۱۴۷ھ) نے پیش کی' وہ اس کے برعکس ہے۔

تیسری صدی ہجری شروع ہوئی تو ایک طرف کاغذ ایجاد ہوگیا دوسری طرف تہذیب و تمدن کا معیار بہت بڑھ گیا (کاغذ کا پہلا کارخانہ بغداد میں ۱۷۸ھ میں قائم ہوا) اس صورتِ حال نے ادب و تاریخ کے ہر شعبہ پر گہرے اثرات مرتب کیے' وہ قدیم ترین مخطوطات جو آج ہمارا سرمایہ ہیں وہ اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ تاہم اس دور میں شخصی روایات (منہ زبانی اور سینہ بسینہ روایات) کا سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ اس صدی کے آخر تک بڑی شدومد کے ساتھ جاری رہا۔

علی بن محمد المدائنی بصری (م ۲۲۵ھ) سے منسوب ۲۳۰' رسائل سے کچھ تو ابوعبیدہ کے اصلاح شدہ ہیں کچھ اس کے کتابت کردہ اور کچھ اس کی زبانی روایات پر مشتمل ہیں جو اس کے شاگردوں نے مرتب کیے۔ ان رسائل سے اہم ترین چیز اس کی تاریخ خلافت ہے یا محض دوسری کتب جنھیں دبستان مدینہ کے اصول تنقید کے مطابق اس نے مہذب و مرتب کیا۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (جامعہ پنجاب) کے مقالہ نگار کے بقول:

''بعض علماء نے اخباری حضرات کی مخالفت ضرور کی لیکن امت میں تاریخ کا شعور پیدا ہو گیا اس شعور کے پس منظر میں قرآنی تاریخی دلائل، وسیع سلسلہ فتوحات کے سبب پیدا ہونے والا فخر اور عرب قبائل کی رقابت نے بڑا موثر کردار ادا کیا''۔ (ج۶ص۵۳)

تاریخ کے مطالعہ کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ اہل سنت کے بقول الٰہی نظام کا دوام و استمرار امتِ الٰہی سے وابستہ ہے' اس لیے امت کی تاریخ گویا ایک لازمی دینی چیز بن جاتی ہے جس سے اہل اسلام کو مفر نہیں اس لیے اس شعور و ادراک کے بعد تاریخ نویسی' اسلامی تہذیب و تمدن کا جزو لاینفک بن کر رہ گئی۔ جب یہ صورتِ حال پیدا ہو گئی تو پھر ہر اس جگہ تاریخ کا چرچا ہوا جہاں اسلام کے قدم پہنچے' مہذب مفتوحہ ممالک کا صالح مواد لے کر اسے روح اسلام سے مشرف کیا گیا تو افریقہ جیسے بنجر علمی علاقے بھی اس سے محروم نہ رہے۔

تیسری صدی کے وسط سے وسیع معنی میں تاریخی تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا جس میں مفرور سائل اور مختلف النوع روایات کی چھان پھٹک کر کے ایک مربوط تاریخ مرتب کرنے کی سعی کی گئی۔

اس سلسلہ میں اوّلیت کا شرف احمد بن یحییٰ البلاذری کو حاصل ہے (م ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) البلاذری المدائنی اور ابن سعد دونوں کا شاگرد ہے' اس کی کتابوں میں جہاں ان کے اساتذہ کے اثرات نمایاں ہیں وہاں اس کے اپنے دور کے تنقیدی مذاق کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

ان کتابوں میں مقدمہ کے طور پر ابتدائے آفرینش سے آخر تک دنیا کے بڑے چھوٹے واقعات خلاصہ کے طور پر پیش کیے گئے ہیں' یہ تصور ابن اسحٰق کے یہاں ابتدائی درجہ میں موجود تھا لیکن ان کے بعد اس میں توسیع ہو گئی اور اب پورے اہتمام سے اس فن کو لکھا گیا۔

اہل اسلام کو اپنے ابتدائی ادوار میں اسرائیلی روایات اور ایرانی روایات سے بھی سابقہ پڑا' اس قسم کی روایات نے خالص دینی ادب مثلاً تفسیر وغیرہ کے پردے میں بھی اپنا رنگ جمانا چاہا لیکن مسلمان اہل علم کا ذوق نقد و جرح ایسا نہ تھا کہ یہ بات ان کے اعصاب پر سوار ہو کر ان کے سرمایہ علمی کو اس طرح خلط ملط کر دیتی کہ صحیح و غلط کی تمیز ختم ہو جاتی۔

اس رویہ سے ایک نیا فکری عنصر تاریخ پر حملہ آور ضرور ہوا لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مسلمان اس مرحلہ سے بڑی خوش اسلوبی سے گزر گئے گو کہ بعض مواقع پر اختلاط نے کچھ اثر دکھلایا لیکن بنیادی طور پر مسلمان اس معاملہ میں بڑے حساس تھے اور غلط و باطل روایات آسانی سے ان کے حلق سے نیچے نہ اترتی تھیں' اگر کبھی ایسا ہو بھی گیا اور کسی مولف کے قلم نے لغزش و خطا کا مظاہرہ کیا بھی تو اس کے ہم عصر یا قریب العہد لوگوں نے اس کی اصلاح کا سامان فراہم کر دیا۔

محمد بن جریر الطبری (م ۹۲۳ء/۳۱۰ھ) کی کتاب تاریخ کا ایرانی عنصر والا حصہ نکال کر نہایت ہی قابل قدر ہے اور وہ مختلف النوع تلبیات سے پاک ہے۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ الطبری سب سے پہلے محدث تھے انہوں نے اپنی تفسیری کاوش کی طرح تاریخ میں بھی اس کا اہتمام کیا کہ مسلمان قوم کی اعلیٰ روایات کی پاسبانی و پاسداری ہو سکے۔

تیسری اور چھٹی صدی کا درمیانی دور تاریخی کتب کی بے حد کثرت کا دور تھا' اس دور کی خصوصیات مختصراً یہ ہیں:

① سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس دور میں مقامی روایات جمع کرنے کا عام رواج ہو گیا تا کہ آئندہ کام کرنے والوں کے سامنے ایک وسیع دفتری مواد موجود ہو۔

② مفصل اسناد جو محدثانہ طرز وطریق تھا اس کے بجائے اب مجمل اسناد پر اکتفا کیا گیا اور مسلسل واقعات کی تصویر کشی کی گئی جیسے روزنامچہ یا سالنامہ ہوتا ہے۔

③ اس دور میں جعل سازیوں کا طوفان بھی اٹھا جس سے معین سیاسی اغراض یا دنیوی مقاصد کو پورا کرنا مطلوب تھا۔لیکن انداز ایسا ہے کہ اصل ونقل اور صحیح وغلط میں امتیاز آسانی سے ممکن ہے۔

④ اس دور میں سیاسی تاریخ نویسی سے ارباب حدیث نے ہاتھ کھینچ لیا اور اب اس نے شاہی خاندانوں کے سالناموں کی شکل اختیار کر لی اس لیے محدثین نے صرف نظر کر لیا اور اب عمال حکومت یہ کام کرنے لگے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ نگاری کا قدیم تصور زیادہ دیانت داری کے ساتھ پورا ہونے لگا۔

⑤ اس زمانہ میں خود نوشت سوانح کا بھی رواج ہوا گو کہ اب قدیم سرمائے سے بہت کم مواد میسر ہے۔

⑥ اس سارے دور اور مابعد کے ادوار میں طریق اسناد کی پابندی (گو مجملاً سہی) تاریخوں کا اہتمام اور صاحب ترجمہ کے مختصر حالات کا اہتمام ہوتا رہا۔

⑦ سیرت اور تاریخ کی آمیزش سے ''سیرت پر مبنی تاریخیں'' اس زمانہ میں سامنے آئیں۔مثلاً وزراء قضاۃ شاہی خاندان وغیرہ کے مفصل الگ الگ تذکرے۔

⑧ مسلم دنیا کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات' بدنظمی اور حالات کے دباؤ نے اس دور میں فارسی میں تاریخ نویسی کا دروازہ کھول دیا۔ویسے چوتھی صدی ہجری کی ابتدا ہی سے ایرانی قبائل نے اپنے قومی تعصب کی بنا پر فارسی کے احیاء کی کوشش شروع کر دی لیکن سیاسی بدنظمی نے اس کے لیے اور ہر راستہ ہموار کر دیا۔تاہم یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ فارسی تاریخ نویسی میں عربی اثرات غالب تھے۔

چھٹی صدی کے بعد عربی اور فارسی لٹریچر میں بعد نمایاں ہونے لگا۔اس دور کے تاریخی ادب کی نمایاں باتیں یہ ہیں:

① گو کہ اس سے قبل بھی بعض کتابوں میں ابتدائے آفرینش سے تاریخ نویسی کی کوشش کی گئی لیکن اب ایک باقاعدہ نظریہ کے طور پر یہ تصور سامنے آیا اور اس کا ملت مسلمہ کی تاریخ کی طرح اہتمام ہونے لگا۔ابن کثیر اسی دور کا انسان ہے اس لیے وہ ابتدائے آفرینش سے گفتگو شروع کرتا ہے اور بڑے بسط وشرح سے اس کا قلم رواں دواں ہوتا ہے۔

② مرکز خلافت کی کمزوری کے سبب علاقائی اور خاندانی تراجم کا اس دور میں بہت دور دورہ ہوا۔مرکز خلافت ہی کی کمزوری کے سبب اب تاریخ کا مرکز شام کو منتقل ہو چکا تھا جہاں زنگی اور ایوبی خاندان برسرپیکار تھے' انہوں نے ہر نوع کی عظیم خدمات کے ساتھ ساتھ تاریخ کی سرپرستی کا عظیم فرض سرانجام دیا۔

③ اس دور میں عربی تاریخ نویسی کے اصل جوہر وقائع نگاری کی نسبت سیرت نگاری میں زیادہ کھلتے ہیں۔

اس سے اگلا پیریڈ دسویں صدی ہجری کے بعد کا ہے جس میں ایک خاص مرحلہ پر مسلمان قوم قریب قریب ایسے حالات کا شکار ہوگئی کہ اس کی عزت وعظمت خاک میں مل گئی۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ اس پر آشوب دور میں بھی اس قوم نے مختلف علوم وفنون کے حوالہ سے جن رجال کار کو جنم دیا وہ اپنی مثال آپ ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی زوال کے دور میں علمی ترقی کا قدرت نے ایسا اہتمام کیا کہ کہیں یہ قوم بالکل ہی مفلوج ہو کر نہ رہ جائے۔

اس دور میں البتہ ایک المیہ ضرور ہوا کہ استبدادی قوتوں نے مسلمانوں کو اس کے سرمایہ علمی سے محروم کرنے اور اس کے تاریخی وقائع کو اپنے اغراض کے مطابق مرتب کرنے کی طرح ڈالی' اس کا نقصان یہ ہوا کہ ''علم کے موتیوں'' کی دولت سے یورپ نے اپنی چودھراہٹ کا سکہ جمالیا اور مسلمان جیسی وسیع المشرب قوم میں نفرت وحقارت کے جذبات بھڑک اٹھے اور پڑوسی اقوام سے جا بجا اس کی لڑائیاں اٹھ کھڑی ہوئیں' جس کے برے اثرات اب بھی محسوس ہوتے ہیں۔ تاہم قدرت نے اپنے خصوصی فیضان سے اس دور میں بھی ایسا اہتمام کیا کہ مسلمانوں کے اندر بعض باہمت افراد نے آگے بڑھ کر اپنے سرمایہ علمی کی حفاظت کی اور اُدھر۔ ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

کے مصداق استبدادی قوتوں میں ایسے منصف مزاج حضرات اٹھ کھڑے ہوئے جنھوں نے حتی الوسیع سچائی اور دیانت داری سے علمی خدمات کی طرح ڈالی۔

اس آخری دور پر تفصیل سے لکھنا ممکن ہے لیکن چونکہ یہ ہمارے مقصد سے خارج ہے اس لیے ''تاریخ'' پر اس سرسری گفتگو کے بعد اب ہم دوسرے نکتہ کی طرف آتے ہیں۔ یعنی

الحافظ ابن کثیر......سوانح:

یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے کہ حافظ ابن کثیر مختلف الحیثیات شخصیت کے مالک تھے۔ قدرت نے اپنی عنایت خاص سے انہیں مختلف علوم وفنون میں بڑی مہارت بخشی تھی وہ جلیل القدر مفسر' عظیم المرتبت محدث' اعلیٰ پایہ کے مؤرخ اور صاحب کمال شاعر تھے۔ اس کے علاوہ فقہ وفتاویٰ' درس وتدریس اور وعظ ونصیحت میں بھی ان کی حیثیت مسلم تھی۔ ان کا تصنیفی اور تالیفی پایہ بہت بلند ہے۔ اور خاص طور پر تفسیر وتاریخ میں ان کی کتابیں کلیدی درجہ کے مصادر میں شمار ہوتی ہیں۔

مشہور صاحب قلم ''الداوری'' طبقات المفسرین'' میں لکھتے ہیں:

''کان (ابن کثیر) قدوة العلماء و الحفاظ و عمدة اهل المعافی و الالفاظ''. (ص:۳۲۷)

دکتور محمد حسین الذہبی' ان کی تفسیر پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''روایات احادیث کے حوالہ سے ان کی تفسیر' ابن جریر کی قلمی کاوش کے بعد مشہور ترین علمی کارنامہ ہے مصنف علامہ نے اس میں طبقہ اسلاف کے مفسرین کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھا ہے۔ انہوں نے کلام اللہ تعالیٰ کی تفسیر میں احادیث نبویہ

اور اصحاب رسولؐ کے آثار پر اعتماد کیا ہے......''۔ (التفسیر والمفسرون ج ۱: ص ۲۴۴)

بہر حال جہاں تک موصوف کی تفسیر کا تعلق ہے اس کی ہمارے دینی لٹریچر میں بڑی اہمیت ہے لیکن اس پر گفتگو ہمارا موضوع نہیں' موضوع ان کی تاریخ ہے تاہم اس پر لکھنے سے قبل ان کے حالات کا خاکہ ضروری ہے۔

آپ کا نام اسمٰعیل ہے ابوالفداء کنیت ہے عماد الدین لقب ہے اور عرفی نام ابن کثیر...... سلسلہ نسب یہ ہے:

''اسمٰعیل بن عمر بن کثیر بصری ثم دمشقی......''۔

موصوف کے متعلق اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ ان کی ولادت ۷۰۰ھ یا ۷۰۱ھ میں ہوئی۔

(التبیان فی علوم القرآن للصابونی ص ۱۸۸ مطبوعہ بیروت)

شام کے شہر بصریٰ کے نواحی گاؤں ''مجدل'' میں اپنے ننھیال میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ وہیں آپ کے والد منصب خطابت پر فائز تھے۔ ۳' ۴ سال کی عمر میں حضرت والد محترم کی وفات پر ان کے برادر اکبر جن کا اسم گرامی الشیخ عبدالوہاب تھا' انہیں دمشق لائے۔ ان کے اساتذہ کے ضمن میں بعض خاص نام یہ ہیں۔

برادر اکبر الشیخ عبدالوہاب' کے علاوہ شیخ برہان الدین (م ۷۲۹ھ) اور شیخ کمال الدین سے فقہ کی تکمیل کی۔ اس دور کے معمول کے مطابق علم فقہ کی کتاب ''التنبیہ فی فروع الشافعیہ'' (تصنیف شیخ ابواسحاق شیرازی م ۴۷۶ھ) کا متن زبانی یاد کیا۔

(التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۲۴۲)

اصول فقہ میں ابن حاجب مالکیؒ (م ۶۴۶) کی ''مختصر'' کو حفظ کیا اس فن کی تکمیل ''مختصر'' کے شارح شمس الدین اصفہانی (م ۷۴۹ھ) سے کی۔ احمد بن حجار اس دور کے نامور محدث تھے' ایسے کہ ان کا مستقل اسکول اور گویا مکتب تھا جس سے لاتعداد اساتذہ وابستہ تھے ان سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے علاوہ:

''بہاء الدین قاسم (م ۷۲۳ھ) عفیف الدین اسحٰق (م ۷۲۵ھ) محمد بن زراد' ابن سویدی (م ۷۱۱ھ) ابواسحٰق ابراہیم (م ۷۲۲) حافظ ذہبی' حافظ مزی اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث حاصل کی''۔ (التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۲۴۲)

علامہ ابن کثیر شافعی المسلک ہونے کے باوصف اپنے استاد امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ تعلق رکھتے اور بعض مسائل میں اپنے مسلک کے علی الرغم' اپنے استاذ سے متعلق اس تعلق کے سبب بعض اوقات انہیں زحمتیں بھی اٹھانا پڑیں۔

حافظ ابن کثیر کے شاگرد' مشہور عالم حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''امام ابن تیمیہؒ سے استفادہ کیا' اس تعلق کی بناء پر مبتلائے مصیبت بھی ہوئے''۔ (الا رر الکامنہ ج ۱ ص ۳۷۴)

اس ضمن میں ابن عماد کی شہادت شذرات (ج ۲ ص ۲۳۰) اور خود البدایہ والنہایہ (ج ۱۴ ص ۱۳۷) میں موجود ہے۔

البدایہ میں ابن کثیر فرماتے ہیں:

و كان بيني و مبينه مودة و صحبة من الصغير و سماع الحديث والكلب.

میرے اور امام ابن تیمیہؒ کے درمیان بہت ہی مخلصانہ اور محبت بھرے تعلقات تھے' بچپن ہی کی عمر سے ان سے نیازمندی

تھی ان سے مجھے علم حاصل کرنے اور احادیث سننے کا موقعہ ملا''۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۴ ص ۱۳۷ مطبوعہ قدوسی لاہور)

جیسا کہ پہلے گزرا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے والد خطابت کے منصب پر فائز تھے۔ وہ ایک عظیم خطیب تھے۔ شروع میں وہ مدرس بھی رہے خود حافظ ابن کثیرؒ نے واضح کیا کہ والد بزرگوار خطابت اور شعر و شاعری میں بڑے مقام کے حامل تھے۔ ان کی تقریر بڑی مؤثر ہوتی لوگ ان کی بڑی قدر کرتے حتیٰ کہ امام نووی اور امام تقی الدین جیسے سر برآوردہ روزگار حضرات ان کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے۔ (البدایہ ج ۱۴ ص ۳۱)

موصوف کی دو بیویوں میں سے دوسری سے آخری اولاد حافظ ابن کثیر تھے جو کم سنی میں ہی والد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے اور پھر برادر بزرگ الشیخ عبدالوہاب انہیں دمشق لے گئے۔ علامہ ابن کثیر کے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے دونوں ہی بیٹوں کے نام اسمٰعیل تھے، چونکہ سب سے بڑے صاحبزادے اسمٰعیل چھت سے گر کر مر گئے تھے جس کا والد کو بڑا صدمہ تھا اس لیے ان کی یاد میں دوسرے فرزند کا نام اسمٰعیل رکھا۔

حافظ ابن کثیر نے اپنے برادر بزرگ الشیخ عبدالوہاب (م ۷۵۰) کا بڑے احترام سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے حسن تربیت کی بدولت مجھ میں علمی ذوق پیدا ہوا اور حصول علم کے راستے کی رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ (البدایہ ج ۱۴ ص ۳۰-۳۱)

موصوف کی اولاد نرینہ میں صرف ایک نام ملتا ہے یعنی ابوالبقاء بدرالدین محمد (م ۸۰۳) اور اتفاق یہ ہے کہ شاگردوں میں سے بھی صرف دو کے نام محفوظ ہیں ایک ابن حجی کا دوسرا مشہور مصنف و محقق حافظ ابن حجر عسقلانی کا۔

(دیکھیں شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۳۲ و جلاء العینین ص ۲۲)

تاہم صاحب جلاء العینین نے ''وتلامذتہ کثیر'' کا لفظ ضرور لکھا اور عقلاً بھی یہ بات درست ہے کہ اتنے بڑے آدمی کے شاگرد بہرحال بہت ہوں گے حافظ ابن حجر جیسے محقق نے ان کے حافظہ اور ان کے استحضار علمی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

و کان کثیر الاستحضار قلیل النسیان. (شذرات ج ۶ ص ۲۳۱ الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۳۷۴ و جلاء العینین ص ۲۲)

یعنی ان کا علم بہت ہی متحضر تھا اور بھول چوک برائے نام۔

اسی طرح صاحب شذرات اور صاحب جلاء العینین کی مشترکہ شہادت ہے:

''اکثر لوگوں نے ان کے بہترین حافظے، متون کی یادداشت اور کثرت استحضار کا ذکر کیا ہے ان میں امام ذہبی، حسینی اور عراقی جیسے حضرات شامل ہیں''۔

موصوف کا ذوق شعری بھی بہت بلند تھا تذکرہ نگاروں نے بعض اشعار نقل کیے ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں تاہم یہ طے ہے کہ انہوں نے اس میں توغل نہیں کیا اور اسلامی روح یہی ہے۔ زندگی کی بے ثباتی پر دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

تمر بنا الایّام تتری و انما ۔۔۔ نساق الی الآجال و العین تنظر

فلا عائد ذاک الشباب الذی مضی ۔۔۔ و لا زائل ھذا المشیب المکدر

ترجمہ: ''ایام زندگی پے در پے ہماری آنکھوں کے سامنے گزر رہے ہیں اور ہم ہیں کہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔ دورہ

ماضی کا شباب لوٹ آئے؟ یہ ناممکن اور یہ بڑھاپا جو تکلیف دہ ہے ٹل جائے' یہ بھی ممکن نہیں''۔ (شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۳۱)

موصوف علماء کی عام روش کے برعکس نہایت درجہ شگفتہ مزاج تھے اور ان کی تحریرات میں دلکشی' شگفتگی اور روانی کا عنصر بطریق اتم موجود ہے جرجی زیدان نے موصوف کی تدریسی زندگی پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

''وہ مدتوں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ۷۴۸ھ میں دمشق کی مسجد امام صالح میں استاذ حدیث مقرر ہوئے جبکہ علامہ ذہبی کے انتقال کے بعد مدرسہ تنکیز یہ میں بھی مدرس رہے''۔ (تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ج ۳ ص ۹۳)

چونکہ وہ دور مناظراتی دور تھا جیسا کہ ان کے استاد شیخ ابن تیمیہ کی زندگی سے واضح ہے اس لیے ابن کثیر کو بھی اس وادی سے گزرنا پڑا لیکن اس طرح کہ ''جادلھم بالتی ھی احسن'' کے مطابق دلیل اور متانت سے بات فرماتے۔

اسی طرح فن افتا میں ان کی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے علامہ ذہبیؒ کے حوالہ سے حافظ ابن حجرؒ نے ''الامام المفتی'' لکھا ہے۔ امام شوکانی اور ابن حبیب نے بھی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ (جلاء العینین ص ۲۲)

مناظرہ وافتاء اور علم وتدریس کی اس وسیع دنیا کے ساتھ ان کی شب بیداری' ذکر وفکر اور عبادت گزاری کا بھی معاصرین نے اور بعد کے حضرات نے کھلے دل سے ذکر کیا اور لکھا کہ وہ اس معاملہ میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ رہ گیا ان کا فقہی مسلک تو اس میں شک نہیں کہ وہ حضرت الامام الشافعی قدس سرہٗ کے مقلد تھے تاہم ایک صاحب نظر عالم کی طرح بعض مسائل میں اپنے امام سے اختلاف بھی فرماتے اور بعض معاملات وسائل میں اپنے استاذ حضرت الامام ابن تیمیہ حنبلی سے متفق تھے۔

خصوصی میدان:

یہ طے شدہ ہے کہ وہ مختلف علوم وفنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے لیکن اہل تذکرہ نے تفسیر' حدیث' فقہ اور تاریخ ان کے خاص میدان قرار دیئے ہیں۔ تفسیر اور تاریخ کے سلسلہ میں تو ان کی ضخیم کتابیں ان کے تخصص کا سب سے بڑا ثبوت ہیں تاہم چند شہادتیں ملاحظہ فرمالیں۔ ایک عمومی رائے یہ ہے:

وانتھت الیه رئاسة العلم فی التاریخ والحدیث والتفسیر. (شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۳۱ جلاء العینین ص ۲۲)

''تاریخ' حدیث اور تفسیر کی ریاست علمی کی انتہا ان پر ہوتی ہے''۔

علامہ ذہبی کا قول ہے:

المحدث البارع الفقیه. (الدررالکامنہ ج ۱ ص ۳۷۶)

''البدر الطالع'' کے فاضل مصنف نے فقہ' تفسیر' نحو اور جرح وتعدیل میں ان کی مسلمہ حیثیت کا بڑے اہتمام سے ذکر کیا ہے۔ (البدر الطالع ج ۱ ص ۱۵۳)

ابن عماد فرماتے ہیں:

''جرح وتعدیل اور احادیث کی صحت وعدم کے پہچان میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ حتیٰ کہ ان کے معاصرین اور اساتذہ تک اس کا اعتراف کرتے ہیں''۔ (شذرات الذہب ج ۶ ص ۲۳۰)

خاص علوم وفنون کے حوالہ سے علماء نے ان کی عظمت کا جو اعتراف کیا' اس کی ایک جھلک تو اوپر کی سطور میں سامنے آ چکی ہیں' عمومی اعتبار سے دیکھیں کہ اہل علم اس ''الامام العلام'' کو کس طرح یاد کرتے ہیں؟

عراقی (م ۸۰۶ھ) سے سوال ہوا کہ مغلطائی' ابن کثیر' ابن رافع اور حسینی جو چاروں معاصر ہیں ان میں بڑا کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا:

''معلومات کی وسعت اور نسب میں مغلطائی' مختلف متون اور تاریخ کے حافظ ابن کثیر حدیث میں سب سے زیادہ اشتغال رکھنے والے ابن رافع اور تخریج میں حسینی سب سے بڑھ کر ہیں''۔

الذہبی فرماتے ہیں:

الامام' المفتی' المحدث' البارع' فقیه' مقنن' محدث متقن و مفسر. (التفسیر والمفسرون ج ا ص ۲۴۲)

یہ عظیم المرتبت شخص زندگی کے آخری ایام ظاہری بصارت سے محروم ہو گئے ۲۶ شعبان ۷۷۴ھ کو وفات پائی اور اپنے عظیم المرتبت ومشفق استاذ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں مقبرہ صوفیہ میں تدفین کی جگہ نصیب ہوئی۔

امام کی تصانیف:

درس و تدریس' افتاء ومناظرہ کی شدید مصروفیات کے باوصف آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں عظیم خدمت سر انجام دی ہے مختصراً آپ کی کتابوں کا تعارف پیش خدمت ہے:

① تفسیر القرآن: اس فقید المثال خدمت دینی کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔ محدث کوثری فرماتے ہیں:

''یہ تفسیر بالروایت میں سب سے زیادہ مفید ہے''۔

قاضی شوکانی فرماتے ہیں:

''مصنف (ابن کثیر) نے اس میں بہت سا مواد جمع کر دیا ہے۔ مختلف مذاہب کا نقطہ نظر بیان کر دیا ہے۔ احادیث و آثار کا ذخیرہ بڑی تفصیل سے پیش کر کے ہر مسئلہ پر نفیس بحث کی ہے''۔

اور امام سیوطی یہاں تک فرماتے ہیں:

''اس طرز پر اس سے اچھی تفسیر نہیں لکھی گئی''۔ (الرسالۃ المستطرفۃ ص ۱۴۶)

اس سلسلہ میں دکتور ذہبی کی فاضلانہ کتاب ''التفسیر والمفسرون'' اور دور حاضر کے ایک نہایت ہی مخلص خادم قرآن مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی کی کتاب میں تفصیلی بحث دیکھی جا سکتی ہے۔

② البدایہ والنہایہ اس پر آخر میں گفتگو ہوگی۔

③ نہایۃ البدایہ: آپ کی عظیم تاریخی کتاب البدایہ والنہایہ (۱۶ جلد) کا یہ تکملہ ہے جو ۲ جلدوں میں ہے' مصنف علامہ نے اس میں آثار قیامت اور قیام قیامت کے بعد کے حالات پر تفصیلی اور مبسوط بحث کی ہے۔ گویا البدایہ کی ۱۶ جلدوں میں ابتدائے آفرینش سے اپنے دور تک کے حالات ذکر کر کے ان دو جلدوں کو اس دور کے لیے مختص کیا جب نظام عالم تہہ و

بالا ہوگا۔

④ جامع المسانید: اس کتاب کا پورا نام "جامع المسانید والسنن لاقوم السنن" ہے اس میں صحاح ستہ، مسند احمد، مسند بزار، مسند ابویعلی اور معجم کبیر طبرانی کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ فن حدیث کی عظیم خدمت ہے۔

(البدر الطالع ج ا ص ۱۵۳)

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

"گزشتہ ہزاروں سال کے وقائع میں کتاب وسنت کی تصریح پر اعتماد کیا ہے، صحیح، ضعیف اور اسرائیلی روایات کو الگ الگ کیا ہے"۔ (کشف الظنون ج ا: ص ۳۸۵)

"بدر الطالع" میں اس کا نام "مسند کبیر" کتاب الہدیٰ والسنن فی احادیث المسانید والسنن بھی لکھا ہے۔

حاجی خلیفہ ہی تصریح کرتے ہیں:

"یہ کتاب اصول اسلام کے متعلق روایات کا ذخیرہ ہے"۔

اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدیو مصر میں موجود ہے۔ (فہرست کتب خانہ ہذا ج ا ص ۳۲۳)

⑤ **التکمیل فی معرفة الثقات والضعفا والمجاهیل:** حاجی خلیفہ نے اس کا نام **التکملة فی اسماء الثقات والضعفاء**" لکھا ہے۔ (حاجی خلیفہ ج ا ص ۳۸۶)

خیر الدین الزرکلی نے الاعلامہ میں "التکمیل الخ" نام لکھا ہے۔ اس کی پانچ جلدیں ہیں اور اس کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے یعنی رجال کے حالات...... موصوف کے استاد اور خسر امام مزی اور امام ذہبی نے "تہذیب الکمال" اور "میزان الاعتدال" کے نام سے جو کتابیں لکھی ہیں، ابن کثیر کی یہ کتاب ان دونوں کی خصوصیات کی جامع ہے۔

⑥ ⑦ طبقات الشافعیہ اور مناقب شافعی۔ اوّل الذکر کا نسخہ قلمی مکہ معظمہ کی مجلس شوریٰ کے رکن محمد بن عبدالرزاق حمزہ کے پاس ہے فقہاء شافعیہ کا بڑے محبت بھرے انداز میں ذکر ہے جب کہ دوسری کتاب ان کے مسلکی امام، امام شافعی کا ترجمہ وتذکرہ ہے حاجی خلیفہ نے اس کا نام "الواضح النفیس فی مناقب الامام ابن ادریس" لکھا ہے۔ (کشف الظنون ج ا: ۳۸۶)

⑧ علامہ ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) کی اصول حدیث کی معروف کتاب "مقدمہ ابن الصلاح" کا اختصار ہی نہیں بلکہ اس میں جابجا اضافے ہیں، حافظ ابن حجر نے اس کے مفید ہونے کا ذکر کیا۔ یہ کتاب بیروت سے چھپ چکی ہے۔

⑨ **تخریج مختصر ادله التبنیه:** امام ابواسحٰق شیرازی شافعی (م ۴۷۶ھ) کی فقہ میں معروف کتاب "التبنیہ" کے دلائل کی تخریج کی ہے۔ ابن کثیر نے اس کا متن اور اس کی ترتیب کا کام ۱۸ برس کی عمر میں کرلیا تھا۔

⑩ تخریج مختصر ابن صاحب: ابن حاجب مالکیؒ (م ۶۴۶ھ) کی اصول فقہ کی معروف کتاب "مختصر ابن حاجب" کو بھی حافظ ابن کثیر نے حفظ کیا اور اس کی احادیث کی تخریج کی۔ خود البدایہ میں آپ نے اس کا ذکر کیا۔ (ج ۱۳ ص ۱۷۳)

⑪ الاجتہاد فی طلب الجہاد: عیسائیوں نے قلعہ ایاس کا جب محاصرہ کیا تو وہاں کے امیر کی فرمائش پر جہاد کی ترغیب کے

لیے یہ رسالہ لکھا جرجی زیدان نے اس کا ذکر کیا ہے اس کا قلمی نسخہ بھی مصر کے کتب خانہ خدیو میں ہے اب یہ مصر سے چھپ چکا ہے۔

⑫ کتاب الاحکام: شرعی مسائل پر وہ بسط سے لکھنا چاہتے تھے افسوس کہ یہ مکمل نہ ہو سکی' موصوف نے اپنی تفسیر میں اس کے جابجا حوالے دیئے ہیں۔ (شذرات الذہب ج۶ ص۲۳۱)

⑬ شرح البخاری: یہ بھی مکمل نہ ہو سکی اس کا ذکر موصوف نے خود ''اختصار علوم الحدیث'' میں کیا ہے۔

⑭ فضائل القرآن: یہ رسالہ آپ کی تفسیر کے ساتھ مصر سے چھپ چکا ہے۔ قرآن کے متعلق بخاری کی روایات پر فاضلانہ کلام ہے ساتھ ہی جمع اور ترتیب اور کتابت کے مسائل پر گفتگو کی ہے۔

⑮ مختصر کتاب المدخل للبیہقی: اس کا ذکر بھی ''اختصار علوم الحدیث'' میں ہے۔

⑯ الفصول فی اختصار سیرت الرسول: اس کا ذکر سورۂ احزاب کی تفسیر میں موجود ہے۔

⑰ کتاب المقدمات: اس کا ذکر بھی ''اختصار علوم الحدیث'' میں ہے۔

⑱ مسند الشیخین: حضرات ابوبکر صدیق اکبر اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث کا مجموعہ ہے۔

⑲ مسند امام احمد بن حنبل: مسند جیسی معرکتہ الآراء کتاب کو امام ابن کثیر نے حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا تھا اور ساتھ ہی طبرانی کی معجم اور ابو یعلی کی مسند سے زوائد کو درج کرنے کا اہتمام کیا تھا۔

البدایہ والنہایہ:

اس سلسلہ تحریر کے بعد اب تیسرا' اور اہم نکتہ سامنے آتا ہے اور وہ ہے موصوف کی عظیم الشان تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' پر گفتگو...... سو اب ہم اس طرف آتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

یہ تاریخ جیسا کہ عرض کیا گیا ۱۴+۲:۱۶' مجلدات پر مشتمل ہے ابتدائی چودہ مجلدات ابتدائے آفرینش سے مصنف کے دور تک اور آخر کی دو جلدیں قیام قیامت اور بعد کے احوال پر مشتمل ہے۔

عربی میں اس کے مجموعی صفحات (۱۴ جلدوں کے) ۵۱۹۷ ہیں ہمارے سامنے وہ ایڈیشن ہے جو (م ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء) میں مصری نسخہ کے عکس کی صورت میں خوبصورتی سے چھاپا۔

اس سے منسلک ابتدائی اوراق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ ۱۳۵۸ھ میں مصر سے شائع ہوئی اور اس میں ابتدائے آفرینش سے ۷۶۸ھ تک واقعات مندرج ہیں گویا مصنف علامہ کی وفات (۷۷۴ھ) کے مطابق چھ سال قبل تک کے حالات کا انہوں نے اہتمام کیا۔ یہ عربی نسخہ اس مخطوطہ کی بناء پر معرض طباعت میں آیا جو شام کے مشہور شہر حلب کے المدرستہ الاحمدیہ میں محفوظ تھا لیکن ناشر نے ساتھ ہی ساتھ ''دارالکتب المصریہ'' کے نسخہ سے مقابلہ بھی کیا اور ابن ہشام کی مختصر سیرت لابن اسحٰق' اس کی شرح **الروض الانف للسهيلي' دلائل النبوة للحافظ ابن نعيم' السيرة النبوية الشامية اور معاجم اللغة** سے بھی مراجعت کر کے اصلاح وتصحیح کا کام کیا (ج+۱ ص۳) اس تصحیح میں ازہر مصر کے فاضل استاد الشیخ الامام محمود المنصوری کی نگرانی شامل تھی (ج

اص ۳۳۹) مصنف علامہ نے حمد ونعت پر مشتمل نفیس اور طویل خطبہ رقم فرمایا اس کے بعد جولکھا اس کا خلاصہ یہ ہے:

''یہ ایسی کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی بخشی ہوئی آسانیوں سے میں نے ابتدائے مخلوقات سے تذکرہ کیا ہے یعنی عرش' کرسی' آسمان' زمین' ان میں بسنے والی دوسری مخلوقات از قسم ملائک' جنات' شیاطین' سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کی تفصیلات و کیفیات' انبیاء علیہم السلام کے واقعات وقصص۔ تا آں کہ بنی اسرائیل کے دور تک' پھر ایام جاہلیت پر گفتگو کر کے اس سلسلے کو سید ولد عدنان' خاتم النبیین والمعصومین اور عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ کے دور سعادت تک پہنچایا ہے۔ پھر آپ کی سیرت کا اس طرح اہتمام سے ذکر کیا ہے کہ قلوب ہر قسم کے غل وغش سے پاک ہو جائیں اور روحانی وقلبی بیماریوں سے بیمار شفا پالیں۔

اس کے بعد ہم نے اپنے عہد تک کے واقعات قلم بند کیے ہیں۔ پھر ان فتنوں ہنگاموں اور علامات قیامت کا ذکر ہے پھر قیامت قائم ہونے' دنیا کے دوبارہ اٹھائے جانے اور قیامت کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہے۔ پھر اس دن کی تفصیلات اور جو کچھ اس میں واقع ہوگا اور جو اہم معاملات پیش آئیں گے ان کا ذکر ہے' پھر دوزخ کا ذکر ہے اور جنت کا نیز جنت میں جو انعامات ہوں گے ان کا' نیز اس سے متعلق دوسری چیزیں''۔

اسی سے متصل فرماتے ہیں:

''جو کچھ پیش کیا گیا وہ وہ ہے جو کتاب' سنت اور آثار سے منقول ہے نیز وہ منقول اخبار میں ایسے علماء کے یہاں مقبول و پسندیدہ ہیں جنھیں شکوۃ نبوت سے استفادہ کا موقع ملا اور روشنی میسر آئی۔

اسرائیلی روایات سے احتراز کیا ہے الا یہ کہ ایسی روایات جن کے نقل کی جناب شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے خلاف نہیں۔ وہ روایات ایسی ہیں جن کی تصدیق وتکذیب کی چنداں ضرورت نہیں۔[1] البتہ ان کے ذریعہ سے کسی مختصر چیز کی تفصیل سامنے آسکتی ہے یا کوئی مبہم چیز واضح ہو جاتی ہے۔

تذکره علی سبیل التجلی به لا علی سبیل الاحتیاج الیه والاعتماد علیه و انما الاعتماد والاستناد علی کتاب اللّٰه و سنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم' ماصح نقله اوحسن الخ.

(ج ا:ص ۶)

گویا حضرت الامام اپنے تفسیری ذوق کے مطابق یہاں بھی علم وہدایت کے ان اصل سرچشموں پر اعتماد فرماتے ہیں جو کتاب اللہ اور

---

[1] مصنف علامہ نے اسی مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فاتح مصر' مدبر اسلام سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی جس کا ترجمہ یہ ہے: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ایک ہی حکم ہو تو اس کو بھی آگے پہنچاؤ۔ بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں حرج نہیں' مجھ سے (اصل میں) روایت کرو اور غلط بات کی میری طرف نسبت نہ کرو' جس نے میری طرف غلط بات کی نسبت کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے''۔

پھر فرماتے ہیں کہ یہاں جن اسرائیلی روایات کے بیان کرنے کی اجازت ہے وہ ایسی ہی روایات ہیں جو ہمارے یہاں اس حیثیت کی شمار ہوتی ہیں کہ ان پر کوئی نقد وجرح نہیں...... (ص ۶-۷)

سنت رسول اللہ ﷺ کی شکل میں آج بھی انسانیت کے لیے موجود ہیں اور ساتھ ہی آثار منقولہ ومقبولہ پر اعتماد فرمایا ہے۔ آگے چل کر جناب مصنف نے بڑے زور سے یہ بات کہی کہ ہم اصل میں اس چیز کے محتاج ہیں جو ہمارے آقا ومولا ﷺ نے بیان فرمائی' اسی پر ہمارا اعتماد ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن ہے جو ایسی کتاب ہے کہ ماضی کے واقعات بتلاتی ہے تو آنے والے دور کا نقشہ بھی کھینچتی ہے' تمہارے درمیان جو نزاعات ہیں ان کا فیصلہ بھی کرتی ہے۔ وہ ایسی فیصلہ کن چیز ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی بیکار بات نہیں جو اس کو غرور وتکبر کے سبب چھوڑ دے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے نمٹ لیں گے' جو اس کے سوا کسی دوسرے نوشتہ سے رہنمائی کا طالب ہوگا وہ گمراہ ہو کر رہ جائے گا۔ (یہ درحقیقت ایک ارشاد پیغمبر کا ترجمہ ہے جس کے راوی سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں)

مصنف علامہ کی اس گفتگو سے ان کا ذوق ومسلک کم از کم واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کس چیز پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ طویل تاریخی سفر کس طرح تکمیل کو پہنچانا چاہتے ہیں۔

پہلی جلد کے آغاز میں انہوں نے زمین وآسمان وغیرہ کی تخلیق پر گفتگو کر کے ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کا ذکر چھیڑا ہے اور اس کا اہتمام کیا ہے کہ ہر موضوع پر اولاً کتاب اللہ کا فرمان نقل کیا جائے پھر رسول کریم ﷺ کے ارشادات عرش وکرسی' زمین و آسمان اور جنات وملائکہ کے ضمن میں ٹھیک اسی ڈگر پر چلے ہیں پھر تذکرہ انبیاء میں بھی اس کا اہتمام ہے۔ کہ مختلف انبیاء اور ان کی اقوام وملل کے سلسلے میں قرآنی تصریحات کو سب سے پہلے نقل کیا پھر احادیث کے ارشادات اس پہلی جلد میں سیدنا الیاس علیہ السلام تک واقعات ہیں جن کا ذکر خیر سورۂ صافات میں ہے۔ مصنف علامہ نے ساتھ ہی علماء نسب کے حوالے سے مختلف انبیاء کے نسب پر فاضلانہ کلام کیا' ان کا زمانہ متعین کرنے کی کوشش کی اور تاریخی حوالوں سے جو بن پڑا اس پر گفتگو کی۔

دوسری جلد ان انبیاء بنی اسرائیل سے شروع ہوتی ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں تشریف لائے۔ اور اسی ضمن میں اصحاب الکهف' اصحاب الجنة' اصحاب الایلة' قصة لقمان وغیرہ پر سیر حاصل کلام کیا ہے۔

ص ۱۸۴ سے بنو اسماعیل کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ بنو اسماعیل کی پوری تاریخ سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے نبی آخر الزمان ﷺ تک سامنے آ گئی اور پھر اسی سے متصل حضور اقدس علیہ السلام کی قبل نبوت وبعد نبوت کی زندگی پر قلم اٹھایا۔

سیرتِ رسولؐ میں قرآنی ارشادات' علماء نسبت کی تحقیقات اور وقائع واحوال پر موصوف کا قلم بڑی روانی سے چلا ہے اور اپنے سے متقدمین حضرات کی نگارشات سے بھی انہوں نے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اس کا حوالہ دیا ہے۔

تیسری پوری جلد سیرتِ رسولؐ ہی سے متعلق ہے اور اس کی ابتداء ''بدء الوحی'' سے ہوتی ہے۔ اسی جلد میں ہجرت کا باب شروع ہوتا ہے (ص ۳۳۶) اور ابتداء ہی سے بڑی تفصیل کے ساتھ غزوات اور سرایا پر گفتگو شروع کی ہے اور کوشش فرمائی ہے کہ سیرت کے حوالہ سے کوئی عام سا واقعہ بھی نہ رہ جائے۔ ہجرت سے سن وار گفتگو کا بھی اہتمام ہے تا کہ ایک شخص پہلی نظر میں دیکھ لے کہ ہجرت کے بعد کون سا واقعہ کس سن میں پیش آیا۔ چونکہ سیرت رسول میں ہجرت کے واقعہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا ایک موڑ سامنے آتا ہے اس لیے بالعموم اہل قلم یہاں پہنچ کر زیادہ کھل جاتے ہیں۔ مصنف علامہ کا بھی

ایسا ہی معاملہ ہے۔

چوتھی جلد ہجرت رسول کے تیسرے سال سے شروع ہو رہی ہے اور اس کو آپ نے ۸ ھ کے وقائع پر ختم کیا ہے۔ آپ دیکھیں گے ہر سن کے مشہور اور اہم ترین واقعات پہلے توبسط سے ذکر کرتے ہیں پھر آخر میں اس سن کے مشہور حوادث اور مشہور فوت شدہ شخصیات کا ذکر خلاصہ کے طور پر کر دیتے ہیں جس سے قاری چند سطروں میں ایک پورے سال کو پڑھ سکتا ہے۔

پانچویں جلد ۹ ھ سے شروع ہو رہی ہے اور اس جلد میں وفاتِ رسولؐ کے عظیم سانحہ تک بات پہنچا کر جلد کے آخری حصہ میں آپ سے متعلق عالمگیر ماتم' مراثی اور دوسرے متعلقات کا ذکر ہے نیز وفاتِ رسولؐ کے موقع پر امت جن اہم مسائل سے دو چار ہوئی اور جن کا تصفیہ بڑے اہتمام سے ہوا وہ بھی اس جلد کا حصہ ہیں مثلاً میراث رسول کی بحث آج تک جاری ہے جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ اس قصہ کو رسول کریم ﷺ نے خود نمٹا دیا اور انہی ارشادات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے نبی کے تربیت یافتہ حضرات نے نمٹایا۔

چھٹی جلد رسول کریم ﷺ کے آثار کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ مثلاً وہ اشیا جو آپ کے زیر استعمال رہیں' بعض تبرکات جو آپ نے مختلف لوگوں کو مرحمت فرمائے۔ پھر آپ کے اخلاق وشمائل اور حیات اجتماعی کے سلسلے میں آپ کے اہم ترین ارشادات اور ان سے متعلق مختلف روایات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی جلد سے سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے مزاج شناس رسولؐ، امت کے سب سے بڑے محسن کی خلافت کا بیان شروع کیا گیا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اسلامی جماعت میں جو مقام ہے اور جو عظمت انہیں حاصل ہے اس سے ایک زمانہ آگاہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل المرتبت صحابی' ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے سانحہ ارتحال پر امت پر جو بیتی' وہ ایک المیہ تھا اور رب العزت اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وجود با وجود کے ذریعہ ہم پر احسان نہ کرتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔

آپ کے دور سعادت میں بڑے بڑے امتحانات پیش آئے' نبوت کے پے در پے مدعی' زکوٰۃ کے منکر اور طرح طرح کے فتنے رونما ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مخنی وجود میں ایسی ایمانی روح بھر دی تھی کہ اس نے ایک ایک فتنہ کا قلع قمع کر کے امت کے مستقبل کی گاڑی کے لیے راہ ہموار کر دی۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بڑے ہی مدبر حکمران اور عظیم انسان تھے۔ بقول امیر شریعت السید عطاء اللہ شاہ بخاری اسلام کی تاریخ سے انہیں خارج کر دیا جائے تو کچھ باقی نہیں رہتا۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سوا دو سالہ دور نہ ہوتا تو سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ اتنا کام نہ کر پاتے۔ دور حاضر کے عظیم مصنف مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اردو میں سیدنا صدیق اکبر پر جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

حافظ ابن کثیر کا قلم جب اس باکمال ہستی پر اٹھا ہے تو اس نے سچائیوں کے دریا بہا دیئے ہیں۔ جو بحث چھٹی جلد سے شروع ہوئی اس کو ساتویں جلد کی ابتداء میں ختم کر کے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سن وار تذکرہ کیا ہے اور اس طرح کہ گویا تاریخ کو ایک جیتے جاگتے کردار کے انداز میں پیش کر دیا ہے۔

خلافت کے چار عظیم ستون سیدنا ابوبکر' سیدنا عمر' سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کے وقائع کے سلسلے میں یہ جلد گویا مختص ہے

اور اس کا اختتام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات پر ہوا۔ مسلمانوں کا سیل رواں فاروقی دور میں اور ان کے بعد عثمانی دور کی ابتداء میں جس طرح آگے بڑھا اس دور کی دو سپر پاورز' ایران و روم جس طرح پامال ہوئیں' ہندوستان اور افریقہ میں جس طرح اسلام کا نور ہدایت پہنچا یہ سب آپ کو اس جلد میں ملے گا۔ اور ساتھ ہی وہ اندوہناک باب نظر آئے گا جب سیدنا عثمان مظلومانہ شہید ہوتے ہیں اور پھر پورا دور۔ باہمی انتشار میں گزر جاتا ہے۔

آٹھویں جلد سیدنا علی کے سلسلے میں ضمیمہ پر مشتمل ہے اور اس کا اختتام ۷۳ھ تک کے واقعات پر ہوا ہے' سیدنا علیؓ کے بعد ان کے فرزند گرامی سیدنا حسنؓ نے امت کی صلح کا اہتمام کر کے جس اولوالعزمی کا مظاہرہ کیا اور سیدنا معاویہؓ نے جس طرح پھر اسلام کے سیل بے پناہ کی روانی کا نظم کیا' اس سے آگے بڑھ کر مقتل و قتل حسین کی بات آئے گی۔ امیر یزید کا تذکرہ ہوگا' امر واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا موڑ ہے جہاں صدق و راستی سے گفتگو مشکل ہے' بڑے بڑوں کے پاؤں پھسل جاتے اور قلم لغزش کھا جاتے ہیں ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے اور تاریخ کو عقیدہ کا رنگ دے دیا جاتا ہے۔ یہی موڑ ہے جہاں پہنچ کرامت کی تاریخ لہولہو بن کر مسلسل افتراق اور عجمی سازشوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ ابن کثیر کا اللہ تعالیٰ بھلا کرے کہ انہوں نے بہت حد تک واقعات کی صحیح تصویر کشی کی اور نہ صرف اس قصہ کی بلکہ بنوامیہ کے دوسرے مخلص حریف سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے واقعات کو بھی یہیں سمیٹ دیا ہے۔ اس طرح یہ جلد گویا بڑی نازک بن کر رہ گئی ہے جسے عبور کرنا پل صراط کو عبور کرنے کے مترادف تھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ ابن کثیر نے پوری نہیں تو واضح اکثریت سے کامیابی ضرور حاصل کی ہے۔

اس کے بعد جلد نمبر ۹' ۷۳ھ سے ۱۲۵ھ' جلد ۱۰' ۱۲۶ھ سے ۲۴۸ھ' جلد ۱۱' ۲۴۹ھ سے ۳۴۰ھ' جلد ۱۲' ۴۰۵ھ سے ۵۸۸ھ' جلد ۱۳' ۵۸۹ھ سے ۶۹۷ھ اور جلد ۱۴' ۶۹۸ھ سے ۷۶۷ھ تک اور جلد ۱۵' قرب قیامت کی نشانیوں اور جلد ۱۶' قیامت کے بعد کے مفصل حالات اور وقائع پر مشتمل ہے۔

آخری جلد گویا موصوف کی اپنی زندگی کے دور کی ہے اس لیے اس میں تفصیلات آپ کو ذرا زیادہ نظر آئیں گی۔ تاہم ایسی تفصیل کہیں بھی نظر نہیں آئے گی کہ آپ پریشان خاطر ہوں۔

حافظ ابن کثیر نے از خود ۷۳۸ھ تک کے حالات لکھے ہیں جب کہ اس کے بعد کے واقعات ان کے کسی شاگرد عزیز کے قلم سے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۴ ص ۱۸۴)

علامہ ابن کثیر کی طرح ان کی تاریخی کاوش کو بھی قبول عام کا شرف حاصل ہوا اور اہل علم نے اسے اپنی دلچسپیوں کا مرکز بنایا۔ اہل علم میں سے بعض نے اس کی تلخیص کی جب کہ بعض نے اس پر ذیول لکھے۔ علامہ عینی کی ''تاریخ بدر'' کا حقیقی ماخذ البدایہ ہی ہے بلکہ فی الحقیقت وہ اس کی تلخیص ہے۔ احمد بن علی بن حجر (م ۸۵۲ھ) نے بھی اس کی تلخیص کی ہے اور محمود بن محمد بن دلشاد نے ترکی زبان میں اس کا ترجمہ کیا (کشف الظنون ج ۱ ص ۱۸۷) شہاب الدین بن حجی (م ۸۱۶ھ) اور الجرانی (م ۸۳۵ھ) نے اس کے ذیول سپرد قلم کیے ہیں۔ (تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۳ ص ۱۹۴)

''تاریخ آداب اللغۃ العربیہ'' کے فاضل مصنف ہی نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ ابن کثیر کے اجزاء کتب خانہ

خدیو مصر کے علاوہ یورپ کے مختلف کتب خانوں میں بھی موجود ہیں البتہ دوسری بنیادی تاریخی کتب کے برعکس البدایہ مکمل شکل میں مصر سے ہی طبع ہوئی اس کی طباعت کا دور دس سال پر پھیلا ہوا ہے یعنی ۱۳۴۸ھ سے لے کر ۱۳۵۸ھ تک۔

اس کتاب کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جناب مصنف نے تحقیق و استناد کا بھر پور لحاظ رکھ کر کتاب وسنت اور علماء و مؤرخین کے مستند اقوال کو اپنا ماخذ بنایا ہے اور جیسا کہ پہلے گزرا غلط روایات اور اسرائیلی خرافات نیز مرجوح اور نا قابل اعتبار اقوال سے بچنے کی پوری کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ اس سلسلہ میں مصنف کے مقدمہ کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے اسے ایک بار پھر ملاحظہ فرمالیں۔

دوسری خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اختصار اور جامعیت سے کام لیا ہے اور یہ بڑی خوبی ہے بعض مصنفین اختصار پر آتے ہیں تو اس طرح کہ ضروری امور بھی ترک کر دیتے ہیں اور محض جامعیت کے شوق میں اتنی طوالت سے کام لیتے ہیں کہ طبیعت اکتا جاتی ہے یہاں آپ کو اختصار و جامعیت کا حسین امتزاج نظر آئے گا کہ ہر ضروری امر کا ذکر کر دیا ہے لیکن طوالت سے بچ کر۔

تیسری خوبی سن وار حالات کا منظر کتاب میں لانا ہے جس کی طرف اشارہ پہلے ہو چکا ہے سن وار گفتگو کرتے ہوئے اس دور کے مختلف طبقات کی ذمہ دار شخصیات مثلاً مشاہیر' امرا' سلاطین' اکابر علماء' مفسرین' محدثین' فقہا اور مؤرخین نیز ادباء' شعراء اور دوسرے ممتاز و نامور افراد کا ذکر آ گیا ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ساتویں صدی ہجری کے نصف آخر اور آٹھویں صدی کے نصف اوّل کی تفصیلات آ گئی ہیں۔

قارئین آگاہ ہوں گے کہ یہ دور تاتاری حملوں کے سبب تاریخ اسلام کا اہم ترین دور ہے۔ اس دور میں عالم اسلام جن مصائب کا شکار رہا ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی دور کے متعلق جناب سعدی شیرازی کا مرثیہ ہے:

آسماں راحق بود گر خوں بارد بر زمیں　　　بر زوال ملک معتصم امیر المومنین

عروس البلاد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ مسلمانوں کا علمی سرمایہ نذر دجلہ ہو کر رہ گیا۔ عباسی خلفاء کی رواداری یا سادہ لوحی کے سبب دربار میں دخیل رافضی وزراء نے اپنے محسنوں کے ساتھ جو بدسلوکیاں کی وہ روافض کے تاریخی کردار کا حصہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ستم رسیدہ قوم دوبارہ کبھی سر نہ اٹھا سکے گی۔

عبرت وموعظت کے لیے اس دور کی پوری پوری تصویر سامنے ہونی ضروری ہے۔ گو کہ اس دور کے حوالہ سے اور بھی تاریخی سرمایہ ہے لیکن جتنی تفصیل اس میں ہے وہ کسی دوسری جگہ نہیں اس دور کی نسبت سے اور بھی بعض اہم کتابیں ہیں جیسے کامل ابن اثیر' لیکن البدایہ میں جو تفصیلات ہیں وہ اسی کا حصہ ہیں۔

جن حضرات نے مصنف کی تفسیر کو بہ نظر غائر دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے اس کی ترتیب و تدوین میں کتنی عرق ریزی سے کام لیا اور کس طرح تمام ذخائر کتب سے استفادہ کر کے تحقیق و تلاش کا حق ادا کیا۔ بعینہ یہ حال آپ کو البدایہ میں نظر

آ ئے گا۔ اس دور میں مرحوم کو جو سرمایہ میسر آ سکا اس سے انہوں نے کھلے دل سے استفادہ کیا اور اس کا اعتراف کیا۔ بطور خاص ''علم الدین برزالی'' کی تاریخ جو صرف تاریخ و طبقات ہی نہیں بلکہ دلچسپ واقعات کا مجموعہ ہے اس سے بہت ہی اعتناء رکھا۔ بعض واقعات جو خاص اہمیت کے حامل ہیں یا کسی وجہ سے مصنف کو ان سے زیادہ دلچسپی ہے' ان کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور بڑے مزے لے لے کر انہیں بیان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ آتی ہے' جہاں مصنف کا قلم جوئے رواں کی طرح نظر آتا ہے واقعات کی صحت کے پورے اہتمام کے ساتھ عقیدت واحترام کا اندازہ ایک ایک سطر سے ہوتا ہے۔

اس کا سبب سمجھنے کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) کے سیرت نبوی پر مضامین دیکھنے پڑیں گے جو مولانا کے عاشق صادق مولانا غلام رسول مہر نے ''رسول رحمت'' کے نام سے مرتب کر کے چھپوائے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ حافظ ابن کثیر بھی اس ابتلاء کا شکار رہے جس کا ہر دور میں سنجیدہ مزاج لوگ رہے ہیں۔ اہل علم کے کلامی مباحث اور جھگڑے اور فقہ وفتاویٰ کی خشک ابحاث ایک جویائے حق کے لیے سوہان روح بن جاتی ہیں۔

حافظ ابن کثیر جب اس ابتلاء کا شکار ہوتے ہیں تو طمانیت قلب اور تسکین حال کے لیے بہت سے دروازوں پر دستک دیتے ہیں بالآخر حافظ ابن تیمیہؒ سے سابقہ پڑتا ہے تو یہی الجھن ان کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ جو بہت سے مصلحین امت کی طرح صدیوں سے اصل زیغ وضلای کی زبان طعن کا شکار ہیں۔ وہ سعادت مند شاگرد کو نصیحت فرماتے ہیں کہ

''سب ہی اطراف سے منہ موڑ کر سیرت رسول (علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم) کو اپنا محور و مرکز بنالو' آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون میسر آئے گا تو اسی چشمہ صافی اور آب حیوان سے ہے!''۔

چنانچہ موصوف اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں اور انہیں وہ گوہر مقصود ہاتھ آ جاتا ہے جس کی ایک عرصہ سے انہیں تلاش تھی۔

یہی سبب ہے کہ جب اپنی تاریخی کتاب میں وہ اس موڑ پر پہنچتے ہیں تو عقیدت ومحبت میں ڈوبی ہوئی روح وہاں پہنچتی ہے جہاں اسے پہنچنا چاہیے۔ اپنے مسلکی امام' حضرت الامام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے استاد حضرت الامام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلکی امام' الامام المجاہد الزاہد احمد بن حنبل قدس سرہ کے تذکرہ پر بھی عام تذکروں کے مقابلہ میں لحوالت نظر آتی ہے لیکن بے مقصد نہیں اور اپنے محسن ومربی استاد امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے جس عقیدت' احترام اور محبت کا مظاہرہ ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

کتاب کے جلد وار مضامین کی اجمالی فہرست ہم پہلے عرض کر چکے ہیں حقیقی معنوں میں اندازہ بالاستیعاب مطالعہ سے ہی ہو گا' تاہم نمونہ کے طور پر ہم بعض مقامات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں آسمان وزمین کی تخلیق کے ضمن میں کئی آیات قرآنی جو اس موضوع سے متعلق ہیں' نقل کر کے فرماتے ہیں:

الف: جمہور کے نزدیک چھ دن سے ایسے ہی چھ دن مراد ہیں جیسے ہمارے معمول کے ایام۔

ب: ابن عباسؓ، مجاہدؒ، ضحاکؒ اور کعبؒ احبار کی روایت کے مطابق ہر دن سے مراد ہزار برس کا دن ہے ابن جریر اور ابن ابی حاتم

نے اس کو نقل کیا امام احمد نے اپنی کتاب ''رد جھمیت'' میں ابن جریر وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے۔

ج: چھ دنوں میں پہلا دن کون سا تھا اس سلسلہ میں حافظ ابن جریر نے تین قول نقل کیے اہل تورات کے نزدیک اتوار عیسائیوں کے نزدیک پیر اور مسلمانوں کے نزدیک ہفتہ کا دن تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق عام کی ابتداء کی۔

اس ایک مثال سے اندازہ ہو جائے گا کہ مصنف علامہ کا انداز کیا ہے۔ وہ قرآن مجید کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو' پھر آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کو پھر سلف کی نگارشات کو۔ اور ضرورت پڑنے پر بطور استشہاد اسرائیلی روایات کا ذکر کرتے ہیں کہیں کہیں عقل و درایت سے کام لیتے ہیں اور محاکمہ بھی کرتے ہیں ترجیحی روایات کا مخصوص انداز میں ذکر کرتے ہیں اور اس طرح آئینہ سامنے رکھ دیتے ہیں۔

مصنف علامہ کہیں کہیں حقائق سے دور نظر آتے ہیں یا نہیں۔ قلم و زبان میں تلخی نظر آتی ہے تو اس کے بہر حال مختلف اسباب ہیں اور اتنے بڑے علمی کارنامہ میں ایسے چند مقامات زیادہ تشویش کا باعث نہ بننے چاہئیں۔

اصل یہ ہے کہ ان کے ایام حیات تک عرب و عجم کا مسئلہ صاف نہ ہوا تھا کہ اہل بدعہ بالخصوص روافض وغیرہ اپنا کام کر چکے تھے سقوط بغداد کی شکل میں امت بڑے صدمہ سے دوچار ہو چکی تھی ابن تیمیہؒ جیسے مرد جری کے ساتھ نسبت و تعلق نے خود مصنف کو ایک ایسی راہ پر لا ڈالا جہاں پھولوں کی سیج کے بجائے قدم قدم کانٹے بکھرے پڑے تھے' اس لیے تلخی تحریر کہیں کہیں نظر آتی ہے تو داخلی و خارجی اسباب کے تحت ایسا ہو جاتا ہے بہ حیثیت مجموعی زبان کی سلالت و روانی کے ساتھ حالات و واقعات کی صحت کا اہتمام اور دلائل سے گفتگو کرنے کی خو بو کتاب کی ایک ایک سطر سے نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک بالغ نظر آدمی علمی سفر کر رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد ہر شخص کی علمی کاوش میں کوئی نہ کوئی کمزوری ممکن ہے۔ صحابہ بوجوہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ تاہم برائے نام کوتاہیوں کے بجائے اجتماعی حالات کا جائزہ لینا از بس ضروری ہے اور اس اعتبار سے ابن کثیر ہمارے محسن ہیں کہ انہوں نے ہمیں ایک مرتب تاریخ دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔ جناب ناشر و مترجم کو اس خدمت کا بہترین صلہ دے۔ ان سطور کا راقم اپنے اور جملہ متعلقین کے لیے قارئین سے دعا کا محتاج ہے۔ وصلی اللہ علی النبی الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین.

اللّٰھم ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم.

فقیر محمد سعید الرحمٰن علوی

۱۲/اے شاہ جمال لاہور۔ ۱۶

۲۳/شعبان المعظم ۱۴۰۷

۲۲/اپریل ۱۹۸۷ء

مصنفؒ کے حالاتؒ وکوائفِ حیاتؒ

نام:

عربی کی شہرہ آفاق تاریخی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' جو ۱۶ جلدوں پر مشتمل ہے اس کے عالمی شہرت یافتہ محترم المقام مصنف کے نام کی تفصیل جو متعدد عربی کتابوں میں پائی جاتی ہے یہ ہے:

امام' حافظ' الحاج' مستند مؤرخ' مفسر' محدث' صاحب علوم وفضائل عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر قرشی دمشقی شافعیؒ۔ ویسے مصنف موصوف اطراف واکناف عالم کے علمی حلقوں میں عموماً ابن کثیر کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

ولادت:

ابن کثیر کی ولادت ''بصرے'' کی قلمرو قریہ ''مجدل'' میں ہوئی۔ ان کے والد ماجد کا تعلق بصرے اور ان کی والدہ ماجدہ کا خاندانی تعلق قریہ ''مجدل'' سے تھا۔

حسب ونسب:

بزرگ عالم اور ماہر انساب عرب شیخ مزیؒ نے بہ لحاظ حسب ونسب اشراف عرب میں شمار کیا ہے اور اس وجہ سے انہیں اکثر و بیشتر عربی کتابوں میں ''قرشی'' لکھا گیا ہے بلکہ خود انہوں نے بھی کتاب البدایہ والنہایہ میں اپنے والد ماجد کے نام کے ساتھ ''قرشی'' لکھا ہے۔ جہاں تک ابن کثیرؒ کی تاریخ ولادت کا تعلق ہے اکثر کتب سیر میں اسے ۷۰۰ ہجری لکھا گیا ہے۔ نیز حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب ''درر الکامنہ'' میں کم وبیش کے اضافے کے ساتھ ان کا سال ولادت یہی بتایا ہے۔ ۷۰۰ ہجری میں ان کے سال ولادت کا ایک اور ثبوت خود ان کی اس تحریر سے ملتا ہے جس میں انہوں نے اپنے محترم والد کے حالاتِ زندگی قلمبند کرتے ہوئے ان کا سال وفات ۷۰۳ ہجری لکھا ہے' لیکن چونکہ عموماً کسی تین سالہ بچے کا سنین تو ٹھیک ٹھیک یاد رکھنا ایک امر محال معلوم ہوتا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ ابن کثیرؒ نے اپنے والد کا سال وفات اپنے اہل خاندان یا پڑوسیوں سے سن کر تحریر کیا ہوگا۔ لہٰذا اس میں بھی حافظ ابن حجرؒ کی طرح کسی قدر ''کم وبیش'' کا اضافہ کر لینا مناسب ہوگا۔ بہر حال اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ خود ابن کثیر کی ولادت کسی قدر کم وبیش ۷۰۰ ہجری میں ہوئی ہوگی اور وہ اپنے والد کی وفات کے وقت قریباً تین سال کے رہے ہوں گے۔

ابن کثیرؒ کے والد ماجد ''الخطیب شہاب الدین ابوحفص عمر بن کثیر'' جو علماء' فقہاء اور خطیبوں میں صفِ اوّل کے صاحب علم و فضل سمجھے جاتے تھے اپنے بیٹے حافظ ابن کثیرؒ کے بقول قریباً ۶۴۰ ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ' جلد ۱۴ صفحات ۳۱ تا ۳۳)

پھر جیسا کہ زیر نظر کتاب کے مصنف نے اسی کتاب میں لکھا ہے انہوں نے یعنی ان کے والد نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموؤں کے پاس جن کا تعلق بنی عقبہ سے تھا اپنی جائے ولادت میں رہ کر حنفی عقائد کے مطابق حاصل کی تھی اور جملہ ابتدائی علوم کے علاوہ جو

انہوں نے حفظ یاد کر لیے تھے عربی صرف ونحو اور علم اللغات میں بھی کمال حاصل کیا تھا اور بہت سے قصائد و مراثی کہے تھے۔

ابن کثیرؒ کے مطابق ان کے والد اپنی جائے ولادت بصرے کے شمالی حصے میں جو متبرک کہلاتا تھا لیکن عام لوگوں میں ببرک کے نام سے مشہور تھا (خدا جانے اس کا صحیح نام کیا تھا) کچھ عرصہ قیام کے بعد اس شہر کے مشرقی حصے میں بطور خطیب منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔

ابن کثیرؒ نے یہ باتیں نواوی اور شیخ تقی الدین کے حوالے سے لکھی ہیں جن کا وہ بہت احترام کرتے تھے جیسا کہ علامہ ابن زملکانی نے بیان کیا ہے۔

ابن کثیر مذکورہ بالا حوالوں سے لکھتے ہیں کہ ان کے والد نے بصرے کے اس مشرقی حصے میں بطورِ خطیب ۱۲ سال قیام کیا اور مطالعہ کتب کے علاوہ درس وتدریس میں بھی مصروف رہے جس کے بعد وہ ابن کثیر کی والدہ ماجدہ کی جائے ولادت مجدل میں بطور خطیب منتقل ہو گئے اور وہاں ایک طویل مدت انہی مشاغل میں گزاری۔ اہل مجدل ان کے علم وفضل اور طرز خطابت کے علاوہ ان کی شیریں کلامی اور دیانت کے بڑے مداح تھے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے کیونکہ انہوں نے انہیں اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے کسبِ حلال میں ہمیشہ متدین پایا تھا۔

ابن کثیرؒ کی والدہ ماجدہ اور اس سے قبل ان کی مرحومہ سوتیلی والدہ کے بطن سے کئی لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان کی مرحومہ سوتیلی والدہ کی اولاد میں سب سے بڑے اسمٰعیل تھے اور انہی کے نام پر ان کے والد نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے یعنی زیرنظر کتاب کے مصنف کا نام رکھا تھا۔

ابن کثیرؒ کی حقیقی والدہ کے بطن سے انہی کے بقول ان کے بھائی عبدالوہاب' عبدالعزیز اور کئی لڑکیاں پیدا ہوئیں' اپنے حقیقی بھائیوں میں سب سے چھوٹے ابن کثیر تھے جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے۔

تعلیم:

حافظ ابن کثیرؒ جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں اپنے والد کے انتقال کے بعد دمشق چلے گئے جہاں انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ سے قرآن پاک حفظ کیا' عربی زبان کے قواعد صرف ونحو حفظ کیے نیز کتاب التنبیہ حفظ کی اور اس کی شرح کے لیے علامہ تاج الدین نزاری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور انہی سے اصول فقہ کے منتخاب کی تحصیل کی۔ یہ بات ہمیں مصنف کے علاوہ بزرگ عالم ابن زملکانی نے بھی بتائی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ ایک دوسری جگہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد ماجد بھی پہلے شام گئے تھے لیکن کچھ عرصہ بعد وہاں سے واپس آ گئے تھے اور اپنے وطن مالوف میں ۷۰۳ ہجری میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد ماجد انہیں اپنی اولاد میں سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے بہت چاہتے تھے نیز یہ انہوں نے اپنے بچپن میں بارہا خواب میں دیکھا تھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی تھی۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ۷۰۷ ہجری میں دمشق گئے تھے اور وہاں اپنی

والدہ ماجدہ کے علاوہ زیادہ تر اپنے بڑے بھائی کمال الدین عبدالوہاب کی صحبت میں رہے جو ان کے ساتھ بڑی محبت وشفقت سے پیش آتے تھے۔ پھر جیسا کہ انہوں نے بیان کیا ہے ان کے بڑے بھائی عبدالوہاب جن کی صحبت میں انہوں نے علمی میدان میں بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ ۷۵۰ ہجری میں وفات پا گئے۔ آخر میں مصنف نے اپنے جملہ اسلاف صالحین کے حق میں دعائے مغفرت کی ہے۔

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا مصنف کتاب ہذا نے ابتدا میں اپنے بڑے بھائی کمال الدین عبدالوہاب کی صحبت میں علمی مشاغل جاری رکھے جس کے بعد انہوں نے مزید حصول تعلیم کے لیے دیگر علمائے عصر سے رجوع کیا۔ جیسا کہ انہوں نے خود بیان کیا ہے قرآن پاک انہوں نے ۷۱۱ ہجری میں حفظ کر لیا تھا (البدایہ والنہایہ: ج ۱۴ ص ۳۱۲) اور علم تجوید بھی حاصل کیا تھا۔

داؤدی [1] نے انہیں قاریوں میں شمار کیا ہے اور انہی کے سلسلے میں ان کا ذکر کیا ہے [2] اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان سے قرأت و حدیث کا علم ان کے ہم عصر بہت سے لوگوں نے حاصل کیا ہے۔ یعنی ان سے قرأت واحادیث کی سماعت کی ہے جب کہ خود ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے صحیح مسلم کا درس ۹ مجالس میں شیخ نجم الدین عسقلانی سے لیا ہے اور ان احادیث کی قرأت وزیر العالم ابی القاسم محمد بن محمد بن سہل ازدی غرناطی اندلسی نے کی تھی جن کی وفات قاہرہ میں ۲۲ رمحرم ۷۳۰ ہجری میں ہوئی۔ مرحوم ۷۲۴ ہجری میں دمشق ہوتے ہوئے حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

ابن کثیرؒ نے اپنے بزرگ استاد شہاب الدین الحجار المعروف ابن شحنہ سے دارالحدیث اشرفیہ میں ایام تشویات کے دوران میں جیسا کہ انہوں نے ان کے ذکر کے ضمن میں بیان کیا ہے بالا جازت وسماعی حیثیت میں قریباً ۱۵۰۰ احادیث کی اجازت ابلاغ حاصل کی تھی۔ شیخ شہاب الدین الحجار ابن شحنہ کی وفات بالتحقیق ۱۰۰ سال بلکہ اس سے کچھ زیادہ عمر میں ہوئی تھی۔ ان کا سال وفات ابن کثیر نے ۷۳۰ ہجری بتایا ہے۔ (التاریخ ج ۱۴ ص ۱۵۰)

ابن کثیرؒ نے فقہ کی تعلیم شیخین یعنی کمال الدین الفزاری اور کمال الدین بن قاضی شہید سے حاصل کی اور فروع شافعیہ میں کتاب التنبیہ مصنفہ شیرازی اور مختصرات الحاجب اصول میں پڑھے نیز حافظ ابوالحجاج مزی کے پاس رہ کر ان کی عظیم تالیف جو سیر الرجال کے موضوع پر ہے پڑھی۔ اس کتاب کا نام ''تہذیب الکمال'' ہے۔ جس کے کچھ حصے ابن کثیر نے موصوف کی بیٹی زینب سے سنے۔ ویسے ابن کثیرؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور انہوں نے علامہ موصوف سے بہت کچھ سیکھا ہے' انہوں نے علامہ موصوف کی آرا پر عمل کیا جس کی وجہ سے انہیں اکثر امتحانات سے گزرنا پڑا اور تکالیف اٹھانا پڑیں۔

---

[1] شمس الدین محمد بن علی بن احمد داؤدی مصری متوفی ۹۴۵ ہجری۔ واضح رہے کہ ابن جزری نے ابن کثیر کو طبقات قراء میں شامل نہیں کیا۔ (مرتب نسخہ بیروت' لبنان)

[2] جیسا کہ حوالے کی دوسری کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ جس ابن کثیر کا داؤدی نے ذکر کیا ہے وہ اس کتاب تاریخ کے مصنف ''ابن کثیر'' کے علاوہ دوسرے حافظ ومفسر ابن کثیر تھے جن کا شمار صف اوّل کے سات قاریوں میں ہوتا ہے۔ ان کا پورا نام عبداللہ بن کثیر مکی تھا اور وہ علم قرأت میں اہل مکہ کے امام تھے۔ وہ تابعین سے بھی قدیم شخصیت ہیں۔ ابن زبیر بن مالک نے ان کا سال ولادت ۴۵ ہجری اور سال وفات ۱۲۰ ہجری بتایا ہے۔ (مرتب نسخہ بیروت)

کتاب ہذا کے مصنف ابن کثیرؒ اپنے ہم عصر علماء میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے ان کے ساتھ ان کے بے شمار تلامذہ نے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے اور ان کی تعریف وتوصیف میں ہمیشہ رطب اللسان رہے ہیں۔

علمی تبحر:

حافظ ذہبی نے حافظ ابن کثیر کا ''طبقات الحفاظ'' میں ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ ممکن ہے عنقریب میرے شیوخ میں شامل ہو جائیں (الطبقات الحفاظ ج ۴' ص ۲۹) اور حافظ ذہبی کی یہ پیشگوئی واقعتہً صحیح ثابت ہوئی کیونکہ حافظ ذہبی ابن کثیرؒ کی وفات سے بہت قبل وفات پا گئے۔ ان کی وفات ابن کثیر کی وفات سے ۲۶ سال پہلے ہوئی۔ حافظ ذہبی نے اپنی مذکورہ بالا کتاب ''طبقات الحفاظ'' میں ابن کثیر کو متعدد اوصاف سے متصف کرتے ہوئے لکھا ہے: ''میں نے انہیں فقیہ کے علاوہ ابن شحنہ ابن الرداد اور دوسرے لوگوں سے مفتی محدث' ذی الفضائل' عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر بصروی شافعیؒ کہتے سنا ہے۔ لوگوں نے ان سے فقہ' علم الرجال وغیرہ میں بہت استفادہ کیا ہے۔ وہ متعدد کتب کے مصنف ومؤلف ہونے کے علاوہ فن استنباط واستخراج میں کمال رکھتے ہیں اور اپنے زمانے کے بہت بڑے مفسر ہیں۔

حافظ ذہبیؒ نے انہیں ''معجم المختص'' میں ''امام' مفتی' محدث البارع' فقیہ' متفنن محدث متقن اور مفسر نقال'' لکھا ہے جب کہ ابن حجر وغیرہ نے ابن کثیر کو حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے ان جملہ صفات سے متصف کیا ہے۔

مصنف کے ایک شاگرد شہاب الدین بن حجی کہتے ہیں: ''ہم نے انہیں حفاظ میں افضل ترین پایا۔ کیونکہ ہم نے ان سے کتب احادیث کے متن بالکل اس طرح سنے جیسے کوئی بہترین حافظ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے نیز ہمیں ان کی علمی فضیلت اس طرح معلوم ہوئی کہ وہ مطالب ومفاہیم قرآن وحدیث کے استخراج میں کمال رکھتے ہیں اور انہیں اس کی صحت واسقام پر مکمل عبور حاصل ہے جس کا اعتراف ان کی تقاریر سننے والے جملہ بزرگان علوم دین بھی کرتے ہیں' انہیں تمام تفاسیر وتواریخ زبانی یاد ہیں' وہ کسی بات کو بہت کم بھولتے ہیں' وہ حد سے زیادہ سمجھ رکھنے والے فقیہ اور صحیح الذہن عالم ہیں' انہیں کتاب التنبیہ از اوّل تا آخر حفظ ہے' عربی زبان وادب پر انہیں مکمل عبور حاصل ہے' وہ شعر گوئی میں بھی درجہ کمال پر فائز ہیں' میں نے اکثر اوقات ان کی صحبت میں گزارے ہیں اور ان کے علم وفضل سے استفادہ کیا ہے''۔ (کتاب الدارس ازنعیمی)

ان کے ایک دوسرے شاگرد ''تذکرۃ الحفاظ'' میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ص ۵۸) ''ہمارے بزرگ عالم ابو الحجاج نے اکثر وبیشتر ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایک بڑے درجے کے مفتی' معلم' ناظر' فقہ وتفسیر ونحو میں منفرد و امتیازی حیثیت کے حامل اور علم الرجال وسیر رجال کے علاوہ منطقی استدلال میں کمال رکھتے ہیں''۔

حافظ ابن حجرؒ ابن کثیرؒ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب ''الدرر الکامنۃ'' میں کہتے ہیں: ''مزی نے ان سے بہت استفادہ کیا' ان سے کتاب ''تہذیب الکمال'' پڑھی' وہ انہیں اپنی اکلوتی بیٹی پر ترجیح دیتے تھے' ان کی محبت کی وجہ سے ابن تیمیہ کی قربت حاصل کی جس کی وجہ سے مشکلات میں بھی پڑے۔ وہ خود یعنی ابن کثیر کثیر الاستحضار تھے' انہیں حسن مزاح سے کمال واقفیت حاصل تھی' ان کی جملہ تصانیف ان کی زندگی ہی میں شہر شہر جا پہنچی تھیں' جن سے ان کی وفات کے بعد بھی لوگ استفادہ کرتے رہے' محدثین و

مفسرین کے لیے قرآن وحدیث سے استخراج میں ان کے طریق عمل پر چلنا (قریباً) ناممکن ہے' انہیں مسائل فقہ حل کرنے میں کمال حاصل ہے' انہوں نے ان مسائل اور ان کے جوابات کو مختصراً اپنی کتاب ''ابن الصلاح'' میں یکجا کر دیا ہے جس سے اکثر لوگ مستفید ہو رہے ہیں''۔

سیوطی نے طبقات الحفاظ کے ذیل میں ابن حجر کی رائے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ''وہ (ابن کثیرؒ) محدثین کی عام ڈگر پر نہیں چلے بلکہ استخراج ومفاہیم میں) ان سے الگ ایک نئی راہ نکالی''۔ سیوطی نے اس کے بعد کہا ہے۔''وہ علم حدیث میں کمال رکھتے ہیں'' انہیں احادیث کی صحیح معرفت حاصل ہے اور اضافی (من گھڑت) احادیث کو فوراً پہچان لیتے ہیں' انہیں ان میں اختلافات کے اسباب وعلل کا علم بھی بدرجہ کمال حاصل ہے' وہ اس پر استدلال میں بھی کمال رکھتے ہیں' اہم اصول حدیث میں بھی ان کا قول حرف آخر ہوتا ہے اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے۔ سیوطی ہی نے یہ بھی کہا ہے۔''ان کی تفاسیر ایسی ہیں کہ اس طرح کوئی دوسرا مفسر اس پر قادر نہیں ہوسکتا۔ ان کی عظیم تفسیر سے لوگ استفادہ کرتے ہیں جن کی مثالیں ہم نے بہت ہی مختصر دی ہیں نیز ان کے جملہ اوصاف کو بھی مختصراً ہی بیان کیا ہے''۔

علامہ عینیؒ نے ابن کثیرؒ کے بارے میں جو کچھ کہا اسے ابن تغری بردی نے اپنی کتاب ''النجوم الظاہرہ'' میں نقل کیا ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: ''وہ (ابن کثیرؒ) قدوۃ العلماء والحفاظ تھے اور عمدۃ اہل معانی والالفاظ تھے' انہوں نے جو کچھ سنا اسے بطریق احسن مدون کر دیا' انہوں نے تصانیف پیش کیں اور (مختلف علوم کے) درس دیے۔ حدیث وتفسیر اور تاریخ میں ان کی معلومات لاجواب تھیں' وہ تدوین علوم وتحریر میں بے مثل شہرت رکھتے تھے' علم حدیث وتفسیر وتاریخ کی ان پر انتہا ہوگئی' انہوں نے متعدد مفید تصانیف وتالیفات چھوڑی ہیں''۔

علامہ شمس الدین بن ناصر ان کی صفات بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ''الرد الوافیر'' میں فرماتے ہیں: ''امام' علامہ' حافظ عماد الدین ثقۃ المحدثین' عمدۃ المؤرخین اور اعلم المفسدین تھے''۔

مصنف البدایہ والنہایہ کے بارے میں ابن حبیب نے جو کچھ کہا اور جسے داؤدی نے طبقات القراء میں اور ابن عماد نے اپنی کتاب ''الشذرات'' میں نقل کیا وہ یہ ہے:

امام ذوی التسبیح والتہلیل' زعیم ارباب التاویل (ابن کثیرؒ) نے احادیث سنیں اور انہیں مدون کیا اور دوسری (متعدد) تصانیف پیش کیں' لوگ ان کی خطابت سے مسرور ومحظوظ ہوتے تھے۔ ان کی مرتب کردہ احادیث سے لوگوں نے استفادہ کیا اور وہ شہر شہر پھیل گئیں ان پر علم وتاریخ وحدیث وتفسیر کی ریاست گویا ختم ہوگئی۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''انباء والغمر'' میں اور ابن العماد نے ''شذرات'' میں ان کے بارے میں جو توصیفی دو شعر پیش کیے ہیں وہ آج تک زبان زد خاص وعام ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی صحبت وخدمت میں رہ کر انہوں نے جو علمی' دینی اور اخلاقی تربیت حاصل کی اس نے نہ صرف انہیں علم وفضل میں ایک امتیازی حیثیت بخشی بلکہ اس سے دوسروں نے بھی بعد میں بہت استفادہ کیا۔

وہ اپنی رائے میں استحکام واستقلال رکھتے تھے' وہی کچھ فرماتے تھے جن کا ثبوت و دلائل صحیح رکھتے تھے' نہ اپنے مذہب و عقائد میں متعصب تھے نہ اس سلسلے میں دوسروں سے تعصب رکھتے تھے' ان کی تفسیر جلیل بڑی عظیم تصنیف ہے جس سے ہم نے ان کے شافعی المذہب ہونے کے بارے میں استفادہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس تفسیر میں اپنے عقائد کے لحاظ سے ایک حرف بھی نہیں لکھا' وہ جو بات کہتے ہیں اس کے لیے ان کے پاس دلائل کی کثرت ہوتی ہے۔ انہوں نے مسئلہ طلاق پر گفتگو کرتے ہوئے بدلائل ثابت کیا ہے کہ ایک بار طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے اور ہم نے اسے ان کے دلائل کے تحت صحیح پایا ہے انہوں نے اس سلسلے میں بڑی اذیتیں برداشت کیں اور بڑے سخت امتحانوں سے گزرے لیکن ہمیشہ صابر وشاکر اور ثابت قدم رہے' ان کا صبر فی سبیل اللہ تھا۔

وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خاص انصار میں شامل تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے شیخ یعنی شیخ الاسلام اور قاضی القضاۃ تقی الدین السبکی کے مابین وجوہ اختلاف کیا ہیں لیکن انہوں نے اس معاملے میں سختیوں پر سختیاں جھیلنے کے باوجود شیخ الاسلام سے اپنا فدایانہ و نیاز مندانہ تعلق نہیں توڑا۔ انہوں نے ان حوادث کا ذکر جو انہیں ۷۴۳ ہجری میں پیش آئے التاریخ جلد ۱۴ میں وضاحت کے ساتھ کیا ہے۔ جب وہ دمشق میں قیام پذیر تھے تو ان سے جیسا کہ انہوں نے خود اپنی کتاب تاریخ میں بیان کیا ہے قاضی القضاۃ کے دارالافتاء کی متعدد مجالس میں فتوؤں پر دستخط کے لیے خصوصاً یتیموں کے مال میں غیر مستحقین کے حق میں تصرف کے بارے میں دستخط پر زور ڈالا گیا لیکن انہوں نے ان پر کبھی دستخط نہیں کیے جب کہ ان پر قاضی جلال الدین بن حسام الدین حنفی کے دستخط موجود تھے اور اس کے بعد ان پر صرف قاضی القضاۃ تقی الدین السبکی شافعی نے دستخط کیے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں دمشق کی ان مجالس سے نجات دلا کر مصر بھیج دیا جہاں انہیں طلب کیا گیا تھا۔

یہ فقط اہل علم کے تقویٰ کا کمال ہو سکتا ہے:

جب ان کی شہرت مصر و دمشق سے دوسرے اسلامی ممالک تک پہنچ چکی تھی تو اسی زمانے (۷۶۳ ہجری) کا ذکر کرتے ہوئے وہ خود بیان کرتے ہیں: (ج ۱۴' ص ۲۹۴-۲۹۵)

''ایک نوجوان بلاد تبریز وخراسان سے بظاہر یہ ارادہ لے کر میرے پاس آیا کہ مجھ سے بخاری ومسلم' جامع المسانید اور زمخشری کی کشاف پڑھے لیکن وہ پہلے درس بخاری میں (غالباً) میرا امتحان لینے کے لیے شریک ہوا جس کے بعد مطمئن ہو کر (دوسرے اسباق میں شرکت کے بعد) بولا:

اگر آپ کی اجازت ہو تو میں یہ احادیث (آپ کی تشریحات کے ساتھ) اپنے ہم وطنوں کو جا کر سنا دوں کیونکہ آپ کے علم وفضل کی شہرت وہاں تک پہنچ چکی ہے''۔

ان سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''جامع المسانید'' بھی ابن کثیر کی کتابوں میں شامل ہے اور اس کی شہرت بھی بلاد مشرق تک پہنچی ہوگی جسے مذکورہ بالا نوجوان نے ان سے سبقاً سبقاً پڑھا ہوگا اور پھر اپنے وطن پہنچ کر اسے حفظ کرنے کے بعد دوسروں کو سنائی ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ابن کثیرؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے جسے ان کے شاگرد ان کی زبانی سن کر لکھ لیتے ہوں گے اور

پھر وہ اسی طرح نقل در نقل ہوتی ہوئی مذکورہ بالا شرق تک پہنچی تھی۔

ابن کثیر کے اوصاف میں اور ان کے کردار کی خوبیوں میں یہ وصف بطور خاص قابل ذکر ہے کہ ان سے جب بھی کسی ایسے مسئلے میں فتویٰ طلب کیا گیا جو بظاہر ارادے کے لحاظ سے صرف استفتاء تک محدود تھا لیکن اس میں فتوے کے خواہشمند کی درحقیقت کوئی سیاسی غرض بھی شامل تھی یا انہیں اس میں اس کی کسی ذاتی غرض کا ذرا سا بھی شبہ ہوا تو انہوں نے ہمیشہ اصول فقہ وشریعت کو پیش نظر رکھا خواہ اس میں فتویٰ طلب کرنے والا کوئی مبتد حاکم ہی نہ رہا ہو۔ اور اس کے خلاف منشاء فتویٰ صادر کرنے میں اس کے بغض وغضب کا اندیشہ ہی کیوں نہ رہا ہو۔ ایسے ہی ایک واقعہ کا ذکر انہوں نے اپنے حالات ۷۶۲ ہجری میں کیا ہے حالانکہ اس فتوے پر بڑے بڑے قاضیوں اور مشائخ کے دستخط موجود تھے اور ان کے دستخطوں کے بعد باقی مفتیوں نے بھی دستخط کر دیئے تھے لیکن چونکہ ان کے نزدیک طالب فتویٰ کی اس میں ذاتی غرض مضمر تھی اس لیے انہوں نے اس پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو اس تاریخی کتاب کی جلد ۱۴' صفحات ۲۸۱۔۲۸۲)

ایسے ہی ایک دوسرے واقعے کا ذکر ان کے حالات کے ضمن میں ملتا ہے جو ۷۶۷ھ میں پیش آیا تھا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ اس سال باغی فرنگیوں کی ایک کثیر تعداد جبراً اس وقت اسکندریہ میں داخل ہوگئی تھی جب کہ وہاں نائب السلطنت اور اسلامی لشکر موجود نہیں تھا۔ ان فرنگیوں نے اسکندریہ میں داخل ہو کر قتل وغارت کی انتہاء کر دی' کوئی گھر ان کی لوٹ مار سے نہیں بچا۔ انہوں نے ہزاروں مسلمان عورتوں اور بچوں کو قید کیا اور سمندر کے اس راستے سے جس سے وہ اسکندریہ آئے تھے واپس چلے گئے۔

یہ خبر جب دمشق پہنچی تو وہاں ایک کہرام مچ گیا' واعظوں نے مساجد کے منبروں سے شام کے مسلمانوں کے جذبات میں آگ لگا دی جب کہ عوام پہلے ہی اس سانحہ فاجعہ پر شب وروز ماتم کر رہے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کا مشتعل ہونا ایک فطری بات تھی چنانچہ انہوں نے شام کے نصرانیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہا جو ان کے ہم مذہبوں نے اسکندریہ کے مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا تھا بلکہ کچھ مسلمان تو جذباتی طور پر اس کے مرتکب بھی ہو گئے۔ انہوں نے نصرانیوں کی عورتوں کو بھی اسی طرح قید کر لیا جس طرح فرنگیوں نے ان کی عورتوں کو قید کیا تھا اور پھر انہیں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

جب ان جذباتی طور پر عمل کرنے والے مسلمانوں کی اس کارروائی کے بارے میں حاکم دمشق نے قاضیوں اور مفتیوں سے فتویٰ طلب کیا تو ان میں سے اکثر نے بحالت غیض جذبات سے مغلوب ہونے والے ان مسلمانوں کی اس انتقامی کارروائی کو حق بجانب قرار دیا۔ ان کا مقصد بلاشبہ ان مسلمانوں کی تالیف قلوب کے علاوہ حاکم دمشق کی خوشنودی حاصل کرنا بھی تھا جس نے نصرانی خواتین میں سے ایک خوش حال خاتون کو اپنے لیے پسند کر لیا تھا لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے اس موقع پر بھی اسلامی شریعت کے مطابق اصول پرستی کا ثبوت دیا' انہوں نے ان مسلمانوں کی اس انتقامی کارروائی کے خلاف فتویٰ دیا اور تمام نصرانی خواتین کو اس مذکورہ بالا خوش جمال خاتون سمیت باعزت رہائی کو شریعت اسلامی کی رو سے لازمی قرار دیا تاکہ مسلمانوں پر نصرانیوں کا اعتماد متزلزل نہ ہونے پائے جیسا کہ اسلامی قوانین کی رو سے اس کی وضاحت احکام اسلام میں موجود ہے۔ یہ تھا حافظ ابن کثیر کا حقیقی مفتی کی حیثیت سے اسلامی کردار۔ انہوں نے اسی طرح ہمیشہ اسلامی احکام عدل کو پیش نظر رکھا اور ذاتی مفاد یا کسی حاکم کی ناراضگی

کا کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں کیا۔ (ملاحظہ ہو زیر نظر کتاب کی ج ۱۴' ص ۳۱۴۔ ۳۱۵ اور ۳۱۸)

انہوں نے ذمی نصرانیوں اور یہودیوں کے مطالبات وحقوق اور ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کی اسلامی احکام کی رو سے ہمیشہ حمایت ووکالت کی لیکن جب ان سے کچھ نصرانی پادریوں کی طرف سے ایک خط کے ذریعہ کچھ ایسے جانوروں کی حلت وحرمت کے بارے میں گدھے کی شمولیت کا شک ہوتا تھا فقہ اسلامی کی رو سے فتویٰ طلب کیا گیا تو انہوں نے بلا جھجک اس کے خلاف فتویٰ تحریر کر کے بھیج دیا' گدھے کو نصرانی یہودی مذاہب میں بھی حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو زیر نظر کتاب کی ج ۱۴' ص ۳۱۹۔ ۳۲۰)

مذہبی عقائد:

ابن کثیرؒ نے اپنے مذہبی عقائد کے بارے میں کبھی بحث ومباحثہ کو دخل نہیں دیا بلکہ صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے شاگردوں اور ان کے معتقد رہے ہیں۔

ان کی فتوؤں کے سلسلے میں صاف گوئی وحق پرستی نے انہیں آخر عمر میں بھی اکثر مشکلات ونقصانات سے دوچار کیا لیکن جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا انہوں نے ہر کام فی سبیل اللہ کیا اور ہر تکلیف پر صبر واستقامت کا ثبوت دیا۔ ان کا انتقال بروز جمعہ ۲۶ شعبان ۷۷۴ھ ہجری کو ہوا اور ان کی تدفین ان کی وصیت کے مطابق شیخ الاسلام کے مقبرے کے پاس دمشق کے باہر مقبرۂ ملونیہ میں ہوئی۔ ابن ناصر کے بقول ''ان کے جنازے میں بے شمار لوگوں نے شرکت کی''۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ان کی مغفرت فرمائے۔

تصنیفات وتالیفات:

ابن کثیرؒ کی تصانیف وتالیفات بے شمار ہیں جن کی صحیح تعداد بتانا ہمارے لیے فی الحال ناممکن ہے کیونکہ ان میں سے اکثر اب مفقود ہیں اور اگر وہ کہیں موجود بھی ہیں تو اب تک ان کی نشاندہی نہیں ہو سکی۔ البتہ انہوں نے اپنی کتب تفسیر میں جگہ جگہ حسب موقع ان کی طرف اشارے کیے ہیں۔ بہر حال جو اس وقت دستیاب ہیں یا جن کی نشان دہی ہمارے محترم القام بھائی علامہ شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ نے اپنی کتاب ''اختصار علوم الحدیث'' میں کی ہے ان کی فہرست وتفصیلات درج ذیل ہیں:

① **التفسیر:** ہم نے اس کتاب کا مختصر ایڈیشن شائع کیا ہے اور اس پر مقدمہ بھی لکھا ہے۔

② **البدایہ والنہایہ:** یہ نہایت نفیس اور مشہور تاریخی کتاب پہلی بار ۱۳۵۸ھ ہجری میں مصر میں طبع ہوئی۔ اسے خود مصنف نے ۱۴ جلدوں یا حصوں میں تقسیم کیا ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس میں تخلیق کائنات سے لے کر اپنی وفات سے ۶ سال قبل تک یعنی ۷۶۸ھ تک کے تاریخی حالات درج کیے ہیں۔ اس کے بعد ۶ سال کے دوران میں اس کتاب میں شامل کرنے کے لیے اپنی وفات ۷۷۴ھ ہجری تک جو حصے مرتب کیے وہ ابھی تک کہیں سے شائع نہیں ہوئے لیکن اس کی طرف کتاب کے نام کے دوسرے حصے ''النہایہ'' سے اشارہ ملتا ہے ظاہر ہے کہ اگر مصنف موصوف برضائے الٰہی ۷۷۴ھ ہجری میں وفات نہ پا جاتے تو یہ کتاب اپنے نام کے لحاظ سے کئی اور جلدوں پر اور حصوں پر مشتمل ہوتی۔

③ **السیرۃ النبویہ:** یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری لیکن مصنف موصوف نے اس کی طرف اپنی کتاب ''السیرۃ'' میں قرآن شریف کی سورۂ احزاب کی تفسیر کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔ اس طویل کتاب یعنی ''السیرۃ'' کو ہم نے کئی حصوں

میں مکمل شائع کیا ہے۔

④ **السیرۃ:** یہ مصنف موصوف کی مندرجہ بالا پہلی کتاب کا مختصر ایڈیشن ہے جو مصر میں ''الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول'' کے نام سے ۱۳۵۸ھ ہجری میں شائع ہوا۔ ''السیرۃ'' کا یہ مختصر ایڈیشن جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یقیناً نامکمل ہے۔ خدا جانے یہ ایڈیشن خود مصنف موصوف نے مرتب کیا تھا یا اسے مصری مکتبہ نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ البتہ اس مختصر ایڈیشن کے مقدمہ میں مصنف سے منسوب کردہ یہ الفاظ ملتے ہیں: ''ایام نبوت اور تاریخ اسلام پر مشتمل یہ مجمل و مختصر حصہ میں نے اس زمانے کے بارے میں اپنی ابتدائی معلومات کی حد تک لکھا ہے۔'' اس کے بعد مذکورہ بالا مقدمہ میں مصنف سے منسوب کردہ یہ الفاظ درج کیے گئے ہیں: ''میرا ارادہ ہے کہ اس مختصر حصے کے بعد جو رسول اللہ ﷺ کے حسب ونسب آپ کے ایام نبوت اور تاریخ اسلام کے کچھ مابعد حالات پر مشتمل ہے اپنی زندگی کے آخری ایام ملک کے تاریخی حالات مکمل طور پر لکھوں۔'' تاہم ''السیرۃ'' کا مطبوع خاص و عام وہی مکمل نسخہ ہے جسے مدینہ منورہ میں مکتبہ عارف حکمت نے شائع کیا ہے لیکن اس نسخے کو بھی کتابت وطباعت کے لحاظ سے یقیناً ناقص ہی کہہ سکتے ہیں۔

⑤ **اختصار علوم الحدیث:** یہ اس نام کی کتاب یعنی ''علوم الحدیث'' کا مختصر ایڈیشن ہے جو مکہ مکرمہ میں طبع اور وہیں سے شائع ہوا۔ اس کی اصطلاحات پر مبنی مقدمہ ابن الصلاح نے لکھا ہے۔ ہم نے یہ نسخہ مع شرح دوبارہ شائع کیا ہے جس کا ذکر ہم نے ضمناً صفحہ ۲۷ پر کر دیا ہے۔

⑥ **جامع المسانید والسنن:** اس کتاب کا ذکر شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ نے اپنی کتاب موسومہ ''الھدی والسنن فی احادیث المسانید والسنن'' میں کیا ہے جس میں شیخ موصوف نے بقول خود ''مسند امام احمدؒ، البزار، ابی یعلیٰ اور ابن ابی شیبہ میں درج احادیث کے علاوہ صحاح ستہ میں مندرج احادیث کو بھی یکجا کر دیا ہے۔'' لیکن ہمیں یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ شیخ موصوف نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں اس اعلان کے باوجود اسے مکمل نہیں کیا کیونکہ اس کتاب کی صرف چار جلدیں ''دار الکتب مصریہ'' نے شائع کی ہیں اور آخری جلد مسند ابی ہریرہ میں درج احادیث پر مبنی ہے اور اس میں بھی مرتب نے مسند امام احمدؒ میں درج احادیث کے علاوہ حرف جیم کے تحت تابعین کی بیان کردہ احادیث بھی ''روایت ابی ہریرہ'' کہہ کر شامل کر دی ہیں اور ان احادیث کے راویوں کے نام ''جعفر بن عیاض مدنی'' یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور امام احمدؒ بتائے ہیں۔ یہ آخری جلد ۲۶۹ اوراق پر مشتمل ہے اور اس میں بھی مسند ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور مسند امام احمدؒ سے منقول احادیث میں جگہ جگہ اکثر و بیشتر اصلاحات شامل کر دی ہیں۔ تاہم ہم نے اس جلد میں کہیں ''البزار، ابی یعلیٰ اور ابن ابی شیبہ'' کا حوالہ نہیں پایا جب کہ اس میں صحاح ستہ کا بطور اشارات ذکر موجود ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے اس جلد کے مسودے میں بھی کسی جگہ اصل مصنف کی قلم بند کردہ کوئی تحریر تلاش بسیار کے باوجود نہیں پائی۔ اس لیے (محققین کے لیے) ضروری ہے کہ ان ساتوں جلدوں کے مسودات (قلمی نسخوں) کو یکجا کر کے جو مجموعی طور پر ۲۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں مزید تحقیق کی جائے۔

⑦ **التکمیل فی معرفة الثقات و الضعفا و المجاهیل**: اس کتاب میں ابن کثیرؒ نے اپنے دوشیوخ المزی اور الذہبی کی علی الترتیب دو کتابوں ''تہذیب الکمال'' اور ''میزان الاعتدال'' کو یکجا کر کے ان پر جرح و تعدیل کے ذریعہ اسے درحقیقت ایک مستقل تصنیف بنادیا ہے۔

⑧ **مسند شیخین**: ابی بکر و عمر (رضی اللہ عنہما)

⑨ **رساله فی الجهاد**: (یہ کتاب چھپ چکی ہے)

⑩ **طبقات شافعیه**: مع مناقب امام شافعیؒ۔

⑪ المدخل الی کتاب السنن مصنفہ بیہقی کے مختصر ایڈیشن کی ترتیب و تنقیح۔

⑫ المقدمات: اس کتاب میں مصنف نے مصطلحات پر تحقیقی مواد جمع کر دیا ہے۔

⑬ **تخریج احادیث أدلة التنبیه فی فروع الشافعیه.**

⑭ **تخریج احادیث مختصر ابن حاجب فی الاصول.**

⑮ **شرح صحیح بخاری**: صحیح بخاری کی یہ شرح مصنف نے شروع کی تھی لیکن اسے تکمیل تک نہ پہنچا سکے جس کا ذکر انہوں نے اپنی (دوسری) کتابوں میں بار بار کیا ہے۔

⑯ **کتاب الاحکام**: یہ کتاب (اپنے موضوع کے لحاظ سے) ایک عظیم کتاب ہے لیکن (افسوس ہے کہ) اسے مصنف موصوف پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ اور یہ عظیم کتاب احکام حج پر ختم ہو کر رہ گئی۔ (ترجمہ از نسخہ بیروت لبنان)

کتابیات

(مصنف کے سوانح حیات وتصنیفات کے مآخذ)

البدایہ والنہایہ (ابن کثیرؒ کی عظیم تاریخی کتاب) — جلد ۱۶ مطبوعہ مصر، ۱۳۵۸ھ

تذکرۃ الحفاظ مصنفہ ذہبی — طبع حیدر آباد (دکن) ۱۳۳۴ھ

الدارس (تاریخ مدارس) مصنفہ نعیمی — حصہ اوّل مطبوعہ دمشق ۱۳۶۷ھ

الدرر الکامنہ مصنفہ حافظ ابن حجر — حصہ اوّل مطبوعہ حیدر آباد (دکن) ۱۳۴۸ھ

ذیول تذکرۃ الحفاظ مصنفہ حسینی — مطبوعہ مصر، ۱۳۴۷ھ

ذیول تذکرۃ الحفاظ مصنفہ سیوطی — مطبوعہ مصر، ۱۳۴۷ھ

النجوم الظاہرہ مصنفہ ابن تغری بردی — جلد ۱۱، مطبوعہ دار الکتب مصریہ ۱۳۶۹ھ

شذرات الذہب مصنفہ ابن عماد — جلد ۶، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۱ھ

الردالوافر مصنفہ ابن ناصر الدین — مطبوعہ مصر ۱۳۲۹ھ

سوانح حیات مصنف علامہ شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ جوان کی تصنیف ''اختصار علوم الحدیث'' میں بطور مقدمہ شامل ہے اور اس کی شرح ہماری ہے۔ — مطبوعہ مصر، ۱۳۷۰ھ

(اخذ وترجمہ از نسخہ بیروت لبنان)
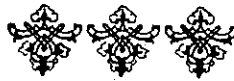
باب ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سب تعریف اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعز شانہٗ کے لیے ہے جو اوّل و آخر ہے' اوّل اس لیے کہ اس سے قبل کوئی چیز نہیں تھی اور آخر اس لیے کہ وہ قدیم ہونے کے علاوہ جملہ اشیائے کائنات کے مقابلے میں یعنی برعکس جو مٹ جانے والی ہیں واجب الوجود اور لم یزل ہے۔ اسی نے ہر چیز حیوانوں' انسانوں' جنوں اور فرشتوں کو تخلیق کر کے ان کی مقدار تقدیر معین کر دی ہے۔

اسی نے آسمانوں کو بے ستون بلند کر کے ٹھہرایا اور انہیں کواکب اور دوسرے روشن اجرام سماوی سے مزین کیا' اسی نے آسمان میں چمکتے ہوئے چاند اور سورج بنائے' اسی نے آسمانوں سے اوپر عرش عظیم وعالی بالتکریم مسکن کیا جسے ملائکہ کرام اُٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے گرد و پیش ملائکہ مقربین علیہم السلام حاضر رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بے شمار فرشتے ادھر اُدھر موجود رہتے ہیں نیز ایسے ستر ہزار فرشتے اور ہیں جو اس آسمان تک پہنچ کر لوٹتے نہیں اور دوسرے فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے دوسری مخلوقات عالم کے لیے پانی پر زمین کو ٹھہرایا اور اسے پہاڑوں سے مستحکم کیا اور زمین میں پانی سے مخلوقات کے لیے رزق پیدا کیا۔ یہ سب تخلیق سماوات سے چار روز قبل پیدا کیا اور زمین پر ہر چیز کو جوڑوں میں پیدا کیا اور یہ سب کچھ بنی نوع انسان کے لیے پیدا کیا جن میں وہ حیوانات بھی شامل ہیں' جو انسانوں کی خوراک کا ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو مٹی سے تخلیق کیا' پھر اسے مادہ منویہ سے درجہ بدرجہ گوشت پوست اور ہڈیوں میں تبدیل کر کے انسانی شکل بخشی نیز اسے سماعت وبصارت عطا فرما کر ہر طرح مکمل فرمایا اور اس کی زندگی کے لیے کوئی چیز مطلق باقی نہ چھوڑی۔ اس کے علاوہ اسے علم کا شرف بخشا۔

اللہ تعالیٰ ہی نے نوع انسانی کا آغاز تخلیق آدم سے کیا یعنی پہلے اس کا جسم بنایا۔ پھر اس میں رُوح پھونکی جس کے بعد فرشتوں نے آدم کو اس کے حکم سے سجدہ کیا۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ٹھہرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہی سے حضرت حوا کو پیدا کیا جو ام البشر ٹھہریں۔ پھر ان دونوں کو اپنی وحدت عطا فرما کر جنت میں ٹھہرایا جس کے بعد انہیں زمین پر اتار کر ان کی اولاد میں کثرت سے مرد وزن پیدا کیے اور انہیں مختلف طبقات میں تقسیم کیا یعنی کسی کو بادشاہ بنایا اور کسی کو رعایا' کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر اور یہ سب کچھ اس نے اپنی خاص حکمت سے کیا کہ کسی کو آزاد پیدا کیا اور کسی کو اس کا غلام بنایا۔ اس نے بنی نوع انسان کو زمین کے طول وعرض پر اس کے اطراف واکناف میں ہر طرف پھیلایا' انہیں ایک دوسرے سے مختلف بنایا' یہ بھی اسی کی حکمت ہے۔

اسی نے بنی نوع انسان کے لیے سمندر اور دریا نیز جھرنے اور چشمے پیدا کیے اور انہیں انکی ضروریاتِ زندگی کے حصول کا

ذریعہ بنایا۔ اس نے انسان کے لیے زمین و آسمان اور ان کے اندر جو کچھ ہے مسخر کر دیا۔ اسی نے انسان کے لیے بادل پیدا کر کے ان سے بارش برسائی اور اس سے اس کے لیے زراعت و آثار پیدا کیے' اس نے انسان کے حال و قال کے مطابق ہر چیز عطا فرمائی۔ یہ سب اس کا انسان پر احسان عظیم ہے۔ حیف صد حیف کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ان ظاہر و باہر نعمتوں سے مستفید و مستفیض ہوتے ہوئے بھی اس سے منحرف ہو کر ظالم و جاہل ٹھہرا حالانکہ اس نے وقتاً فوقتاً اپنے انبیاء و مرسلین کے ذریعہ بنی نوع انسان پر اپنے احکام و ہدایات پر مشتمل آسمانی صحائف نازل کیے اور کتابیں اُتاریں اور ان میں تخلیق کائنات سے لے کر یوم قیامت تک کی تمام تفصیلات شامل فرما دیں۔

چنانچہ وہ شخص بڑا سعادت مند اور خوش نصیب ہے جس نے ان قرآن پاک اور احادیث نبوی کے ذریعہ فراہم شدہ خبروں کی تصدیق کی اور انہیں صدق دل سے تسلیم کیا نیز قرآن میں جو اوامر و نواہی موجود ہیں انہیں بخوشی قبول کر کے ان پر عمل پیرا ہوا جس کی وجہ سے اس نے جہنم کے دردناک عذاب سے نجات پائی۔

میں اس ذات پاک و بے ہمتا کا حد درجہ شکر گزار ہوں جس نے ہم انسانوں کو زمین و آسمان کی بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اس کا کوئی شریک و سہیم ہے نہ عدیل و مثیل' اس کی بادشاہت قدیم اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ اس کا کوئی عدید و ندید ہے اور نہ قسیم۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ واحد اور لاشریک ہے۔ اس کی کوئی نظیر ہے اور نہ اس کا کوئی مصاحب و مشیر ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول اور اس کے حبیب و خلیل ہیں۔ محمد مصطفیٰ عربوں کے شریف ترین شخص ہیں' مالک حوض کوثر اور شافع روز محشر ہیں' وہ خاتم الانبیاء ہیں جن کا پرچم روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مقام محمود پر قائم ہوگا۔ جس کے سائے میں پناہ لینے کے لیے مخلوقِ خداوندی صرف اسی طرف رُخ کرے گی حتیٰ کہ جملہ انبیاء و مرسلین حضرت ابراہیم خلیل اللہ سمیت آپؐ کے اس پرچم کے سائے میں آنے کے خواہش مند ہوں گے۔ آپؐ کے صحابہ کرام پر سلام جنہوں نے آپؐ کی مکمل پیروی کر کے ظلمت شب کو روز روشن کے نور میں تبدیل کر دیا۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد خلاصہ کائنات ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس حمد و ثنا کے بعد اب یہ بندۂ ناچیز خدائے بزرگ و برتر کے حسنِ توفیق' اس کی امداد و اعانت اور اس کی بخشی ہوئی طاقت کے سہارے زیر نظر کتاب میں تخلیق کائنات و مخلوقات تخلیق عرش و کرسی و سماوات' تخلیق زمین اور اس میں جو کچھ ہے' تخلیق ملائکہ و جنات و شیاطین' کیفیت تخلیق آدم علیہ السلام' قصص انبیاء اور بنی اسرائیل تک ان کے جملہ حالات و کوائف سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تک تاریخی حالات بیان کرے گا جن سے امید واثق ہے کہ بنی نوع انسان کی شرح صدور کے علاوہ ان کے باطنی و روحانی امراض کا مداوا اور صحیح علاج ممکن ہوگا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اس کے بعد ہم اس کتاب میں ان حالات و کوائف کا ذکر کریں گے جو ہمارے زمانے تک گزرے اور اس کے ساتھ حشر و نشر اور روزِ قیامت کے حالات، دوزخ اور اس کی کیفیت' جنت اور اس کے حسین و جمیل مناظر نیز دوسری متعلقہ باتیں اور وہ جملہ باتیں جو احادیث نبوت اور علمائے کرام کے توسط سے ہم تک پہنچی ہیں بیان کریں گے۔

اسرائیلات کے بارے میں صرف وہی باتیں بیان کریں گے جنہیں بیان کرنے کی شارع اسلام علیہ السلام نے ہمیں اجازت دی ہے اور یہ کہ ان میں اور قرآن پاک میں بیان کردہ قصص میں کوئی تضاد نہیں ہے تاہم ان کی تصدیق یا تکذیب کی ذمہ داری بحیثیت مؤرخ...... ہم پر عائد نہیں ہوتی ہم تو صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ' سے یہاں انہیں مختصر بیان کرنے کے لیے اس کی توفیق کے متدعی ہیں۔ و هو المستعان.

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین یعنی قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَ قَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے نبی علیہ السلام کے لیے ازمنۂ ماسبق' اپنے اولیاء واعداء کا ذکر فرمایا لیکن اسی حد تک جو آپ کی امت کے لیے بھی کافی اور وافی وشافی ہو۔ بہرحال آپ سے ہم تک جو کچھ پہنچا اسے ہی بیان کرنے پر ہم نے اکتفا کیا ہے اور وہی بیان کیا ہے جو امت مسلمہ اور بنی نوع انسان کے مفید مطلب ہو۔ البتہ ہم نے ان بیانات کو اس کتاب میں شامل کرنے سے احتراز کیا ہے جن میں علماء ومؤرخین سے سہواً غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ یا ان میں اکثر وبیشتر باہمی اختلافات ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث جسے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں درج کیا ہے یہ ہے۔

ترجمہ: ''میری بیان کردہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو دوسروں تک پہنچا دو۔'' آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ترجمہ: ''اگر اس میں کوئی قباحت نہ ہو تو بنی اسرائیل کا ذکر کرو' میرے بیانات کے بارے جھوٹ نہ بولو (کیونکہ) جس نے میرے بیانات کے) بارے میں جھوٹ بولا اس کی مقعد آگ سے بھری جائے گی۔'' یہ بات آپ نے اسرائیلات کے اذکار کے بارے میں ارشاد فرمائی جن کے بارے میں ہمارا خاموش رہنا ہی مناسب ہے۔ ہمیں ان کی تصدیق یا تکذیب کی ضرورت نہیں' ہم نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے مآخذ کے بارے میں اعتماد و اعتبار پر مبنی ہے۔ البتہ شریعت کی رُو سے ہمارے نزدیک جو باتیں مصدقہ ہیں ہم نے ان کو بیان کرنا ضروری سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو رسول بخشا وہ سب رسولوں سے برتر ہے اور اس پر جو کتاب نازل فرمائی وہ سب کتب آسمانی سے برتر وافضل ہے کیونکہ دوسری تمام کتب آسمانی میں تحریف وتغیر' خلط ملط اور تبدیلیاں نیز تنسیخ اور اضافے ہو چکے ہیں۔

ہماری احتیاج وہ کلام ربانی ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت باسعادت سے ہم تک پہنچا اب کوئی اسے سمجھے یا نہ سمجھے جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا: ''قرآن میں تم سے پہلے اور تمہارے بعد کی جملہ خبریں موجود ہیں' اس میں جو احکام ہیں ان کے صدور کا فصل بھی ضروری تھا اور وہ بے محل نہیں ہے' جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول کیا وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس نے اس کے علاوہ کسی اور کی ہدایت کو قبول کیا اور ان پر عمل کیا وہ گمراہ ہے''۔

حضرت ابوذر (غفاری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات تک ہر بات سے آگاہ فرمایا حتیٰ کہ جو پرندہ اپنے پروں سے اڑتا ہے اس کے بارے میں بھی ارشاد فرما دیا اور اس سے ہمیں باخبر فرمایا''۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب احادیث صحیح بخاری میں تخلیق کائنات کے آغاز میں ذکر کیا ہے۔ عیسیٰ بن موسیٰ غنجار سے بحوالہ

رقیہ، قیس بن مسلم اور طارق بن شہاب مروی ہے کہ آخرالذکر نے انہیں بتایا کہ ایک روز جب رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کے ساتھ کھڑے تھے تو آپؐ نے تخلیق کائنات سے لے کر اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک تمام کوائف ہم سے بیان فرمائے۔ بہرحال جس نے انہیں یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا بھلا دیا۔ یہ روایت ابومسعود دمشقی اور امام بخاریؒ نے بھی بیان کی ہے جسے عیسیٰ غنجار نے ابی حمزہ اور رقیہ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

یہی روایت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں یوں بیان فرمائی ہے:

''ہم سے ابوعاصم[1]، عذرہ بن ثابت، علبا بن احمر یشکری اور حضرت ابوزید انصاری نے بیان کیا: ''(ایک روز) رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ صبح کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد آپ منبر پر تشریف فرما ہو کر ظہر تک ہم سے خطاب فرماتے رہے۔ پھر ظہر کی نماز کے بعد اسی طرح ہم سے عصر تک خطاب فرمایا' پھر عصر کی نماز سے فراغت کے بعد مغرب تک اسی طرح ہم سے خطاب فرمایا اور اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد ہم سے خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنے ان جملہ خطبوں میں تخلیق کائنات سے لے کر تا قیام قیامت تمام کوائف کا ذکر فرمایا اور ہم نے انہیں اپنے حافظے میں محفوظ کر لیا۔''

اسی روایت کو قریباً اسی طرح اپنے طریقے سے امام مسلمؒ نے اپنی کتاب احادیث ''صحیح مسلم'' میں عنوان کتاب الفتن کے تحت یعقوب بن ابراہیم الدورقی' حجاج بن شاعر کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا' کہ ان جملہ حضرات کی بیان کردہ یہ حدیث نبویؐ اصلاً یکے بعد دیگرے ابی عاصم ضحاک بن مخلد، علبا بن عذرہ، علبا، ابی زید بن عمرو بن اخطب بن رفاعہ انصاری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

[1] مصنف کے اس نسخے میں یہی یعنی ابوعاصم لکھا ہے لیکن ایک دوسرے نسخے میں ابوعامر ہے جب کہ دونوں جگہ راویوں کے نام ایک ہی ہیں اس لیے ہم اس نام کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ (محمود الامام)

فصل:1

خالق ومخلوق:

اللہ تعالیٰ نے اپنی عزیز ومقدس کتاب میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ اس لیے درحقیقت وہی ہر چیز کا خالق اور باقی تمام اشیاء اس کی مخلوق ہیں اور وہی ان جملہ مخلوقات کا منتظم حقیقی ہے اور اس کا عرش وہ چھت ہے جو سطح ارضی سے تحت الثریٰ تک اس مخلوقات جامد و ناطق کے اوپر قائم و دائم ہے اور اس کی ذات قدیم ولم یزل ان جملہ مخلوقات کی معبود ہے اور یہ مخلوقات اسی کے قہر وقدرت کے تحت مختلف کاموں پر مامور ہیں اور اسی کے تصرف اور مشیت کے تحت اپنے اپنے کام کر رہے ہیں اور وہی ذات پاک ہمہ وقت ان کے ساتھ ہے اور اسے ان کے ہر کام کی خبر اور بصیرت حاصل ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾

تمام بڑے بڑے عالم اس بات پر متفق ہیں اور انہیں اس میں مطلق شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھ روز میں تخلیق فرمایا البتہ اگر اس ضمن میں ان کے درمیان کوئی بظاہر اختلاف ہے تو صرف اتنا کہ آیا ان چھ دنوں سے وہی دن مراد ہیں جن کا ہم اس دنیا میں شمار کرتے ہیں یا ان سے جیسا کہ بتایا گیا وہ ایام مراد ہیں جن میں سے ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے نیز یہ کہ آیا زمین اور آسمانوں کے درمیان ان چھ دنوں سے قبل بھی کوئی شے تخلیق ہوئی تھی یا نہیں؟ اس موضوع پر ہم آگے چل کر مدلل گفتگو کریں گے جیسا کہ ہم اپنی تفسیر میں اس آیہ مبارکہ پر کر چکے ہیں۔ ویسے بعض صلحا یہ کہتے ہیں کہ زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے قبل ان کے درمیان کوئی شے موجود نہیں تھی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ تھی' اور اس کے ثبوت میں وہ قرآن سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ یعنی اس نے زمین اور آسمانوں کو چھ روز میں پیدا کیا جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔

جیسا کہ حدیث عمران میں موجود ہے اور جس کا ہم آگے چل کر انشاء اللہ مفصل بیان کریں گے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ تخلیق کائنات سے قبل خدا کے سوا کوئی شے موجود نہیں تھی اور یکبارگی عدم سے وجود میں آئی۔ عمران بن حصین کی حدیث:

''کان اللّٰہ و لم یکن قبلہ شیء و کان عرشہ علی الماء ...... الخ''.

امام احمدؒ' بہز' حماد بن سلمہ' ابویعلیٰ' ابن عطاء' وکیع بن جدس اور ان کے چچا رزین لقیط بن عامر عقیلی کے حوالے سے روایت فرماتے ہیں کہ آخر الذکر نے ایک روز رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ (ﷺ) زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے قبل ہمارا رب کہاں تھا؟'' اس سوال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: ''وہ لامکاں میں تھا جس کے اُوپر اور نیچے (بے نام) ہوائی خلا تھا' پھر اس نے اپنا عرش پانی پر تخلیق فرمایا''۔

امام احمدؒ نے یہی روایت حدیث مبارکہ یزید بن ہرون اور حماد بن سلمہ کے حوالے سے بیان کی ہے اور اس میں سوالاً جواباً

وہی الفاظ مقرر کیے ہیں جن کا استخراج ترمذیؒ نے کرتے ہوئے اسے روایت حسن کہا ہے' تاہم ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث احمد بن منیع' ابن ماجہ' ابی بکر بن ابی شیبہ اور محمد بن صباح کے الفاظ میں یزید بن ہارون کے حوالے سے بیان کی ہے۔ البتہ اس بارے میں علمائے دین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کونسی چیز تخلیق فرمائی۔ بہر حال کچھ علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا اور اس کے بعد باقی تمام اشیاء تخلیق فرمائیں۔ ابن جریر اور ابن جوزی نے بھی یہی بات اختیار کی ہے جب کہ ابن جریر کہتے ہیں کہ قلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے رقیق بادل پیدا فرمایا' تاہم ان جملہ اصحاب نے اس حدیث مبارکہ پر اتفاق کیا ہے جو امام احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذی اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ حدیث مبارکہ یہ ہے: ''آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم تخلیق فرمایا اور قلم نے (اس کے حکم سے) پھر وہ تمام موجودات کون و مکان جو روز اوّل سے تا قیام قیامت وجود میں آنے والی تھیں۔ رقم کر دیں۔'' اس حدیث مبارکہ کی روایت میں یہ امام احمدؒ کے الفاظ ہیں۔
تاہم اس حدیث کو حسن اور صحیح کے ساتھ غریب بھی لکھا ہے لیکن حدیث نبوی کے جن الفاظ پر جمہور علمائے دین کا اتفاق ہے اور جنہیں حافظ ابوالعلاء ہمدانی وغیرہ نے نقل کیا وہ ''انّ العرش مخلوق قبل ذالک'' ہیں (سب سے پہلے یعنی قلم سے بھی پہلے عرش کی تخلیق ہوئی) یہ بہر حال ابن جریر کی روایت ہے جو انہوں نے ابن عباس کے حوالے سے پیش کی ہے اور اسی کی سند پر اسے مسلمؒ نے اپنی کتاب احادیث صحیح مسلم میں درج کیا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی اضافہ کیے ہیں کہ ہم سے ابو طاہر نے یکے بعد دیگرے احمد بن عمر بن سرح' ابن وہب' ابو ہانی خولانی' ابی عبدالرحمٰن الحبلی اور عبداللہ بن عمر ابن العاص کے حوالے سے بیان کیا کہ آخرالذکر کے بقول انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے ارض و سماوات کی پچاس ہزار سال میں تخلیق سے قبل جملہ موجودات کی تصاویر بنا دی تھیں۔'' اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''ان جملہ مخلوقات سے قبل قلم کی تخلیق ہوئی''۔

اس حدیث کی تائید کرتے ہوئے بخاریؒ نے عمران بن حصین کے حوالے سے بیان کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اہل یمن نے رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا کہ موجوداتِ عالم میں سب سے پہلے کس چیز کی تخلیق ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ وجودِ باری تعالیٰ سے قبل کوئی شے نہیں تھی۔ تاہم بعض روایات میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں:

و کان عرشه علی المآء و کتب فی الذکر کل شی و خلق السموات و الارض

البتہ تخلیق عالم کے سلسلے میں اہل یمن نے حدیث کے وہ الفاظ بیان نہیں کیے جو ابن رزین کی روایت کردہ حدیث میں ہیں جنہیں ہم نے سطورِ بالا میں من و عن نقل کیا ہے۔ البتہ ابن جریر اور متاخرین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے قبل پانی پیدا فرمایا تھا۔ سدی نے ابن مالک' ابی صالح' ابن عباس اور مرہ ابن مسعود کے حوالے نیز متعدد دوسرے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی زبانی بیان کیا ہے کہ: ان اللّٰه کان عرشه علی الماء و لم یخلق شیئا غیر ما خلق قبل الماء ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور پانی سے قبل کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے تخلیق نہیں فرمائی تھی۔

بہر حال ابن جریر ہی نے محمد بن اسحٰق کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ عزوجل نے نور و ظلمت تخلیق فرمائے پھر انہیں ایک دوسرے سے ممیز کرنے کے لیے ظلمت کو شب تاریک اور نور کو روز روشن کی شکل عطا فرما دی۔''

ابن جریر کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی کہا ہے کہ ''ہمارے رب نے قلم کے بعد کرسی' کرسی کے بعد عرش کی تخلیق فرمائی۔ جس کے بعد ہوا اور ظلمت پیدا کیے اور اس کے بعد پانی پیدا کیا اور اس پر اپنا عرش مقرر فرمایا۔'' واللہ اعلم بالصواب

فصل: 2

صفاتِ عرش:

عرش وکرسی کی صفات جو قرآن شریف میں بیان ہوئی ہیں وہ یہ ہیں:

① ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾

② ﴿رَفِيْعُ الدَّرَجَاتِ ذُوالْعَرْشِ﴾

③ ﴿فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾

④ ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾

⑤ ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدُ﴾

⑥ ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾

⑦ ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا﴾

⑧ ﴿وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾

⑨ ﴿وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾

دعائے کرب میں ذکر عرش:

اس کے علاوہ صحیح میں جو دعائے کرب آئی ہے اس میں عرش کا ذکر یوں آیا ہے:

لا الٰہ الا اللّٰہ العظیم الحلیم ○ لا الٰہ الا اللّٰہ رب العرش الکریم ○ لا الٰہ الا اللّٰہ رب السموات و رب الارض رب العرش الکریم۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور یحییٰ بن علا نے اپنے چچا شعیب بن خالد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخرالذکر سے سماک بن حرب نے عبداللہ بن عمیرہؓ احنف ابن قیسؓ اور عباس بن عبدالمطلب کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز وہ آنحضرت ﷺ کے پاس مکے میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپؐ نے آسمان کی طرف دیکھ کر بادل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے دریافت فرمایا: یہ جو تم دیکھ رہے ہو؟ مذکورہ بالا اصحاب نے عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) یہ بادل ہیں''۔ اس کے بعد آپؐ نے دریافت فرمایا: ''کیا ان میں مزن (بارش) نہیں ہے؟''۔ ہم نے عرض کیا:

''جی حضور بارش بھی ہے''۔ اس کے بعد آپؐ نے ہم سے پوچھا: ''اور عنان؟''۔

یہ سن کر ہم چپ رہے کہ اسے اللہ اور اس کا رسولؐ جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: ''سحاب وعنان میں پانچ سو سال کی مسافت ہے''۔ اس کے بعد مذکورہ بالا اصحاب کے بقول آپؐ نے فرمایا: ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک راستہ کھلا ہوا (صاف) ہے اور ساتویں آسمان کے اوپر اور نیچے خلائی بحر ہے جیسا زمین اور پہلے آسمان کے درمیان ہے' ساتویں کے اوپر آٹھ چڑھائیاں ہیں ویسی ہی جیسی زمین اور پہلے آسمان کے درمیان میں ہیں۔ جن کے بعد نشیب وفراز ہیں عرش کی پہنائی ہے جو عرش الٰہی کہلاتی ہے اور اتنی بلندیوں سے اللہ تعالیٰ کو بنی آدم کے ہر عمل کا علم ہوتا رہتا ہے''۔

یہ حدیث مبارکہ امام احمدؒ کے الفاظ میں مروی ہے جسے ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ اور ترمذیؒ نے اپنے اپنے ہاں سماک کی بیان کردہ حدیث بتا کہ نقل کیا ہے۔ اس حدیث مبارکہ کو ترمذیؒ نے حدیث حسن بتایا ہے۔ ویسے اس حدیث کی روایت میں کئی دیگر حضرات شریک ہیں اور اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث اصلاً سماک کی روایت کردہ ہے جس میں جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کچھ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔

مذکورہ بالا جملہ باتوں کے بارے میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بحث چلی تو آپؐ نے فرمایا: افسوس ہے تم پر کیا تم عرش و فرش اور ارض وسماوات اور ان کے درمیان جو خلائی فضا وغیرہ ہے اس کے بارے میں اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش ان سب پر محیط اور اس کی ذات پاک عظیم ترین ہے۔ (ترجمہ مفہوم۔ شادانی)

ابن بشار کی روایت اس حدیث کی لفظی توسیع کے بارے ہیں ان اللّٰہ فوق عرشہ فوق سموتہ ہے جس کے بعد حدیث نبوی ختم ہوتی ہے۔ اس حدیث کو عبدالاعلیٰ' ابن مثنیٰ اور ابن بشار نے بھی یعقوب بن عقبہ' جبیر بن محمد بن جبیر اور آخر الذکر کے والد اور دادا کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ابوداؤد نے اس حدیث کو احمد بن سعید کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے صحیح بتایا ہے۔ اس حدیث کی صحت پر جس جماعت کو اتفاق ہے ان میں یحییٰ بن معین اور علی بن مدینیؒ بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ جیسا کہ امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے اس حدیث کو ایک اور جماعت نے بھی روایت کیا ہے۔ بہرحال احادیث کا جو نسخہ ہمیں دستیاب ہوا ہے اس میں اس حدیث کو عبدالاعلیٰ' ابن مثنیٰ اور ابن بشار کی سماعت سے منسوب کیا گیا ہے اور اس سے استخراج ابوداؤد نے کیا ہے۔

بہرحال حافظ ابوالقاسم بن عساکر دمشقی نے اس حدیث کے خلاف اور اس کی رد میں جزوی طور پر باقاعدہ ایک کتابچہ لکھا ہے اور اس کا نام ''بیان الوھم و التخلیط الواقع فی حدیث الاطیط'' رکھا ہے اور اس کے راویوں میں سے صرف محمد بن اسحٰق پر طعنہ زنی کی ہے اور اس میں لوگوں کے کلام کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اس لفظ کا ذکر ابن اسحٰق کے علاوہ متاخرین کے ہاں اس حدیث کے سلسلے میں اکثر ملتا ہے مثلاً عبد بن حمید اور ابن جریر نے اس کی شرح کرتے ہوئے اور ابن ابی عاصم اور طبرانی نے اپنی کتابوں ''کتاب السنۃ'' میں اسی عنوان سے اس حدیث کا ذکر کیا ہے نیز بزار نے اپنی مسند اور حافظ ضیا مقدسی نے اپنی کتاب ''مختار'' میں ابی اسحٰق سبیعی کے ذریعہ عبداللہ بن خلیفہ اور حضرت عمر بن خطاب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ''ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے (مرنے کے بعد) جنت میں داخل فرمائے''۔ تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کا ذکر فرماتے ہوئے اس عورت سے فرمایا:

''کیا تم جنت اور خدائے بزرگ و برتر کے عرش و کرسی کو اپنی دنیاوی فضا کی طرح کوئی محدود چیز سمجھ بیٹھی ہو''۔ اور مذکورہ بالا راویوں کے بقول جنت اور عرش و کرسی کی پہنائی اور اس کی وسعت کا ذکر فرماتے ہوئے اسی لفظ ''اطیط'' کا اضافہ فرمایا۔ عبداللہ بن خلیفہ کے نزدیک بہرحال یہ حدیث غیر مشہور اور اس میں حضرت کا حوالہ محلِ نظر ہے اور جن دوسرے راویوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اسے ''حدیث مرسل'' ٹھہرایا ہے اور ہمارے خیال میں بھی اس میں غریب اضافے ہیں۔ واللہ اعلم

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا کرو تو اس سے فردوس کا سوال کیا کرو جو جنت کے اعلیٰ و اوسط درجات ہیں جن کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے''۔ اس حدیث نبوی کو ہمارے شیخ حافظ مزی نے ''حدیث حسن'' میں بتاتے ہوئے لفظ ''فوقہ'' کی جگہ ''اعلاھا'' اور اس کے بعد ''عرش الرحمٰن'' لکھا ہے۔ ویسے بعض کتب احادیث میں راویوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''اہل فردوس عرش کی طرف سے آئی ہوئی ''اطیط'' (آواز بھی سنیں گے جو (درحقیقت) اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تعظیم ہوگی''۔ جس کا مطلب فردوس سے اللہ تعالیٰ کے عرش کی قربت ہے۔

مجموعہ احادیث صحیح میں درج ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سعد بن معاذ کی موت سے عرش خوش ہوا''۔

حافظ بن حافظ محمد ابن عثمان بن ابی شیبہ اپنی کتاب صفت العرش میں بعض اسلاف حوالے سے لکھتے ہیں کہ عرش کی تخلیق یاقوت احمر (سرخ) سے ہوئی اور اس کا قطر ایک طرف سے دوسری طرف تک پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہے اور جیسا کہ ہم نے ارشاد باری تعالیٰ عزاسمہٗ کے ارشاد ﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے عرض کیا ہے کہ ارشاد ربانی کے مطابق ملائکہ اور روح کے یومیہ صعود کی مسافت پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہے۔ اور یہ کہ عرش سے زمین کی طرف فرشتوں اور روح کی یہ آمد و رفت ہر بار پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہوئی۔ متکلمین میں سے بعض کے نزدیک کہ عرش جو مستو یر ہے اپنی ہر جانب سے عالم پر محیط ہے اور اسی لیے عرش کو فلک نہم اور فلک اطلس و اثیر کا نام دیا ہے لیکن یہ بات شرع سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ عرش کو ملائکہ اُٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے پائے ہیں انہیں کوئی اٹھائے ہوئے ہیں جب کہ کسی آسمان کے پائے نہیں ہیں اور وہ بے ستون قائم ہیں یعنی انہیں کوئی اٹھائے ہوئے نہیں ہے۔ پھر یہ کہ عرش جنت کے اوپر ہے اور جنت آسمانوں کے اوپر ہے اور جنت کے سو درجات ہیں اور ان کے ہر درجے کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی درجے کے فاصلے کے برابر ہے۔ چنانچہ عرش و کرسی کے مابین جو فاصلہ ہے اسے آسمان کے درمیانی فاصلے سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عربی لغت کے لحاظ سے عرش سریر یعنی تخت کا ہم معنی لفظ ہے اور ویسا ہی تخت جیسا بادشاہوں کا ہوتا ہے اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''عرش عظیم'' ہے جو قطعی طور پر فلک نہیں ہوسکتا نہ اہل عرب اسے فلک سمجھ سکتے ہیں۔ چونکہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اہل عرب عرش کو فلک کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ اس لیے عرش واقعتہً ایک تخت ہے، اس میں پائے ہیں اور اسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ جیسا کہ کہا گیا ہے ایک گنبد کی شکل ہے جو مخلوقات کی چھت ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ یعنی وہ فرشتے ہیں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور

اس کے چارطرف اپنے رب کی حمد میں مصروف رہتے ہیں‘ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں جو اس پر ایمان لائے ہیں۔ یہ فرشتے جیسا کہ ہم حدیث ادعال میں پہلے بیان کر چکے ہیں تعداد میں آٹھ ہیں اور عرش کو اپنی پشتوں پر لیے ہوئے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴾ (اور تیرے رب کا عرش ہر روز آٹھ فرشتے اٹھائے رہتے ہیں)۔

شہر بن حوشب کہتے ہیں: عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں یا عرش اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جن میں سے چار فرشتے کہتے رہتے ہیں:

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ لَکَ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی حِلْمِکَ بَعْدَ عِلْمِکَ.

اور چار فرشتے یہ کہتے رہتے ہیں:

سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ لَکَ الْحَمْدُ عَلٰی عَفْوِکَ بَعْدَ قُدْرَتِکَ.

جو حدیث اس بارے میں امام احمدؒ نے روایت کی ہے اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں: ہم سے عبداللہ بن محمد یعنی ابوبکر بن ابی شیبہ اور عبدۃ بن سلیمان نے محمد بن اسحاق‘ یعقوب بن عقبہ‘ عکرمہ اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے امیہ یعنی ابن ابی صامت کے جن اشعار کو سن کر ''سچ کہا'' فرمایا وہ یہ ہیں:

رجل و ثور تحت رجل یمینه — و النسر الأخری و لیس مرصد
و الشمس تطلع کل آخر لیلة — حمراء مطلع لونها متورد
تأبی و لا تبل و لنا رسلها — الا معذبة و الّا تجلد

ان اشعار کے بارے میں چونکہ آنحضرت ﷺ نے ''سچ کہا'' ارشاد فرمایا جو صحیح الاسناد راویوں اور ثقہ اصحاب سے مروی ہے اس لیے ثابت ہوا کہ عرش الٰہی کے حامل چار چار فرشتے ہیں جو ہر روز یکے بعد دیگرے اسے اٹھائے رہتے ہیں۔ یا اللہ ان چار فرشتوں کے بارے میں ان کی تعداد و صفات کا جو اثبات ہم نے ان اسناد کی بناء پر کیا وہ اگرچہ حدیث اوعال سے متعارض ہے لیکن اس کی ہم تردید بھی نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم

صفاتِ کرسی:

ابن جریر نے جویبر کے ذریعہ حسن بصریؒ کے حوالے سے جو حدیث بیان کی ہے اسے ضعیف بتایا گیا ہے۔ آخر الذکر کہتے ہیں کہ درحقیقت کرسی ہی عرش ہے لیکن اس حدیث کی روایت حسن بصریؒ سے منسوب کرنا درست نہیں ہے کیونکہ کرسی کے بارے میں دیگر صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم بلکہ خود حضرت بصریؒ نے کہا ہے وہ یہ ہے کہ کرسی عرش کے علاوہ دوسری چیز ہے اور انہوں نے اس کے ثبوت میں قرآن کی آیہ شریفہ ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ پیش کی ہے اور کہا ہے کہ کرسی وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا علم محفوظ ہے۔ کرسی کے بارے میں صحیح حدیث کا مرجع ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور اس حدیث کو حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں بیان کیا ہے تاہم انہوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو دوسروں کے علی الرغم سفیان ثوری کی طرح عمار دھنی‘

مسلم بطین، سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پیش نہیں کیا بلکہ اس کا استناد شیخین (رضی اللہ عنہما) سے کیا ہے اور انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ کرسی کو موضع قدمین کہہ سکتے ہیں لیکن عرش کی مقدار و وسعت کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔

اس روایت کو شجاع بن مخلد الفلاس نے اپنی تفسیر میں درج کرتے ہوئے اسے ''حدیث مرفوع'' بتایا ہے اور اس کی صحت کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بیان پر موقوف ظاہر کیا ہے۔ ویسے کرسی کا بیان جو ابن جریر سے ابوموسیٰ اشعریؓ، ضحاک بن مزاحم، اسماعیل بن السدی الکبیر اور مسلم البطین کے حوالے سے مروی ہے اس میں السدی کے بقول کرسی کو عرش کے نیچے بتایا گیا ہے۔ السدی نے یہ بھی کہا ہے کہ زمین اور تمام آسمان کرسی کے درمیان ہیں اور خود کرسی عرش کے درمیان ہے۔

ابن جریرؒ نے ابن ابی حاتم اور ضحاک کی طرح بیان کیا ہے کہ آسمان سات ہیں اور زمینیں بھی پہلے سات طبقات میں منقسم تھیں لیکن بعد میں ایک ساتھ جڑ کر کرسی کی وسعت میں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) ایک جگہ سمٹ گئیں۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے یونس اور ابن وہب نے ابن زید کی زبانی بتایا کہ آخر الذکر سے ان کے والد نے بیان کیا کہ ان کے والد کو ابوذر (رضی اللہ عنہ) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بتایا کہ ''کرسی عرش سے ایک لوہے کے حلقے کی طرح ملحق ہے جیسے میری کمر کے گرد خاکی دائرہ ہو اور کمر اس دائرے سے ملحق ہو''۔ لیکن یہ حدیث مرسل ہے اور ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے بیان پر ختم ہو جاتی ہے اور ان سے بطریق موصول روایت کی گئی ہے۔

حافظ ابوبکر بن مردویہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں سلیمان بن احمد طبرانی، عبداللہ بن وہب مغربی، محمد بن ابی سریر عسقلانی اور محمد بن عبداللہ تمیمی نے قاسم بن محمد ثقفی، ابی ادریس خولانی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرسی کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''جس ذات پاک کے قبضے میں میری جان ہے اس قسم کی سات آسمان اور سات زمینیں (زمین کے سات طبقات) اس کے ماسوا کہ وہ کرسی کے گرد (نزدیک) حلقہ بنائے ہوئے ہیں (اور کرسی بھی اس حلقے میں) شامل ہے اور کچھ نہیں اس لیے جس طرح کسی اصل شے کو حلقے پر فضیلت ہوتی ہے اسی طرح عرش کو کرسی پر فضیلت حاصل ہے''۔

ابن جریر اپنی کتاب تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابن وکیع نے کہا کہ ان کے والد یعنی ابن وکیع کے والد نے ابن وکیع سے سفیان، اعمش، منہال بن عمرو اور سعید بن جبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ ان اصحاب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے بیان کے بیان کے بارے میں جو انہوں نے دجل کے حوالے سے بیان کیا تھا سوال کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عرش تخلیق عالم سے قبل پانی پر تھا تو پھر پانی کس چیز پر تھا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ پانی متن ہوا پر تھا اور جملہ آسمان زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب کا سب اس چیز کے گرد حلقہ زن تھا جسے کرسی کہا جاتا ہے منبہ ابن ہیکل سے بھی اسی طرح کی ایک حکایت مروی ہے۔ ویسے وہب نے ہیکل کی تشریح یوں کی ہے کہ وہ ایسی چیز ہے جس کے گرد آسمانوں اور زمینوں نے فضا کے الحاق سے حلقہ بنا رکھا ہے جسے نسطاط کی طنابوں سے اسے روک رکھا ہو اور یہی ہیکل کرسی ہے بعض ہیئت دان کہتے ہیں کہ کرسی سے درحقیقت آٹھواں آسمان مراد ہے جس میں ستارے ثبت ہیں اور اسی لیے اسے ثوابت یعنی ٹھہرے ہوئے ستاروں کا آسمان کہا جاتا ہے اس خیال کو جو ہیئت دانوں نے

پیش کیا ہے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے یہ کہہ کر محل نظر قرار دیا ہے کہ اگر یہ نظریہ تسلیم کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس فلک ہشتم کو باقی دوسرے سات آسمانوں سے بڑا تسلیم کیا جائے جو حدیث نبوی سے اس بارے میں متضاد ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس نظریہ کو تسلیم کیے بغیر بھی وہ کرسی کو تمام آسمانوں اور زمین کے طبقات پر محیط سمجھتے ہیں لیکن یہ کوئی آسمان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ عربی لفظ کرسی کو کسی عربی لغت میں فلک کا مترادف نہیں بتایا گیا۔ ویسے بھی اسلاف نے کرسی کو عرش کا درمیانی حصہ بتایا ہے اور اس سے بھی اس کا فلک ہونا ثابت نہیں ہوتا' دوسرے یہ کہ جسے فلک ہشتم ان ہیئت دانوں نے ظاہر کیا ہے اس میں ستاروں کے جڑے ہونے کا کوئی ثبوت انہوں نے پیش نہیں کیا۔

جو جملہ نظریات اور ان کے بارے میں اختلافی نظریات بھی ان لوگوں کی متعلقہ کتابوں میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم

لوح محفوظ کا ذکر:

حافظ ابو القاسم طبرانی فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ منجاب بن حارث' ابراہیم بن یوسف اور زیاد بن عبداللہ نے لیث' عبدالملک بن سعید بن جبیر' ان کے والد اور ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ مذکورہ بالا حضرات سے ابن عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا ہے' اس کے صفحات سرخ یاقوت کے ہیں' اس کا قلم نوری ہے جس نے اس لوح میں اللہ تعالیٰ کا ہر حکم اس کے نور سے لکھا ہے۔ لوح محفوظ میں ہر دن کے تین سو ساٹھ لحظے ہیں جن میں تخلیق' رزق رسانی' موت و حیات اور عروج و زوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام درج کیے جاتے ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے وہ بھی لکھا جاتا ہے۔

اسحٰق بن بشیر کہتے ہیں کہ انہیں مقاتل اور ابن جریج نے مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بتایا کہ ''لوح کے درمیان میں **لا الٰہ الا اللّٰہ، وحدہ دینہ الاسلام و محمد عبدہ و رسولہ** لکھا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ واحد و یکتا ہے' محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس کا (قابل قبول) دین اسلام ہے۔ اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ''بس جو شخص خدا پر ایمان لایا' اس کے جملہ احکام قبول اور تسلیم کیے اور ان کا اتباع کیا اور اس کے رسولوں کے احکام بھی مانے وہ جنت میں جائے گا''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے اس کے علاوہ مذکورہ بالا حضرات کو ابن عباسؓ نے یہ بھی بتایا کہ لوح محفوظ ایک لوح ہے جو سفید موتی سے بنی ہے' اس کا طول زمین و آسمان کے درمیان فاصلے کے برابر ہے اور اس کا عرض مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اس کی جلد موتیوں اور یاقوت سے بنی ہے' اس کے اوراق بھی موتیوں اور یاقوت سرخ کے ہیں' اس کا قلم نوری ہے اور اس میں جو کلام درج ہے وہ عرش سے مقصود ہے اور اس کی اصل یعنی جڑ دودھیا پتھر کی ہے۔ آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ لوح محفوظ کے بارے میں یہ سب کچھ انہوں نے ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے سن کر بتایا ہے۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ لوحِ محفوظ اسرافیل کے سامنے ہے۔ ان کے علاوہ کچھ پہلے لوگوں کے بقول بھی یہ لوح اسی سمت میں ہے لیکن مقاتل کے بیان کے مطابق یہ لوح عرش کے دائیں جانب ہے۔

باب ۲

ارض وسماوات کی تخلیق اوران کی درمیانی اشیاء کاذکر بلحاظ تاریخ وبحوالہ نصوص قرآنی واحادیث وتفاسیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشادفرمایا: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ﴾ ان آیاتِ قرآنی کی تفسیر میں مفسرین میں باہم اختلافی آراء پائی جاتی ہیں یعنی اس بارے میں کہ آیا ان چھ دنوں کی مقدار کیا ہے لیکن جمہور نے ان آیاتِ قرآنی کواسی طرح تسلیم کیا ہے جس طرح وہ نازل ہوئی ہیں اوران چھ دنوں کوبھی وہی دن سمجھا جو ہماری اس دنیا میں ہوتے ہیں لیکن ابن عباس، مجاہد وضحاک اوروہب الاحبار کہتے ہیں کہ ان میں سے ہردن کی طوالت ہمارے ہزارسال کی طوالت کے برابر ہے۔ یہی روایت ابن حاتم اورابن جریر کی ہے اوراسی کوامام احمدؒ نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے جس میں انہوں نے فرقہ جہمیہ کے دعاوی کی تردید کی ہے اوردوسرے بہت سے متاخرین نے بھی وہی تسلیم کیا ہے جوابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بتایا ہے۔ واللہ اعلم ہم اس موضوع پرآگے چل کران شاء اللہ مدلل گفتگوکریں گے۔ ویسے ابن جریر نے ضحاک بن مزاہم وغیرہ کے حوالے سے ان چھ دنوں کے نام ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص اورقرشت بتائے ہیں۔ ابن جریر نے ان چھ ایام کے ابتدائی تین دنوں کے بارے میں تین اقوال پیش کیے ہیں اورمحمد بن اسحٰق کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اہل توریت کے بقول سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ابتداء یوم الاحد یعنی اتوار سے کی لیکن اہل انجیل (نصرانی) کے بقول ابتدائے تخلیق اللہ تعالیٰ نے پیر کے روز سے کی اورہم مسلمان جیسا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادگرامی سے معلوم ہواتخلیق کائنات کی ابتداسنیچر کے دن سے بتاتے ہیں۔ یہی قول ابن اسحاق نے متعددمسلم فقہاء وعلمائے دین کے حوالے سے پیش کیا ہے جن میں شافعی لوگ بھی شامل ہیں۔ بہرحال ہم اس بارے میں حدیث نبوی پرمبنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت خلق اللّٰہ تربة یوم السبت اوراس کے علاوہ عنقریب وہ اقوال بھی پیش کریں گے جن میں ابتدائے تخلیق کائنات اتوار کے دن سے بتائی گئی ہے۔ ان اقوال کے راویوں میں ابن جریر ہیں جنہوں نے یہ اقوال السدی اورابی مالک کے حوالے سے پیش کیے ہیں۔ ان دوحضرات کے علاوہ ابن جریر نے ابی صالح، ابن عباس، مرہ، ابن مسعوداور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے حوالے دیئے ہیں نیز انہوں نے ان میں عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت کوبھی شامل کیا ہے۔ چونکہ یہی دن توریت میں آیا ہے اس لیے اکثر علمائے اسلام نے بھی اس سلسلے میں یوم الاحد یعنی اتوار کے روزکوترجیح دی ہے اورتکمیل تخلیق کاآخری دن روز جمعہ کوقراردیا ہے جسے مسلمان عید کے دن کی طرح سمجھتے ہیں۔ یہ جملہ بیانات ہم آگے چل کران شاء اللہ عنقریب پیش کریں گے۔ البتہ یہاں وہ آیاتِ قرآنی پیش کررہے ہیں جن میں تخلیق کائنات کا اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے درجہ

بدرجہ ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ...... الخ﴾ ان آیات سے یہ ثابت ہوا کہ زمین آسمان سے قبل پیدا کی گئی اور تخلیق کائنات کی بنیاد ٹھہری' جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ...... الخ﴾ پھر اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا...... الخ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے ﴿اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ...... الخ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس کے زمین وآسمان کے درمیان فصل پیدا کیا اور وہاں ہوا پیدا کی اور پھر (آسمان سے) بارش برسائی اور زمین پر چشمے جاری کر دیئے نیز حیوان پیدا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: ﴿وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّ هُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ آسمان میں اللہ تعالیٰ نے ٹھہرے ہوئے ستارے' سیارے' نجوم اور دوسرے روشن اجرام سماوی پیدا کیے جو خالق ارض و سماوات کی حکمت کی بین دلیل ہیں۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ﴿وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ اس کے علاوہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے: ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا...... الخ﴾ چنانچہ بعض لوگوں نے ان آیات ربانی کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ آسمانوں کی تخلیق زمین کی تخلیق سے قبل ہوئی۔ گویا متقدمین نے اس بارے میں جو کچھ کہا وہ مندرجہ بالا دونوں آیات کی صریحی تردید کے علاوہ اس بات کا بھی صاف اظہار ہے کہ انہوں نے پہلی آیات شریفہ کے علاوہ اس آیہ قرآنی کا مفہوم بھی نہیں سمجھا۔ بایں ہمہ کہ یہ آیت صریحاً اس بات کی مقتضی ہے کہ ابتدا میں دحی ارضی اور اس سے اخراج آب کو جو آج بھی ہمیں صاف نظر آتا ہے سمجھا جائے اور یہ سب پہلے تخلیق ارضی اور اس کے بعد تخلیق سماوات کا بین ثبوت ہے اور زمین کی یہ اقدار پہلے ہی سے بالقوہ ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا﴾ یعنی پہلے زراعت' چشموں اور دریاؤں کی جگہوں کی تشکیل ہوئی اور پھر اسی کے بعد عالم کی سفلی وعلوی اشکال کی تخلیق ظہور پذیر ہوئی جب کہ خود دحی الارض اور اس سے خارج ہونے والی چیزوں یعنی غذائی اشیاء واثمار وغیرہ اور اجرائے عیون و بحار کو ہیئت مل چکی تھی جو نبت الزرع والاثمار اور زمین سے اخراج آب مرعی اور ارسائے جبال اور زمین کے بارے میں جتنی دوسری چیزوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے مثلاً ﴿وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا﴾ اس سے صاف ظاہر ہے۔ اب اس آیہ شریفہ پر پھر ایک بار غور کیجیے ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ ''بايد'' یعنی بقوت ''وَاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ'' سے صاف ظاہر ہے کہ آسمانوں کا صعود وہیں سے ہوا جہاں دوسری چیزیں اس کے نیچے تھیں اور انہی سے انہیں وسعت ملی۔ اس سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ کرسی کا مقام آسمانوں سے بلند تر ہے اور وہ باقی تمام چیزوں سے وسیع تر ہے اور یہ بھی...... کہ عرش کرسی سمیت تمام دوسری چیزوں سے عظیم تر ہے۔ اس کے بعد اس قول باری تعالیٰ پر غور کیجیے ﴿وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا﴾ جس سے مراد ''بسطناھا'' ہے اور جعلناھا مھدا یعنی ایک ساکن چیز غیر مضطرب جو تمہارے ''مائدہ'' کی طرح نہیں

ہے اور قول رب العالمین ﴿فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ﴾ ہے۔ یہاں ہر جگہ حرف ''واؤ'' سے ترتیب وقوع نہیں ہے بلکہ اس سے لغت عربی کے مطابق مطلق خبریں مراد ہے۔ واللہ اعلم

بخاریؒ فرماتے ہیں ''مجھ سے عمر بن جعفر بن غیاث'' میرے والد (یعنی راوی کے والد) اعمش اور جامع بن شداد نے صفوان بن محرز کے حوالے سے یہ بتا کر کہ صفوان بن محرز نے عمران بن حصین کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز آخر الذکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اسی وقت وہاں کچھ اور لوگ بھی آ گئے تو آپؐ نے ان کا خیر مقدم فرماتے ہوئے فرمایا: ''آؤ بنو تمیم'' اس کے بعد کچھ اہل یمن بھی آپ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کا بھی اسی طرح خیر مقدم فرمایا جس کے بعد وہ دونوں گروہ اجتماعی طور پر یوں گویا ہوئے: ''یا رسول اللہ (ﷺ) ہم آپ سے ایک بات پوچھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ **كان الله و لم يكن شيء غيره و كان عرشه على الماء و كتب في الذكر كل شئ و خلق السموات و الارض.** کی وضاحت فرما دیجیے''۔ ابھی آپ ان لوگوں کو ان کے سوال کا جواب دینے ہی والے تھے کہ کسی شخص نے باہر سے چلا کر کہا: ''اے ابن حصین! تمہارا اونٹ بھاگ گیا ہے اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اسے ٹھیک سے باندھتا''۔

بخاریؒ نے کتاب المغازی اور کتاب توحید دونوں جگہ اس روایت کے بیان میں دونوں جگہ: **ثم خلق السموات والارض.** لکھے ہیں اور نسائی نے بھی یہی الفاظ لکھے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ان سے حجاج اور ابن جریج نے بیان کیا کہ انہیں اسماعیل بن امیہ نے ایوب بن خالد' ام سلمہ کے غلام عبداللہ بن رافع نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ (ایک روز) رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین سنیچر کے روز پیدا کی' پہاڑ اتوار کے روز پیدا کیے' درخت پیر کے روز پیدا کیے' مکروہات منگل کے دن پیدا کیے' روشنی بدھ کے روز پیدا کی' چوپائے جمعرات کو پیدا کیے اور اللہ تعالیٰ کی (اس سلسلے میں) آخری تخلیق حضرت آدم علیہ السلام تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے روز آخری ساعتوں میں یعنی عصر سے لے کر رات کے درمیان جو وقت ہوتا ہے اس وقت پیدا کیا۔

یہ حدیث اسی ترتیب سے مسلم نے سریج بن یونس اور ہرون بن عبداللہ کے حوالے سے نسائی نے ہرون اور یوسف بن سعید کے حوالے سے اور محولہ بالا تینوں حضرات نے حجاج بن محمد مصیصی الاعور اور ابن جریج کے حوالے سے کم وبیش انہی الفاظ میں بیان کی ہے۔

نسائی نے اپنی تفسیر میں ابراہیم بن یعقوب جوز جانی' محمد ابن صباح' ابی عبید الحداد' اخضر بن عجلان' ابن جریج' عطاء بن ابی رباح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ (ایک روز) آنحضرت ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: اے ابو ہریرہؓ! اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سات دن میں پیدا کیا جس کے بعد وہ عرش پر ساتویں روز متمکن ہوا اور اس نے مٹی سنیچر کے روز پیدا کی''۔ اس کے بعد باقی جملہ باتیں اس حدیث کو نسائی نے اپنی تفسیر میں اسی ترتیب سے بیان کیا ہے جیسے پہلے مسلم کی روایت کردہ حدیث میں بیان ہو چکی ہے' تاہم اس حدیث کے راویوں

میں ابن جریج کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہرحال اس حدیث کو علی بن مدینی‘ بخاری‘ بیہقی اور حفاظ میں کچھ دوسرے حضرات کے علاوہ بخاری نے کتابِ تاریخ میں درج کیا ہے اوران میں سے بعض نے کعب کا حوالہ بھی دیا ہے جو صحیح ترین ہے کیونکہ کعب احبار اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں عموماً ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے چنانچہ جو حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی وہ یقیناً کعب احبار نے بھی سنی ہوگی‘ اس لیے کعب احبار کا حوالہ اس کی یقینی صحت پر دلالت کرتا ہے اور اگر کعب نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہوگی تو انہوں نے یقیناً اس کی تصدیق آنحضرت ﷺ سے ضرور کی ہوگی لیکن اگر کعب نے اسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تحریروں سے نقل کیا ہے تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ کہ ''آنحضرت ﷺ نے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: ایک عجیب بات ہے اس لیے اس حدیث کو ''احادیث مرفوع'' میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کے پورے متن میں شدید غرابت پائی جاتی ہے‘ کیونکہ اس میں تخلیق کائنات کے ساتھ ساتھ دن کا ذکر بھی ہے جو صریحاً اس آیۂ قرآنی سے متضاد ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ زمین چار دن میں پیدا کی گئی‘ پھر آسمان دو دن میں پیدا کیے گئے اور وہ آسمان دھوئیں سے پیدا کیے گئے جو پانی کے بخارات ہی ہو سکتے ہیں جو پانی کے اضطراب سے پیدا ہوتے ہیں اور باقی کا یہ اضطراب یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت بالغہ کے ذریعہ زمین کی حدت سے پیدا ہوگا جیسا کہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی الکبیر نے ابی مالک‘ ابی صالح‘ ابن عباس‘ مرہ ہمدانی‘ ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور ضمناً آیاتِ قرآنی ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ...... الخ﴾ کا حوالہ دیتے ہوئے تشریحاً بتایا ہے کہ حوت (مچھلی) پانی میں ہوتی ہے اور پانی صفات پر اور صفات ملک کی پشت پر اور ملک چٹانوں پر اور چٹانیں (منجمد) ہوا پر تھے اور صخرہ (چٹان) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ آسمانوں کے ساتھ لپیٹی گئی تھی نہ کہ زمین کے ساتھ پس جب حوت (مچھلی) حرکت میں آئی اور زمین متحرک ہوئی تو اسے پہاڑوں سے روکا گیا جس کے بعد وہ ٹھہر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور ان میں جو منافع بخش اشیاء ہیں ان سب کو منگل کے روز پیدا کیا‘ پھر اس نے بدھ کے دن پانی‘ مدائن‘ آبادیاں‘ خرابے وغیرہ پیدا کیے‘ پھر اس نے آسمانوں کو جو ایک ساتھ جڑے ہوئے تھے الگ الگ کر کے سات آسمان جو جمعرات اور جمعہ کو بنائے گئے۔ روز جمعہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس روز زمین وآسمان کی تمام مخلوقات ایک جگہ جمع ہوئیں اور انہیں ان کے جملہ امور تفویض کیے گئے۔

اس کے راوی نے مذکورہ حوالوں سے بیان کیا کہ آسمانوں کے ساتھ ہی ملائکہ‘ بحور‘ جبال جو یخ تھے پیدا کیے۔ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ ان کے علاوہ باقی تخلیقاتِ عالم کا اسے علم نہیں اور انہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو کواکب سے مزین کرنے کے علاوہ ان کے ذریعہ شیاطین کی راہ مسدود کی اور جب اللہ تعالیٰ اس حد تک تخلیق عالم سے فارغ ہوا تو عرش پر متمکن ہوا۔

یہ تمام باتیں جنہیں السدی نے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں بہت عجیب وغریب باتیں شامل ہیں جو اسرائیلی تذکروں سے لی گئی ہیں۔

جب کعب احبار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اکثر و بیشتر وہ باتیں سنائیں جو اس وقت تک اہل کتاب میں مشہور تھیں اور انہوں نے ان باتوں کو ان سے اخلاقاً سن لیا لیکن چند باتوں کے سوا جو شرع مطہر و مبین سے مطابقت رکھتی تھیں اہل اسلام سے بیان نہ فرمائیں بلکہ انہیں رد فرما دیا تاہم کعب ہی کے ذریعہ وہ اہل اسلام میں بھی مشہور ہو گئیں اور ان کا ذکر آج تک چلا آتا ہے حالانکہ اسرائیلیات میں اکثر و بیشتر غلط باتیں راہ پا گئی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ امارت میں کعب احبار کی سنائی ہوئی باتوں کو ''پچھلے اہل کتاب میں غلط طور پر مشہور پائیں'' کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان میں سے ہم نے جو باتیں یہاں بیان کی ہیں ان میں اور اسلام میں قبول کردہ باتوں میں مطابقت پائی جاتی ہے چونکہ اسلام میں ان اذکار کا دارومدار قرآن و احادیث نبوی پر ہے۔

اب ہم ان باتوں کا ذکر کریں گے جو آئمہ کرام نے متقدمین کے حوالے سے بیان کی ہیں' تاہم ہم نے اس جملہ مواد کی تحقیق' احادیث صحیح سے کر لی ہے۔ **وما توفیقنا الا باللہ۔**

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے قتیبہ اور مغیرہ بن عبدالرحمٰن قرشی نے ابی زناد' اعرج کے حوالے سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ حدیث نبوی بیان کی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تخلیق عالم تمام ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کتاب (لوحِ محفوظ) میں جو اس کے عرش کے قریب تھی لکھوایا: ''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''۔

یہ روایت (حدیث) مسلم اور نسائی نے قتیبہ کے حوالے سے پیش کی جسے بعد میں بخاری نے اپنے ہاں درج کیا ہے۔

باب۳
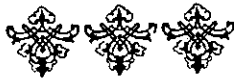
زمین کے سات طبقات کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾

بخاری فرماتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ کی وضاحت کے سلسلے میں ہم سے علی بن عبداللہ نے علی بن مبارک کے حوالے سے بیان کیا کہ ان سے یحییٰ بن ابی کثیرؒ نے محمد بن حارث' ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن کے حوالے سے بیان کیا کہ آخرالذکر اور دوسرے لوگوں کے درمیان زمین کی خصوصیات کے بارے میں جھگڑا رہتا تھا جو دشمنی کی حد تک جا پہنچا تھا اور ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: ''اے ابی سلمہ! زمین کے بارے میں جھگڑنے سے اجتناب کرو کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو بھی زمین کے سات طبقات کے بارے میں یعنی ان کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے متعلق جھگڑے کا فریق بنے گا قیامت کے روز بطور سزا ساتوں زمینوں کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا''۔ (ترجمہ مفہومی وتشریحی)

بخاریؒ نے اس حدیث مبارکہ کو کتاب المظالم کے تحت بھی درج کیا ہے اور مسلمؒ نے اسے اسی طرح یحییٰ بن کثیرؒ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ امام احمدؒ نے اسے محمد بن ابراہیم کی زبانی ابی سلمہ نیز یونس' ابان' یحییٰ بن ابی کثیر' ابی سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے اپنی مسند میں لکھا ہے۔

بخاریؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے بشر بن محمد نے بیان کیا کہ آخرالذکر سے عبداللہ بن موسیٰ بن عقبہ' سالم اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخرالذکر سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص زمین کے اس حصے پر جو کسی دوسرے کا حق ہو غاصبانہ قبضہ کرے گا زمین کا وہی حصہ قیامت کے روز زمین کے ساتویں طبقات بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا''۔

بخاریؒ نے کتاب المظالم میں مسلم بن ابراہیم' عبداللہ یعنی ابن مبارک کے حوالے سے بھی یہ حدیث پیش کر کے اسے مذکورہ بالا طور سے درج کیا ہے نیز محمد بن سیرین کی زبانی عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد کے حوالے سے یہ حدیث بھی پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''زمین اپنی فطری ہیئت میں تخلیق سماوات کے دن زمانی اعتبار سے بارہ مہینے کے عرصے میں تخلیق کی گئی''۔ آنحضرت ﷺ کی مراد یہاں واللہ اعلم (شاید) ارشاد باری تعالیٰ ﴿ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ ﴾ سے ہوگی یعنی عددی لحاظ سے زمین و آسمان دونوں بارہ بارہ مہینوں میں پیدا کیے گئے جیسا کہ ہم آج کل ایک سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اس سے کلام الٰہی میں تخلیق زمین آسمان کے بارے میں زمانی و مکانی مطابقت پائی جاتی ہے۔

بخاریؒ ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان سے عبید بن اسماعیل اور ابواسامہ نے ہشام اور ان کے والد' سعید بن زید بن عمرو

اور نفیل کے حوالے سے بیان کیا کہ جب کسی نے اروی یعنی بنت ابی اوس کی کچھ زمین کسی اور کو زبردستی دے دی اور اس میں بنت ابی اوس کا اشارہ دینے والے کے لیے مروان کی طرف تھا تو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق زمین سے ذرا سا بھی مارے گا تو وہ سات زمینیں بنا کر قیامت کے روز اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا''۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے حسن نے اور ابو سعید یعنی بنی ہاشم کے غلام عبداللہ بن لہیعہ اور عبداللہ ابن ابی جعفر نے ابی عبدالرحمٰن اور ابن مسعود کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کے بقول انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑا ظلم کون سا ہے؟'' تو آپ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کا اپنے بھائی یعنی کسی دوسرے مسلمان کی ایک گز زمین پر بھی غاصبانہ قبضہ کرنا اور (اس کی سزا میں) زمین کا وہی حصہ قعر ارضی تک قیامت کے دن اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا''۔ اور آپ نے (اس کے بعد) یہ بھی فرمایا کہ ''قعر ارضی کو وہی جانتا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے''۔ یعنی خود اللہ تعالیٰ۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں جو اسناد پیش کی گئی ہے ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ امام احمد نے بیان کیا کہ ان سے عفان، وہیب اور سہیل نے اپنے والد اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بھی یہی حدیث انہی الفاظ میں بیان کی۔ امام احمدؒ نے یہاں اس حدیث کے بیان کی ذمہ داری مسلم سے منسوب کی ہے۔

امام احمدؒ نے اس حدیث کو مسلم کی ذمہ داری پر یحییٰ کی زبانی جنہوں نے بیان کیا کہ ان سے ان کے والد نے اور ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی نیز مسلم ہی کی ذمہ داری پر عفان اور ابو عوانہ کی زبانی عمیر بن ابی سلمہ اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے یہ حدیث اپنے ہاں پیش کی ہے۔ ان کے علاوہ امام احمدؒ نے اپنے ہاں وہ جملہ احادیث بھی متعدد ثقہ راویوں اور متعدد مستند حوالوں سے بیان کی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان راویوں سے مختلف مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ آیا وہ تخلیق کائنات کے سلسلے میں زمین و آسمان کے ہر طبقے کے درمیان خالق کائنات نے جو فصل رکھا ہے اسے جانتے ہیں اور ان کے اس جواب پر کہ اس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں' آپ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کے ہر طبقے کا درمیانی فصل اللہ تعالیٰ نے سات سو سال کی مسافت کے برابر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس فصل کا جو سات سو سال کی مسافت کے برابر رکھا گیا ہے وہ ہمارے دنیاوی برسوں کی مسافت کے برابر ہے یا وہ فصل ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے یا وہ فصل ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ عز اسمہ' کے علاوہ اس کا رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم جانتا ہے۔

اس سے قبل عرش کی صفات کے سلسلے میں احادیث او عال کے تحت جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے یعنی یہ کہ عرش ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور آسمان کا درمیانی فصل پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے نیز جیسا کہ متکلمین نے بیان کیا ہے اور اس میں ارشادِ باری تعالیٰ کے علاوہ حدیث نبویؐ کے الفاظ (طوقه من سبع ارضين) کا حوالہ دیا ہے زمین کے بھی سات طبقات ہیں اور اس کے سات طبقات سے مراد سات اقالیم ہیں لیکن یہ بیان بین طور پر آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کے جو دیگر مستند حوالوں کے علاوہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی صحیح طور پر بیان کی گئی ہیں خلاف ہے اور اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ واللہ اعلم ویسے جو احادیث پہلے بیان کی گئی ہیں اور ان میں زمین کے سات طبقات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد کہ اس کے سات طبقات ہیں وہ مستند راویوں کے حوالوں سے پیش کی گئی ہیں نیز ان میں آسمانوں کے درمیانی فصل کے علاوہ زمین کے مختلف طبقات کے درمیانی فصل کا بھی ذکر آ چکا ہے۔

اس کے علاوہ اہل کتاب اور ہمارے دینی علماء نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ زمین کا اوپری طبقہ یعنی اس کی سطح مٹی کی ہے' اس کے نیچے دوسرا طبقہ لوہے پر مشتمل ہے اور تیسرا طبقہ حجریات پر وغیرہ وغیرہ تو اس کے کوئی شواہد موجود ہیں نہ ان کے بارے میں انبیاء علیہم السلام کا حوالہ دیا گیا ہے اس لیے ان بیانات کی ذمہ داری خود ان کے بیان کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے۔ ویسے ان بیانات کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے راوی بیہقی ہیں جنہوں نے انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پیش کیا ہے اور خود ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں یقیناً اسرائیلات سے اخذ کر کے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یزید اور عوام بن حوشب نے سلیمان بن ابی سلیمان اور انس بن مالکؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی تو اس کے استقرار کے لیے پہاڑ تخلیق فرمائے اور فرشتے پہاڑوں کی تخلیق پر بہت حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: ''اے ہمارے رب! کیا تو نے پہاڑوں سے بھی سخت کوئی چیز پیدا کی ہے؟'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''ہاں لوہا'' اس کے بعد فرشتوں نے پوچھا: ''یا رب! کیا تو نے لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز پیدا فرمائی ہے؟'' تو جواب ملا: ''ہاں' آگ'' اور جب فرشتوں نے پوچھا: ''اور آگ سے زیادہ شدید کوئی چیز؟'' تو جواب ملا: ''ہوا'' اس کے بعد جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: ''اور ہوا سے زیادہ بھی کوئی اور شدید چیز؟'' تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں ہوا سے زیادہ شدید انسان ہے جو اپنے دائیں جانب کی چیزوں کی تصدیق کرتا ہے لیکن بائیں جانب کی چیزوں سے نگاہ چراتا ہے یا انہیں مخفی رکھتا ہے'' اس حدیث کو امام احمدؒ نے خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔

ہیئت دانوں نے زمین پر پہاڑوں کی تعداد شرقاً غرباً ان میں سے ہر ایک کی وسعت وطوالت اور بلندی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا یہاں بیان طوالت کلام کا باعث ہوگا۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے رنگ سفید' سرخ اور سیاہ وغیرہ فرمائے ہیں اور یہ بات روئے زمین پر پہاڑوں کو دیکھنے سے بغیر دلیل ثابت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خاص طور پر جودی پہاڑ کا ذکر فرمایا ہے اور اس کی جگہ کا تعین بھی کیا ہے۔ یہ عظیم پہاڑ جزیرۂ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مشرق میں دریائے دجلہ کی سمت واقع ہے۔ موصل کی طرف اس کے حدود شمال سے جنوب کی جانب تین دن کی مسافت پر ہیں اور اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لیے نصف دن درکار ہوتا ہے۔ یہ ایک سرسبز وشاداب پہاڑ ہے کیونکہ اس پر بلوط کے درخت کثرت سے ہیں جو اس بستی تک پھیلے ہوئے ہیں جسے آج کل ''قریۃ الثمانین'' کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس بستی میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں نجات پانے والے لوگوں کی نسل کے لوگ آباد ہیں اور اس کا ذکر متعدد مفسرین نے بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم
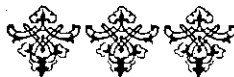
فصل:1

سمندر اور دریا:

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنے کلام پاک میں درج ذیل آیات شریفہ میں سمندروں اور دریاؤں کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ تم ان سے کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ ایسی چیزیں بھی حاصل کرتے ہو جن سے تم اپنے لباس بناتے ہو جو سمندروں میں کشتیوں کے ذریعہ سفر کرتے ہو اور آسمان کے ستاروں سے راستے کی صحیح سمت معلوم کرتے ہو وغیرہ وغیرہ جن کا تم شمار نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں سے جو نعمتیں انسانوں کو عطا فرمائی ہیں ان کا بھی ان آیات شریفہ میں ذکر فرمایا مثلاً:

① ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوْا مِنْهُ ...... الخ ﴾

② ﴿ وَمَا يَسْتَوِی الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ ...... الخ ﴾

③ ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ﴾

بحرین سے مراد سمندر اور دریا ہیں کہ سمندر کا پانی نمکین اور بعض جگہ کڑوا ہوتا ہے لیکن ان سے بھی خوراک (مچھلیاں وغیرہ) حاصل ہوتی ہیں نیز وہاں سے ایسی اشیاء اور جانور وغیرہ بھی حاصل ہوتے ہیں جن سے انسان لباس بناتا ہے لیکن دریا کا پانی میٹھا ہوتا ہے اور دریا سے بھی جو شہروں کے قریب یا ان کے درمیان بہتے ہیں۔ خوراک کے علاوہ لاتعداد فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً ان سے زراعت وغیرہ ہوتی ہے۔ ان تخلیقات کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لیے عطا فرمائی ہیں تاکہ تم اس کا ذکر کرتے اور اس کا شکر بجالاتے رہو۔ یہ تشریحات ابن جریج کے علاوہ متعدد ائمہ اسلام نے کی ہیں ان آیات کے علاوہ درج ذیل دوسری آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس کے لیے فوائد ہی فوائد کا ذریعہ ہیں مثلاً: ① ﴿وَ مِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ ...... الخ ﴾ ② ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ ...... الخ ﴾ ③ ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ ...... الخ ﴾ آپؐ نے یہ ارشاد فرما کر کہ هو الطهور ماؤه الحل ميتته. ان آیاتِ شریفہ کی جامعیت بیان فرمادی۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جیسا کہ ان آیاتِ شریفہ سے ظاہر ہے دریاؤں کے پانی کو صاف اور میٹھا بنایا اور ان کے منابع زمین میں رکھے اور ان کے پانی کو ان کی آخری حد تک پھیلایا اور بہایا اور انسان کو ان کے پانی کو حسب منشاء پینے اور استعمال کرنے کا اختیار دیا اور اسے انسان کے رزق کا ذریعہ بنایا جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور انسان پر اس کے رحم وکرم کا اظہار ہوتا ہے نیز اس سے اس کی حکمت کے علاوہ اس کا قابل بالاختیار ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴾ کے بارے میں مفسرین نے دو باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد وہ بحر ہے جو عرش کے نیچے ہے اور جس کا ذکر حدیث اوعال میں آیا ہے یعنی وہ سات آسمانوں کے اوپر نیچے اور ایک آسمان سے دوسرے

آسمان کے درمیان بھی ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ وہاں سے زمین پر بارش ہوتی ہے جن کا ذریعہ بادل ہیں اور اس بارش سے زمین مردہ ہونے کے بعد پھر زندہ یعنی زراعت و نباتات کے لیے دوبارہ قابل نشوونما بنا دی جاتی ہے۔ یہ قول ربیع بن انس کا اختیار کردہ ہے جب کہ اس کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ تمام سمندر زمین ہی پر ہیں اور یہی قول متفق علیہ ہے۔

''بحر مسجور'' کے بارے میں جو مفسرین نے مختلف تفاسیر پیش کی ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ وہ بحر ''مملو'' ہے۔ دوسری یہ کہ وہ ''سیر'' ہے آگ کی طرح اور قیامت تک اسی طرح رہے گا اور اپنے اہل موقف کا احاطہ کرتا رہے گا جیسا کہ ہم نے اپنی تفسیر میں علی، ابن عباس، سعید بن جبیر اور ابن مجاہد وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مفسرین نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ بحر ''ممنوع، مکفوف'' اور ''محروس'' ہے کہ جب اس میں طغیانی آتی ہے تو زمین میں زلزلہ آ جاتا ہے اور زمین پر جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی متزلزل ہو جاتا ہے۔ یہ روایت والبی کی ہے جسے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے السدی وغیرہ کی زبانی بیان کیا ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمدؒ نے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان سے یزید، عوام اور ان کے شیخ نے بیان کیا کہ یہ بحر (سمندر) اپنے سواحل سے مربوط ہے۔ اس سلسلے میں ان کے شیخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ بھی بتایا کہ رات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اس سمندر میں تین بار مدوجزر کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے ایک نعمت ہے کہ سمندر میں مدوجزر اور کف پیدا ہوتا ہے اور سمندر کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مال تجارت کے نقل و حمل کا ذریعہ بنایا ہے، اس میں اس کی خوراک کے لیے مچھلیوں کے علاوہ دوسرے کئی ایسے جانور بھی ہیں کہ اگر وہ مردہ نہ ہوں تو ان کا کھلانا حلال ہے نیز سمندر میں اللہ تعالیٰ نے ایسے بیش بہا موتی اور جواہرات پیدا کر دیئے ہیں جو کہیں اور سے انسان کو دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اور اسی میں سے انسان مچھلیوں وغیرہ کا شکار بھی کرتا ہے۔ یہ روایت امام احمدؒ اور ابن ماجہ کی بھی ہے لیکن ان کے اسناد محل نظر ہیں۔

حافظ ابوبکر بزار نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ ان کی نظر سے ایک کتاب گزری جس میں معاویہ بغدادی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ان سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر نے سہیل بن ابی صالح، ان کے والد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شرقی و غربی دو سمندر تخلیق فرمائے ہیں جن میں سے ایک میں اس نے اپنے بندوں کے لیے خوراک وغیرہ کا سامان مہیا کر رکھا ہے اور دوسرے کو بحر مردار قرار دیا ہے جسے بار بار غرق کیا گیا ہے اور پھر ابھارا گیا ہے۔ ویسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اور کچھ نہیں کہا۔

اس سلسلے میں جو حدیث سہیل سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے کے علاوہ مروی ہے اسے حدیث منکر بتایا گیا ہے جب کہ خود سہیل کو بھی اس کی صحت سے انکار ہے۔

اس بارے میں سہیل نے عبدالرحمٰن بن ابی عیاش اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی صحت کو انہی راویوں کی اسناد پر موقوف بتاتے ہوئے کہا ہے کہ آخر الذکر کا بیان جو عبداللہ بن عمرو بن عاص کے بیان پر موقوف ہے یہ ہے کہ آخر الذکر نے جنگ یرموک کے موقع پر وہاں ان دو قوموں کے پاس جو اس مقام پر ملی جلی رہتی تھیں ایک کتاب دیکھی جن میں مخلوق خداوندی میں بے شمار اشیاء کا ذکر تھا جن کا اسرائیلات میں ذکر پایا جاتا ہے اور جن میں سے بہت سی اب تک معروف و مشہور چلی آتی ہیں، اور باقی کو منکر و مردود ٹھہرا دیا گیا ہے۔ ان میں سے جو معروف ہیں انہیں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمرو بن حفص بن

عاصم بن عمر بن خطابؓ نے روایت کے لیے چن لیا ہے' لیکن اس کے ساتھ مدینے کے قاضی ابوالقاسم مدنی کے بارے میں کہا ہے کہ ان باتوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو انہوں نے قاضی مذکور کی زبانی نہ سنی ہو بلکہ اور بے شمار باتیں بھی سنیں لیکن چونکہ قاضی مذکور روایت احادیث کے بارے میں ثقہ نہیں سمجھے جاتے اس لیے باقی تمام باتوں کو جو انہوں نے بتائیں رد کر دیا گیا اس طرح ان تمام باتوں کو جو اسرائیلیات میں موجود ہیں ابن معین' ابوزرعہ' ابوحاتم' جوزجانی' بخاری' ابوداؤد اور نسائی نے ضعیف اور خلافِ واقعہ بتا کر رد کر دیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اسرائیلیات میں مذکور قریباً تمام باتیں احادیث منا کیر ہیں جن میں حدیث بحر بھی شامل ہے جسے ابن عدی نے ضعیف ترین بتایا ہے۔

علمائے تفسیر اور متکلمین نے زمین کے طول وعرض' سمندروں' دریاؤں' پہاڑوں' جنگلوں' صحراؤں' ویرانوں' شہروں' ان کی عمارات' اقالیم سبعہ یعنی سات اقالیم جو درحقیقت ان کی اپنی اصطلاح ہے' متعدد مشہور ممالک' شہروں اور دیگر مقامات کے بلحاظ آب و ہوا خواص' وہاں کی نباتات اور جمادات جن میں جواہرات وغیرہ کی کانیں بھی شامل ہیں نیز جو تجارتی اشیاء جو وہاں دستیاب ہیں سب کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ زمین کا چوتھائی حصہ سمندری سیلابوں سے تباہ ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے باقی کو اپنے بندوں کی زندگی اور ان کی گزراوقات کے لیے باقی رکھا ہے جہاں حیوانات پرورش پاتے ہیں' زراعت ہوتی ہے اور وہاں کے باغوں میں تازہ پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُوالْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾

کہا جاتا ہے کہ ابتدا سے زمین تین حصوں میں منقسم تھی اور ان کے ۶۵ درجات تھے' جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے آسائش اور ان کی گزر بسر کے لیے سمندروں کو وہاں سے الگ رکھا۔ اس نے سمندروں کو بھی تقسیم فرمایا' ان میں سے بحر غربی کو اوقیانوس کہا جاتا ہے۔ جہاں مغربی ممالک اِدھر اُدھر آباد ہیں اور ان کے درمیان کافی فصل ہیں اس سمندر میں جزائر بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس سمندر میں کشتی رانی یا جہازرانی قریباً ابھی تک ناممکن سمجھی جاتی ہے اور اسی لیے اسے اموال تجارت کے حمل ونقل کا ذریعہ بھی نہ بنایا جا سکا کیونکہ یہ سمندر اکثر طوفانی رہتا ہے اور اس میں سر بفلک موجیں اُٹھتی رہتی ہیں اور تیز وتند ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ چنانچہ وہاں شکار بھی ناممکن ہے۔ البتہ اس کے جنوب میں ''جبال القمر'' ہیں' جو دریائے نیل کا منبع کہلاتے ہیں اور اس کے قریب خط استوا ہے۔ یہ سمندر شرقی جانب زمین کے جنوبی حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہاں آج کل ''جزائر الزانج'' کے نام سے کچھ جزائر مشہور ہیں۔ لیکن اس کے ساحلی علاقے ویران ہیں۔ یہ سمندر شرقاً وشمالاً پھیلتا ہوا بحر چین اور بحر ہند سے جاملا ہے تاہم مشرقی جانب زمین کی حدود تک پھیلتا چلا گیا ہے۔

سمندر جو آج کل بلاد چین تک پھیلتا چلا گیا ہے وہی چین کی مشرقی جانب بڑھ کر شمال کی طرف مڑ گیا ہے جہاں وہ دیوار آجاتی ہے جسے ''یاجوج ماجوج کی دیوار'' (دیوار چین) کہتے ہیں۔ پھر یہی سمندر نامعلوم مقامات تک چلا گیا ہے لیکن اس کے مغربی اور شمالی جانب روسی شہر ہیں' پھر مغربی اور جنوبی اطراف میں بڑھ کر جب مغربی سمت میں پھیلا ہے تو اس زمین کے حصے تک چلا گیا ہے جو ارض زقاق کہلاتی ہے جس کے مغرب میں شام کے علاقے آجاتے ہیں اور پھر یہی سمندر ارض روم کی طرف بڑھ کر

رومی شہروں قسطنطنیہ وغیرہ سے جاملا ہے۔مشرقی سمندروں میں جزائر کثرت سے پائے جاتے ہیں اور بحر ہند تک اس میں سات سو جزیرے آباد ہیں اور باقی ویران پڑے ہیں۔اس سمندر کو''بحر اخضر'' کہا جاتا ہے جس کے مشرق میں''بحر چین'' مغرب میں بحرین اور شمال میں بحر ہند ہے مگر اس کے جنوب کے علاقے اب تک نامعلوم و نامعروف ہیں۔

بتایا گیا ہے کہ بحر ہند اور بحر چین کے درمیانی فاصلے میں پہاڑ بھی واقع ہیں لیکن ان کی تنگنائے سے گزرتے ہوئے ہند و چین کے درمیان تجارتی اموال کی حمل ونقل ہوتی ہے۔جس طرح زمین پر ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَبِكُمْ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾

بطلیموس نے ہندوستان کے ایک بادشاہ کا ذکر اپنی کتاب''مجسطی'' میں کیا ہے۔اس کتاب کا عربی ترجمہ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانے میں ہوا تھا۔بطلیموس نے ہندوستان کے جس بادشاہ کا ذکر اپنی مذکورہ بالا کتاب میں کیا ہے اسی سے تمام دنیا کے سمندروں کی جغرافیائی معلومات اور ان کی تعداد کو منسوب کیا ہے۔بطلیموس نے اسی ہندی بادشاہ کے حوالے سے بتایا ہے کہ درحقیقت سمندر تو ایک ہی ہے لیکن وہ مڑ مڑ کر جہاں جہاں تک انقلاب ارضی کی بناء پر پھیلا ہے لوگوں نے ان علاقوں کے لحاظ سے اس کے نام رکھ لیے ہیں جیسے بحر ہند' بحر قلزم' بحر روم' بحر فارس' بحر اوقیانوس' بحر جاپان' بحر طبرستان وغیرہ وغیرہ اور انہیں سمندروں نے اپنی اکثر ساحلی بستیوں کے نام ونشان مٹا کر رکھ دیے ہیں۔

ہیئت دان کہتے ہیں کہ اس واحد سمندر کو بحر محیط ہر کہا جاتا ہے جس کی شکل اپنے طول کو ظاہر کرتی ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مثلث شکل کا تھا جو الگ الگ ناموں سے پکارا جانے لگا لیکن وہ اپنی جگہ ہنوز منفرد ہی ہے۔اس کا طول آٹھ سو میل اور عرض چھ سو میل بتایا جاتا ہے اور اس کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔واللہ اعلم

یہی وہ سمندر ہے جس میں زیادہ تر بصرے کے قریب مد و جزر زیادہ ہوتا ہے۔جس کی مثالیں بلادِ مغرب میں بھی ملتی ہیں۔یہاں آغاز ماہ سے چودھویں رات تک سمندر۔چڑھتا ہے جسے''مد'' کہتے ہیں۔اس کے بعد گھٹنا شروع ہوتا ہے اور مہینے کی آخری تاریخ تک گھٹتا رہتا ہے جس کو''جزر'' کہا جاتا ہے۔

مؤرخین نے سمندر کی حدود اور اس کی امتداد انتہا بتا کر زمین پر بحیروں اور جملہ دریاؤں کی تعداد اور ان کے کوائف بتائے ہیں۔انہوں نے دنیا کے بڑے بڑے دریاؤں کے نام بھی بتائے ہیں اور ان کے منابع ومخارج کا ذکر بھی کیا ہے لیکن ہم صرف ان کا ذکر کریں گے جن کا مآخذ حدیث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ......الخ ﴾

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) قتادہ کی روایت انس بن مالک اور مالک بن صعصعہ کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔آخر الذکر نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ''اس کی جڑ سے دو دریا پوشیدہ طور پر اور دو دریا ظاہری طور پر نکلتے ہیں' جو دو دریا پوشیدہ طور پر سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلتے ہیں وہ جنت میں بہتے ہیں اور جو دوسرے دو دریا ظاہری طور پر نکلتے ہیں وہ نیل وفرات کی شکل میں زمین پر بہتے ہیں''۔ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے پتہ چلتا ہے

جنت میں بہنے والے دریاؤں کی شکل وصورت اور کیفیات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابن نمیر اور یزید نے بیان کیا اور محمد بن عمرو نے ابی سلمہ اور ابو ہریرہؓ، کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت سے جاری ہونے والے چار دریا نیل' فرات' سیحون وجیحون ہیں۔ یہ اسناد صحیح ہیں جنہیں مسلم نے بھی اپنے طور پر صحیح تسلیم کیا ہے۔ غالباً واللہ اعلم مذکورہ بالا چار دریاؤں کو آنحضرت ﷺ کا جنت کے دریا فرمانا ان کے صاف وشفاف اور میٹھے پانی کی اور ان کی روانی کی وجہ سے ہوگا جیسا کہ ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے دریاؤں کا پانی زہر سے شفا کا باعث ہے۔ اس حدیث نبوی ﷺ کو سعید بن عامر نے محمد بن عمرو ابی سلمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا اور اسے ترمذی نے روایت کیا ہے جس کی صحت کی سند مسلم نے بھی دی ہے۔ تاہم اس حدیث سے درحقیقت یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے کچھ پھلوں کو جنت کے پھلوں سے تشبیہ دی اس طرح مذکورہ بالا چاروں دریاؤں کو بھی جنت کے دریاؤں سے تشبیہ دی حالانکہ یہ چاروں دریا زمین پر بہتے ہیں اور ان کے متابع بھی زمین ہی کے حصے ہیں۔ اسی طرح آپؐ نے گرمی کی شدت کو جہنم کی گرمی سے تشبیہ دی اور ارشاد فرمایا کہ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔ جب کہ زمین پر پڑنے والی وہ شدت کی گرمی بھی درحقیقت جہنم کی گرمی یا اس کی آگ نہ تھی۔

جہاں تک دریائے نیل کا تعلق ہے وہ جبال القمر (سفید پہاڑوں) سے نکل کر از اوّل تا آخر اپنے پانی کے شیریں ہونے اور صفائی میں دنیا کے دوسرے دریاؤں میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ یہ دریا زمین کے مغربی حصے میں خط استوا سے ذرا ادھر جنوب کی طرف ہو کر بہتا ہے اور اس کا مشاہدہ کرنے والا ہر شخص اس کے مذکورہ بالا اوصاف میں آج تک رطب اللسان ہے۔ اسے دریاؤں کا ستارہ بھی کہا جاتا ہے۔ جبال القمر سے نکلنے کے بعد اس میں پانچ دوسرے چھوٹے دریا شامل ہو کر بہتے ہوئے سمندر میں جا گرتے ہیں اور وہاں سے یہ چھ دریا ہو کر پھیلتا ہوا سوڈان سے گزرتا ہے اور وہیں اسے دریائے نیل کا نام دیا جاتا ہے۔ جو اصلاً دریائے احمر تھا۔ یہ دریا حبشہ سے گزر کر جب آگے بڑھتا ہے تو اس کے راستے میں سب سے بڑا شہر دمقلہ آتا ہے جس کے بعد یہ اسوان سے ہو کر مصری علاقے میں داخل ہوتا ہے اور حبشہ میں بھی ان تمام مقامات کو سیراب کرتا چلا آتا ہے جہاں بارشیں کم ہوتی ہیں اور لوگ پانی کی بوند بوند کو ترستے ہیں۔ یہ اپنی زرخیز مٹی سے بھی جو اس کے پانی کے بہاؤ کے ساتھ بالائی علاقوں سے آتی ہے راستے کے بہت سے علاقوں کو سرسبز وشاداب بناتی چلی آتی ہے۔ اس کا بھی یہی کرشمہ ہے جس کی مثال رب العزت نے یوں دی ہے: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ﴾

دریائے نیل مصر سے کسی قدر آگے بڑھ کر ایک بستی کے قریب جسے شطنوف کہتے ہیں دو حصوں میں بٹ جاتا ہے' پھر اس کا مغربی ٹکڑا دوبارہ دو حصوں میں بٹ کر اور رشید سے گزر کر سمندر میں جا گرتا ہے اس کا مشرقی ٹکڑا جوجر کے قریب پھر دو ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے' پھر اس کا بھی غربی حصہ مغرب میں دمیاط سے گزر کر سمندر میں جا ملتا ہے اور اس کا دوسرا شرقی حصہ بھی اشمون کی طرف سے گزرتا ہوا بحیرہ مشرقی دمیاط میں جا ملتا ہے۔ اس بحیرے کو بحیرہ دمیاط کے علاوہ بحیرہ تنیس بھی کہا جاتا ہے۔ دریائے نیل کی اتنی طویل گزرگاہوں کی وجہ سے اس کی عظمت کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں ہے اور اس کی لطافت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔

ابن سینا نے دریائے نیل کی اس خصوصیت کے علاوہ دوسرے دریاؤں کے مقابلے میں اس کے کچھ اور اوصاف بھی بیان کیے ہیں۔

یہ دریا ان دنوں میں بھی جب دوسرے دریا کم وبیش خشک ہو جاتے ہیں اپنی اسی چال سے بہتا رہتا ہے۔ تاہم جن مؤرخین اور دوسرے مصنفین نے دریائے نیل کے مخرج کو ''جبال قمر'' سے بھی کسی بلند تر جگہ بتایا ہے اور اس کی تخیلی وتصوراتی نشان دہی کی ہے وہ ان کے دماغوں کی اختراعات سے زیادہ اور خرافات سے کم نہیں ہیں۔

عبداللہ بن لہیعہ قیس بن حجاج کے حوالے سے نیز جس شخص نے قیس بن حجاج کو یہ بات بتائی اس کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عمرو بن عاص نے مصر فتح کیا تو وہاں کی نواحی بستیوں خصوصاً سب سے بڑی آبادبستی قبطیہ کے لوگوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا امیر! دریائے نیل سال کے دوران میں کچھ عرصے کے لیے خشک ہو جاتا ہے تو ہم لوگ پانی کی تلاش میں ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں اور اس دریا میں اس وقت تک دوبارہ پانی نہیں آتا جب تک ہم اس میں خوشبویات اور نفیس ترین پارچہ جات نہیں ڈالتے''۔ ان لوگوں کی یہ بات سن کر عمرو بن عاصؓ نے ان کی توہم پرستی کے بارے میں خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریری اطلاع دی۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے عمرو بن عباص رضی اللہ عنہما کو جو خط لکھا اس کے ساتھ کاغذ کا ایک اور ٹکڑا بھی رکھ دیا جس میں انہوں نے دریائے نیل کو یوں مخاطب کیا: ''اے دریائے نیل اگر تو اپنی مرضی سے بہتا اور خشک ہوتا ہے تو خیر لیکن اگر تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے بہتا ہے تو اس کی مرضی اپنے بندوں کی بھلائی کے لیے یقیناً یہ ہے کہ تو ہمیشہ بہتا رہے اور کبھی خشک نہ ہو اور میں بھی اس سے تیرے ہمیشہ جاری رہنے کی دعا کرتا ہوں''۔ راوی کا بیان یہ ہے کہ جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا انہوں نے کاغذ کا مذکورہ بالا پرچہ دریائے نیل میں جو اس زمانے میں خشک تھا ڈال دیا تو نیل میں فوراً ہی پانی آ گیا اور اس کے بعد سے آج تک پھر دریائے نیل سال کے کسی عرصے میں بھی خشک نہیں ہوا۔ راوی نے آخر میں بیان کیا کہ عمرو بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے لکھا ہوا وہ پرچہ جمعہ کا دن گزرنے کے بعد رات کے وقت دریائے نیل میں ڈالا تھا جو اس وقت خشک تھا لیکن سنیچر کی صبح اٹھ کر کیا دیکھتے ہیں کہ دریا میں ۱۶ گز تک اونچا پانی بہہ رہا ہے۔ عمرو بن عاصؓ کے بقول انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ پرچہ سیوطی کی موجودگی میں دریائے نیل میں ڈالا تھا۔

جہاں تک دریائے فرات کا تعلق ہے تو اس کا مخرج روم کے شمالی سطح مرتفع میں ہے جہاں سے نکل کر وہ پہلے ملطیہ سے گزرتا ہے اور پھر شمشاط کی طرف رخ کرتا ہے' پھر وہ بیرہ سے گزرتا ہوا مشرق کی طرف بالس' قلعہ جعبر اور رقہ سے گزرتا ہوا رحبہ کے شمال میں عانہ تک چلا جاتا ہے پھر ہیت کی طرف مڑ کر کوفہ کا رُخ کرتا ہے جہاں سے عراق کے مختلف علاقوں سے گزرتا ہے جہاں مختلف نہروں کی شکل میں بٹ جاتا ہے جن میں بہت سے چھوٹے بڑے دریا یا ندیاں شامل ہیں۔

رہا سیحان جسے سیحون بھی کہا جاتا ہے تو اس کا مخرج بھی روم میں ہے وہاں وہ شمال اور مغرب سے جنوب اور مشرق کی طرف جا نکلتا ہے جہاں اس سے تھوڑے فاصلے پر جیحان یا جیحون بھی بہتا ہے۔ یہ علاقہ جو بلاد سیس کے نام سے مشہور ہے کبھی اسلامی قلمرو میں شامل تھا لیکن مصر پر فاطمیوں کا قبضہ ہونے کے بعد جب تغفور ارمنی نے انہیں شکست دی تو یہ علاقہ تین سو میل کی حدود تک کچھ شامی علاقوں سمیت اس کے قبضہ میں چلا گیا اور اب تک اسی قوم کے قبضے میں ہے۔ دریائے قیحون بھی جس کا قدیم نام جاہان ہے روم سے نکلا ہے۔

بہرحال سیحون اور جیحون اذنہ کے قریب ایک دوسرے میں مل کر اور کچھ دور ایک ساتھ بہہ کر ایاس وطرطوس کے درمیان بحر روم میں جا گرتے ہیں۔

فصل: 2

مظاہر قدرت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ ...... الخ ﴾

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِہٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَھْجَةٍ مَّا کَانَ لَکُمْ ...... الخ ﴾

پھر ارشاد فرمایا:

﴿ ھُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ مِّنْہُ شَرَابٌ وَّ مِنْہُ شَجَرٌ فِیْہِ ...... ﴾

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان میں مظاہر قدرت کا (مختصراً) تذکرہ فرماتے ہوئے ہر آیہ شریفہ کے آخر میں نوع انسانی سے دریافت فرمایا کہ آیا ان مظاہر قدرت کو دیکھ کر جن کا وہ صبح وشام اور رات دن مشاہدہ کرتے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور شریک ہوسکتا ہے؟ اور یہ بھی فرمایا کہ ان مظاہر قدرت میں صرف ان اقوام کے لیے نشانیاں ہیں جو بطور انصاف ان پر اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی عقل اور اس کی عطا کردہ غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بنی نوع انسان کے علاوہ جملہ حیوانات کے لیے رزق بھی صرف اسی نے اتارا ہے جس کا تفصیلی ذکر اس کی روشن کتاب (قرآن) میں موجود ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیہ شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَ مُسْتَوْدَعَھَا کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴾

حافظ یعلیٰ محمد بن مثنیٰ، عبید بن واقد، محمد بن عیسیٰ بن کیسان، محمد بن منکدر، جابر اور عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخر الذکر نے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار قسم کی مخلوق پیدا فرمائی ہے جن میں سے چھ سمندر میں پائی جاتی ہیں اور چار زمین پر موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی اور ہلاک ہوتی رہتی ہیں تا آنکہ ایک روز یہ سلسلہ منقطع ہوجائے گا"۔

اس حدیث کو اگرچہ ابوعباد بصری، حاتم، عدی، الفلاس، بخاری، ابوزرعہ، دارقطنی خصوصاً ابن عدی نے عام مرسل کہہ کر ضعیف بتایا ہے اور اس کے متعلق دیگر دلائل بھی پیش کیے ہیں لیکن مندرجہ ذیل آیہ قرآنی میں اس کی صحت کا ثبوت ملتا ہے۔ واللہ اعلم

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ مَّا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ یُحْشَرُوْنَ ﴾

باب ۴

تخلیق سمٰوات اور ان میں موجودات سے متعلق

مزید آیاتِ قرآنی کا ذکر

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین آسمانوں سے قبل تخلیق فرمائی جیسا کہ مندرجہ ذیل آیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴾

زمین کی تخلیق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنے کے قابل ہے:

﴿ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِىْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِىْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ﴾

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنا چاہیے:

﴿ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بَارَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا ...... الخ ﴾

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنَاهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحَاهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحَاهَا ﴾

اس آیہ شریفہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کا پھیلاؤ آسمانوں کی تخلیق سے بعد کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ تَبَارَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَّهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ...... الخ ﴾

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَوْ كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا ﴾

ان آیات کے علاوہ تخلیق سمٰوات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جن آیاتِ شریفہ میں ذکر فرمایا وہ درج ذیل ہیں:

① ﴿ تَبَارَكَ الَّذِىْ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَّ قَمَرًا مُّنِيْرًا، وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴾

② ﴿ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ ...... الخ ﴾

③ ﴿ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴾

④ ﴿ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴾

⑤ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّ هُمْ عَنْ آيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴾

⑥ ﴿وَ آيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴾

⑦ ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾

⑧ ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

پہلی آیات اور ان آیات کے علاوہ اس موضوع پر کثرت سے قرآن شریف میں آیات آئی ہیں جن سب کی تفسیر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں کی ہے۔

ان آیات کی شان نزول آسمانوں کی تخلیق ان کی رفعت اور ان میں جو قدرتِ خداوندی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اہل بصارت و بصیرت کو ان سے آگاہ کرنا تھا۔ اس حسن تخلیق اور اس کی بے مثال قدرت کے بارے میں خود رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴾ یعنی یہ حسن تخلیق کے لحاظ سے بہترین اور عدیم النظیر تخلیق ہے اور اس میں یہ بھی اضافہ فرمایا کہ اگر کوئی اس میں کسی قسم کا نقص معلوم کرنے کے لیے مدت العمر اسے دیکھتا رہے تو اس کی بصارت چلی جائے گی لیکن وہ اس میں کسی قسم کا نقص دریافت نہیں کر سکے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت بخشی گئی ہے تاکہ اہل عالم انہیں دیکھ کر خوشی محسوس کر سکیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس میں شہابوں کی تخلیق اس لیے کی گئی کہ اگر شیاطین آسمان کی طرف آنا چاہیں تو ان کی شعاعیں اس میں مانع ہوں اور یہ بات بھی اپنی خوبی کے لحاظ سے زینت سماوات کے علاوہ اپنی جگہ بے نظیر ہے۔

بخاریؒ نے اپنی کتاب احادیث میں تخلیق کائنات کی ابتداء پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور قتادہ نے آسمان کو ستاروں سے مزین کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو تین کواکب تخلیق فرمائے ہیں وہ آسمان دنیا کی تزئین کے

علاوہ شیاطین کی عالم بالا کی طرف مزاحمت کے لیے ہیں' اگر کوئی شخص ان کے بارے میں کچھ اور کہتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ دنیا میں حوادث ان ستاروں کے زیر اثر ظہور پذیر ہوتے ہیں تو وہ سراسر غلط کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات میں سے ایک آیہ شریفہ میں آسمان اوّل کو زمین کی مستحکم چھت فرمانے کے علاوہ ستاروں سے اس کی تزئین کو جہاں اہل نظر کے حیرت واستعجاب اور مسرت کا باعث فرمایا ہے وہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کی تخلیق کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ اہل عالم بری و بحری سفر میں اپنی صحیح سمت کا پتہ لگا سکیں۔ ان باتوں کے علاوہ مفسرین نے بھی اس کی وضاحت کے سوا اور کچھ نہیں کہا اور جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا کہ جولوگ زمین پر رونما ہونے والے حادثات کو ان ستاروں کے اثرات سے منسوب کرتے ہیں وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس نے سات آسمانوں کی تخلیق میں طبقات رکھے ہیں یعنی انہیں ایک کے اوپر ایک بنایا ہے: ﴿خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا﴾ لیکن ہیئت دان کہتے ہیں کہ ان آسمانوں کے درمیان خلاء نہیں ہے جب کہ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل متعدد مستند حوالوں سے حدیث اوعال پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جب متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ جانتے ہیں کہ سات آسمانوں میں کیا ہے اور انہوں نے جواباً عرض کیا کہ اسے اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ آسمان اوّل سے پانچویں آسمان تک ہر آسمان کا درمیانی فاصلہ پانچ سو میل کی مسافت کا فاصلہ ہے اور اسی طرح پانچویں آسمان سے ساتویں آسمان تک ہر آسمان کا درمیانی فاصلہ پانچ سو میل کی مسافت کا فاصلہ ہے اور اسی طرح پانچویں آسمان سے ساتویں آسمان تک ہر آسمان کا درمیانی فاصلہ اسی قدر ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ آسمانوں کے درمیانی فاصلوں میں کثافت ہے یعنی وہاں آب و ہوا جیسی کوئی لطیف شے نہیں ہے۔

اس حدیث کو بہ تمام وکمال احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ اور ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور اسے حدیث حسن بتایا ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں انس کی روایت کردہ حدیث اسرا میں راوی نے بتایا کہ جب آپ شب معراج پہلے آسمان سے گزرے تو وہاں آپ کو حضرت آدم علیہ السلام ملے اور آپ کے دریافت فرمانے پر حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ ابوبشر ہیں۔ اس پر آپؐ نے انہیں سلام کیا اور اس کے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کا خیر مقدم کرتے ہوئے آپ کو معراج پر مبارکباد دی۔ پھر اس طرح آپ دوسرے تیسرے' چوتھے' پانچویں' چھٹے اور ساتویں آسمان سے گزرتے ہیں عالم بالا تک تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ حدیث اوعال اور حدیث اسرا آپؐ کے مشاہدات ہی پر مبنی ہیں اور مذکورہ بالا راویوں نے آسمانوں کے بارے میں آپؐ کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بھی مستند احادیث کے حوالے سے کہا ہے: واللہ اعلم

ابن حزمؒ ابن منیر اور ابوالفرج ابن جوزی نیز بہت سے دوسرے علمائے دین کا متفقہ بیان یہ ہے کہ آسمان ایک کرہ متدیر ہیں جس کے ثبوت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾ بطور دلیل پیش کیا ہے اور اس میں حسن نے ''یسبحون'' کا مطلب ''یدورون'' یعنی گھومنے والے بتایا ہے۔ ابن عباسؓ نے انہیں تکلے سے تشبیہ دی ہے جو ایک ہی دائرے میں گھوم کر ہمیشہ پہلی جگہ آتا رہتا ہے۔ دوسرے علماء نے اس کے ثبوت میں گردش آفتاب کو پیش کیا ہے جو شام کو مغرب میں غروب

ہو کر صبح کو پھر مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں امیہ ابن ابی صلت کے دو مشہور شعر بھی یاد رکھنے کے لائق ہیں۔ وہ دو شعر یہ ہیں۔

والشمس تطلع کل آخر لیلة — حمراء مطلع لونها متورد

تابی فلا تبدو لنا فی رسلها — الا معذبة والا تجلد

''یعنی ہم سورج کو مشرق سے طلوع ہوتے اور مغرب میں غروب ہوتے ہوئے تو دیکھتے ہیں لیکن بعد از غروب اس کی گردش کو نہیں دیکھ سکتے' بس اسے اگلی صبح اسی آب و تاب سے دوبارہ طلوع ہوتا ہوا دیکھتے ہیں''۔

طلوع و غروب آفتاب کے بارے میں جو حدیث نبوی (ﷺ) بخاریؒ' محمد ابن یوسف' سفیان' اعمش' ابراہیم تیمی اور ان کے والد اور ابوذر کے حوالے سے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن آپ آخر الذکر یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ جانتے ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد کہاں جاتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا:

''اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں''۔

ان سے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

''وہ (سورج) مغرب میں غروب ہو کر عرش کے نیچے چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اسے سجدہ کرتا ہے لیکن اس خیال سے کہ شاید اس کا سجدہ قبول ہوا یا نہیں بار بار اس سجدے کی تکرار کرتا رہتا ہے''۔ (ترجمہ مفہومی)

اور یہی مفہوم اس آیہ شریفہ کا ہے:

﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴾

اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کی ابتدا کے سلسلے میں بھی فرمایا ہے جس کی تفسیر مختلف تفاسیر میں موجود ہے نیز اس کا ذکر حدیث توحید میں بھی آیا ہے جس کو اعمش نے روایت کیا ہے اور اسے مسلم نے عنوان ''ایمان'' کے تحت اعمش اور یونس بن عبید کے حوالے سے اور ابوداؤد نے حکم بن عتبہ کے حوالے روایت کیا ہے لیکن ان دونوں کی روایات کا مآخذ ابراہیم بن یزید بن شریک اور ان کے والد اور ابوذر کی روایت کردہ حدیث ہے جسے ترمذی نے ''حدیث حسن'' بتایا ہے۔ ترمذیؒ کے بقول اس ''حدیث حسن'' اور اس سلسلے کی دوسری احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے ہم نے گردش افلاک کے بارے میں جو کچھ عرض کیا ہے وہ بھی بعید از قیاس یا صرف قیاسی نہیں ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے گردش افلاک کے بارے میں کچھ اور کہا ہے وہ قطعی غیر مدلل ہے۔

سورج کا مشرق سے اذن باری تعالیٰ کے بعد مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہونا جسے ہم دیکھتے ہیں اور اس کا تحت العرش سجدہ کرنا جسے ہم نہیں دیکھتے وہ بھی بعید از قیاس نہیں ہو سکتا کیونکہ سورج کا نصف النہار تک پہنچ کر مغرب کی طرف جھکتے ہوئے عرش کے نیچے سجدہ ریز ہو جانا اور اپنی گردش کی یومیہ تکمیل کے لیے اذن باری تعالیٰ کا منتظر رہنا اور پھر اس کا جاری رکھنا جسے ہم شام تک دیکھتے ہیں اور رات کے اوقات میں اس کا اپنی گردش جاری رکھنا جسے ہم نہیں دیکھ سکتے وہ سب قرآن و احادیث

سے ثابت ہے۔

جب نظام کائنات کے بارے میں جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہے متعدد آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی (ﷺ) کی رو سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ یہ سب کچھ دستِ قدرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت چل رہا ہے تو اس امر سے عقلاً بھی کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے کہ جب قرب قیامت سورج اپنی حسب معمول یومیہ گردش کو رات تک مکمل کر کے دوبارہ مشرق سے طلوع کرے گا تو اسے تادیر یہ اجازت نہ ملے گی اور جب اجازت ملے گی تو اس حکم کے ساتھ کہ وہ اب مشرق سے طلوع ہونے کے بجائے اپنے مغربی مستقر سے طلوع ہوگا اور جب سورج خلافِ معمول مغرب سے طلوع ہوگا تو اہل دنیا جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرتِ کاملہ کے منکر ہوں گے۔ خدائے تعالیٰ اور اس کی قدرت پر ایمان لانے کا دعویٰ کریں گے لیکن اس وقت ان کا یہ دعویٰ اور ان کے سابقہ اعمال کی توبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہ ہوگی۔ سورج کی گردش اور اس کا مشرق و مغرب میں بالترتیب طلوع و غروب ہمارے سامنے ہے اور اُمیہ بن صامت نے اپنے مندرجہ بالا اشعار میں اسی حد تک بات کی ہے جسے ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہی بات اللہ تعالیٰ نے آیہ شریفہ ﴿هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ میں ارشاد فرمائی یعنی رات اور دن یکے بعد دیگرے اس کے حکم کے تحت آتے جاتے رہتے ہیں لیکن ایک حد تک پہنچ کر اس کے حکم کے تحت یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا یعنی دنیا اپنے اختتام پر پہنچ جائے گی۔ یہی بات آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اذا اقبل الليل من ههنا و ادبر النهار من ههنا و غربت الشمس فقد افطر الصائم .

یعنی رات اور دن یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں اور دن کو جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو روزہ دار روزہ افطار کرتے ہیں۔ اس لیے محققین کے لیے لازم ہے کہ سورج کی گردش کے بارے میں ان بدیہی حقائق سے تجاوز نہ کریں۔

یہ جو راتیں اور دن نظام قدرت کے تحت بالترتیب اوّل ربیع سے آخر ربیع تک اور اوّل خریف سے آخر خریف تک گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں اور پھر اعتدال پر آ جاتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بندوں کی ضروریات اور ان کی سہولت کے لیے ہوتا رہتا ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں سفیان بن عیینہ کی زبانی زہری' سعید بن مسیبؒ اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''ابن آدم اپنی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے زمانے کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانوں کا ردوبدل یعنی رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کرنا میرے قبضہ قدرت میں ہے اور یہ میرے ہی حکم سے ہوتا ہے''۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ **انا الدهر اقلب ليله و نهاره** یعنی میں خود زمانہ (دہر) ہوں اور میں خود ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں بدلتا رہتا ہوں۔ امام شافعیؒ' ابی عبید القاسم بن سلام وغیرہ کہتے ہیں کہ اس قولِ خداوندی میں ''**انا الدهر**'' سے مراد ''فاعل دہر'' ہے جس کے حکم سے زمانے بدلتے رہتے ہیں لہٰذا جو انسان دہر یا زمانے کو برا کہتا ہے وہ گویا اس کے فاعل کو برا

کہتا ہے ورنہ دھر یا زمانہ تو مخلوق ہے جو کسی طرح خالق کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا۔

راتوں اور دنوں کے تغیر وتبدل اور مہینوں اور سالوں کا جو حساب ہم ان کے لحاظ سے لگاتے ہیں اس کے سلسلے میں ذرا ان آیات پر غور کیجیے جن میں اس کی وضاحت موجود ہے:

① ﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

② ﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴾

ان آیات میں پہلی آیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہے کہ کائنات کی ہر شئے اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے' جسے جو چاہے بخش دے اور جس سے چاہے لے لے' وہی عزت دینے والا ہے اور وہی جسے چاہے ذلت سے ہمکنار کر دے' روز و شب کا تغیر و تبدل اسی کے دست قدرت میں ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے' مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کر دینا اسی کے دست قدرت میں ہے اور وہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرما دے جب کہ دوسری آیہ شریفہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بخشا ہے اور ان کے منازل مقرر فرما دیئے ہیں تا کہ اس کے بندے یعنی ہم انسان ان کے ذریعہ اپنے سنین (برسوں) کا حساب رکھ سکیں نیز یہ اس نے جو کچھ پیدا کیا ہے یعنی ہر چیز کی تخلیق میں اس کی قدرت کے ساتھ اس کی حکمت کاملہ شامل ہے۔ اس نے اپنی یہ نشانیاں انسانوں کے سمجھنے کے لیے بنائی ہیں اور دن رات کا اختلاف بھی ان کے سامنے اس لیے رکھا ہے تا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ سورج اور چاند کے لیے اس نے جو بالترتیب الفاظ ضیا اور نور استعمال فرمائے ہیں ان کا راز یہ ہے کہ اس نے سورج کو شعاعیں بخشی ہیں جن سے چاند اکتساب نور کرتا ہے اور ہر مہینے کے آغاز میں ہلال کی شکل میں نمودار ہو کر پندرھویں شب تک بڑھتا رہتا ہے جس کے بعد آخر ماہ تک گھٹتے گھٹتے آخری روز غائب ہو جاتا ہے اور اگلے مہینے کی پہلی تاریخ سے قبل کی شب میں دوبارہ ہلالی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چاند کا یہ گھٹنا بڑھنا اس کے سورج سے قرب و بعد کو ظاہر کرتا ہے اور یہ بات اب ہم سب جان گئے ہیں کہ سورج کے طلوع و غروب سے رات اور دن کے علاوہ مہینوں اور برسوں کا حساب رکھنا آسان ہے خصوصاً چاند کے نمودار ہونے اور اس کے آسمان سے غائب ہو جانے سے بالترتیب ہر مہینے کی ابتدا اور انتہا معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن میں خود ارشاد فرمایا:

﴿ وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيْلًا ﴾

ہم نے یہ سب باتیں ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے بیان کی ہیں۔

آسمانی کواکب میں سے علمائے تفسیر نے سات کو سیارے بتایا ہے جنہیں مفسرین کی اصطلاح میں متحیرہ کہا گیا ہے۔ ان مفسرین کے دعوے جو علم الاحکام کے خلاف نہیں درست ہیں لیکن جو اس کے برعکس ہیں وہ یقیناً باطل ہیں کیونکہ اپنے ان دعاوی کے لیے دلائل پیش کرنے سے وہ اب تک قاصر رہے ہیں۔ بہرحال ان کے بتائے ہوئے سات سیاروں کے نام یہ ہیں:

① قمر (چاند) جو آسمان دنیا میں ہے۔

② عطارد' جو دوسرے آسمان میں ہے۔

③ زہرہ' جو تیسرے آسمان میں ہے۔

④ شمس (سورج) جو چوتھے آسمان میں ہے۔

⑤ مریخ' جو پانچویں آسمان میں ہے۔

⑥ مشتری' جو چھٹے آسمان میں ہے۔

⑦ زحل جو ساتویں آسمان میں ہے۔

باقی کواکب یا ستارے جنہیں وہ ثوابت کہتے ہیں ان کے نزدیک آٹھویں آسمان میں ہے لیکن اکثر متاخرین نے اسے ''کرسی'' بتایا ہے' تاہم زمانہ ماضی قریب کے محققین کے نزدیک یہ جملہ ستارے اور سیارے آسمان اوّل ہی میں ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ آخری محقق اپنے وعدے کے ثبوت میں بطور دلیل مندرجہ ذیل دو آیاتِ قرآنی پیش کرتے ہیں:

① ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنَاهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيَاطِيْنِ﴾

② ﴿فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ حِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾

وہ ان آیاتِ قرآنی سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں سے زینت و آرائش کے لیے آسمانِ دنیا کو مخصوص کیا ہے۔ لیکن ان ستاروں کے باہم زیر و بالا ہونے سے ان کی پیش کردہ دلیل میں کوئی کوتاہی واقع نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

ان محققین کے نزدیک ساتوں بلکہ آٹھوں آسمان اپنے ستاروں اور سیاروں سمیت مشرق سے مغرب کی طرف گردش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ چاند جو پہلا سیارہ ہے اپنی گردش ایک ماہ میں اور سورج جو چوتھا سیارہ ہے ماہ بماہ بارہ مرتبہ کر کے اپنی گردش پوری کرتا ہے جب کہ زحل جو ساتواں سیارہ ہے آسمان دنیا کی پیمائش کے لحاظ سے اپنی پوری گردش تیس سال میں مکمل کرتا ہے اور اس لحاظ سے سورج کی گردش آسمان کے دائرے میں بارہ مہینوں میں ۳۶۰ مرتبہ ہوتی ہے اور ایک سال کے یہی یعنی ۳۶۰ دن ہوتے ہیں۔

علم کلام کے (نام نہاد) ماہرین نے ستاروں کے مقامات' ان کی حرکات و گردش اور ان کی وسعت پر گفتگو کرنے کے بعد علم

الاحکام پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ حوادث ارضی پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت اس سلسلے میں کم سواد معلوم ہوتے ہیں۔ رہے یونانی تو وہ قبل مسیح علیہ السلام شام میں سکونت پذیر تھے اور انہوں نے اس سلسلے میں بہت سا علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ یہ لوگ عموماً شہر دمشق میں رہے جہاں انہوں نے اس شہر کے سات دروازے بنوائے تھے اور ہر دروازے کے ساتھ ایک ہیکل (عبادت گاہ) تعمیر کرائی تھی جو سات ستاروں کی جداگانہ صفات سے موسوم کی تھی۔ ان ساتوں ہیکلوں میں وہ عبادت کرتے تھے اور ان کے الگ الگ ستاروں سے اپنی اپنی بھلائی کے لیے دعا مانگتے تھے۔ یہ جملہ باتیں مؤرخین نے لکھی ہیں خصوصاً ''سر المکتوم'' کے مصنف نے چاند سورج اور دوسرے کواکب کے حوالے سے علمائے حرنانین یعنی عہد قدیم کے حران کے فلسفیوں کا ذکر کیا اور بتایا ہے کہ وہ سب مشرک تھے اور سات ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا گروہ صائبین کا گروہ کہلاتا تھا۔ انہی کواکب پرستوں کے مشرکانہ اعمال کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ مِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾

''یعنی رات اور دن کی طرح شمس و قمر بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (مظاہر قدرت) میں سے ہیں (اس لیے) شمس و قمر کو سجدہ کرنے کے بجائے اسے سجدہ کرو جو ان کا خالق ہے''۔

اسی طرح قرآن شریف میں ایک جگہ ہدہد کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ پرندہ یمن کی ملکہ سبا اور اس کے لشکر کی خبر لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا نیز اس نے اس کے حسن و جمال اور کثرتِ جاہ و مال کی بھی خبر دی۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ہدہد کی زبانی یوں فرمایا:

﴿ اِنِّىْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ...... الخ﴾

اللہ تعالیٰ نے عبادت کے حوالے آگے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ ...... الخ﴾

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ قرآن میں فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ يَّتَفَيَّاُ ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دَاخِرُوْنَ ...... الخ ﴾

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴾

اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴾

اس موضوع پر قرآن میں کثرت سے بڑی اہم آیات ملتی ہیں۔

ایسی اکثر چیزیں زمین اور آسمان پر ہمارے مشاہدے میں شب و روز آتی ہیں جن میں اجرام فلکی خصوصاً چاند اور سورج بھی شامل ہیں جو اس لحاظ سے بڑے معتبر ہیں کہ ان کی چمک دمک میں کسی حیثیت سے تردید نہیں کی جا سکتی اور جنہیں دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی الوہیت اور ان کے معبود ہونے کی تردید کی اور ان کی عبادت کو باطل ٹھہرایا جس کا تذکرہ خود اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (غائب ہونے والے) فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ...... الخ ﴾

اس آیہ شریفہ سے بطور برہان قطعی معلوم ہوتا ہے کہ اجرام سماوی میں جن کواکب اور چاند سورج کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ الوہیت کے لحاظ سے کسی حیثیت کے حامل نہیں ہیں کیونکہ وہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اپنی گردش کے لحاظ سے بھی مسخر ہیں یعنی جن کاموں پر مامور ہیں انہی کو بجالانے کے پابند ہیں اپنی طرف سے کچھ کر سکتے ہیں نہ اپنی حدود سے ذرہ بھر تجاوز کر سکتے ہیں۔ یہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ دیگر اشیائے کائنات کی طرح کواکب اور شمس و قمر بھی مخلوقات خداوندی میں شامل اور مسخر ہیں اور احکام خداوندی کے پابند ہیں جیسا کہ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴾

اور پھر سورج اور چاند کی پرستش سے منع کر کے صرف اپنی پرستش کا حکم دیا:

﴿ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴾

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاریؒ) میں جو حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) صلاۃ کسوف (سورج گرہن کی نماز) کے تحت درج ہے جسے ابن عمر نے ابن عباس، عائشہ اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے کے دوران میں فرمایا:

ان الشمس والقمر آيتان من آيات الله عزوجل وانهما لا ينكسفان لموت احد و لا لحياته.

''یعنی سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں اور وہ کسی کی موت یا پیدائش پر گہن میں نہیں آتے''۔

بخاریؒ نے مسدد، عبدالعزیز بن مختار، عبداللہ داناج اور ابوسلمہ کی زبانی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تخلیق کائنات کے بارے میں جو حدیث نبویؐ پیش کی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد درج کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج اور چاند قیامت کے دن اپنی اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔

اس حدیث کو بخاریؒ نے خصوصی طور پر تخلیق کائنات کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

حافظ ابوبکر البزار نے اس حدیث کی روایت میں تمہیداً تفصیل میں جاتے ہوئے ابراہیم بن زیاد بغدادی یونس بن محمد' عبدالعزیز بن مختار کی زبانی عبداللہ الداناج کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر یعنی عبداللہ الداناج نے کہا کہ انہوں نے خالد بن عبداللہ قسری کے زمانے میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کو کہتے سنا کہ ایک روز وہ یعنی ابوسلمہ مسجد کوفہ میں بیٹھے تھے کہ وہاں جناب حسن تشریف لے آئے تو باتوں باتوں میں ابوسلمہ نے انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مندرجہ بالا حدیث نبوی یوں سنائی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:(ان الشمس و القمر ثوران فی النار یوم القیامۃ) ابوسلمہ سے یہ حدیث سن کر جناب حسن نے ان سے پوچھا: ''ان کا دین کیا ہے؟'' یہ سن کر ابوسلمہ بولے: ''میں آپ سے روز قیامت سورج اور چاند کی انتہا کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بیان کررہا ہوں کہ وہ قیامت کے روز آگ (نارجہنم) میں شامل کردیئے جائیں گے اور آپ مجھ سے ان کے دین کے بارے میں پوچھ رہے ہیں''۔ اس کے بعد البزار نے کہا کہ انہوں نے یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صرف اس واقعے کی وجہ سے روایت کی ہے۔ عبداللہ الداناج نے بھی ابوسلمہ کے حوالے سے اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث روایت نہیں کی۔

حافظ ابویعلی موصلی نے جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (ان الشمس و القمر ثوران عقیران فی النار) یزید رقاشی کے حوالے سے بیان کی ہے اور اس میں انس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے ضعیف بتائی گئی ہے۔

اس کے علاوہ قرآنی الفاظ ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ کی وضاحت کے سلسلے میں ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ابوسعید اشج' عمر بن عبداللہ ازدی اور ابواسامہ نے مجالد اور شیخ مجیلہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ان الفاظ قرآنی کی وضاحت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں کی کہ اللہ تعالیٰ سورج' ستاروں اور چاند کو روز قیامت سمندر میں ڈبو کر ان کی روشنی زائل فرمادیں گے' پھر اس کے بعد ایک گرم ہوا چلا کر انہیں حرارت بخشیں گے اور پھر انہیں آگ (آتش دوزخ) میں شامل فرمادیں گے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورج' چاند اور ستارے سب کے سب دوسری اشیائے کائنات کی طرح مخلوق خداوندی ہیں' جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کامل ارادے کے تحت تخلیق کیا اسی طرح جو سلوک ان کے ساتھ جب چاہیں گے فرمائیں گے جو سب اس کی حکمت بالغہ پر مبنی ہوگا اس لیے کسی کو اس کے علم اور حکمت کے بارے میں سوال کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

امام محمد بن اسحٰق بن یسار نے اپنی کتاب ''کتاب السیرۃ من الشعر'' کے آغاز میں آسمان' زمین' سورج' چاند' ستاروں اور کائنات کی دیگر اشیاء کی تخلیق کے بارے میں یزید بن عمر بن نفیل کے بڑے خوبصورت اشعار درج کیے ہیں جن کے بارے میں ابن ہشام کی رائے یہ ہے کہ وہ اشعار امیہ ابن ابی صامت کے ہیں۔

بہرکیف مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی' احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دیگر مستند روایات کے مطالعہ کے بعد اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ آسمانوں' زمینوں کواکب یعنی سیاروں اور ثوابت وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور انہیں اپنے حکم سے ان کے متعلقہ کاموں پر جس طرح چاہا مامور فرمایا اور ان کے ساتھ آخر کار جو چاہے گا کرے گا۔

اکثر مفسرین نے ستاروں اور سیاروں کے تذکرے اور قصہ ہاروت و ماروت کہ زہرہ پہلے ایک عورت تھی جسے دو فرشتوں ہاروت و ماروت نے زمین پر آ کر اور اس کے حسن بے مثال سے متاثر ہو کر اسے اسم اعظم سکھا دیا تھا جسے پڑھ کر وہ ستارہ بنی اور آسمان پر چلی گئی لیکن یہ صرف خیالی باتیں ہیں جسے اسرائیلیات سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ متقدمین نے یہ بات کعب احبار سے سن کر محض ایک کہانی کے طور پر بیان کر دی ہو اور اس کا ماخذ اسرائیلیات کو بھی بتایا ہو۔ امام احمدؒ اور حبان نے اس حکایت کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے لیکن احمدؒ نے یحییٰ ابن بکیر کی زبانی زہیر بن محمد' موسیٰ بن جبیر' نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس حکایت کو آخر الذکر نے آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے تفصیلاً سنا تھا جو یہ تھا کہ ہاروت و ماروت زہرہ کے بے مثال حسن سے متاثر ہوئے اور اس سے جسمانی اتصال کے خواہش مند ہوئے تو زہرہ نے یہ شرط رکھی کہ اسے اسم اعظم لکھا دیا جائے جو ہاروت و ماروت نے اسے سکھا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زہرہ اسے پڑھ کر ستارہ بنی اور آسمان پر چلی گئی اور ہاروت و ماروت اللہ کے نزدیک سزا کے مستحق ٹھہرے لیکن جہاں تک اس حکایت میں آنحضرت ﷺ کے حوالے کا تعلق ہے تو وہ روایت ہی ایک تو انتہائی ضعیف ہے اور بفرض محال درست بھی ہو تو یقیناً آپؐ نے اسے بیان فرما کر اس کے بارے میں ساتھ ہی اسے اسرائیلیات کے من گھڑت افسانوں میں شامل فرمایا ہوگا تاہم جیسا کہ سطور بالا میں ہم نے عرض کیا یہ بھی کسی نہ کسی طرح متقدمین کی روایات میں شامل ہو گیا ہے لیکن اسے صرف ایک کہانی ہی سمجھنا چاہیے۔

ہماری اس گزارش کا سب سے بڑا بین ثبوت یہ ہے کہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں یہ قصہ بیان کرتے ہوئے ثوریؒ، موسیٰ بن عقبہؒ اور سالمؒ کے حوالوں کے آخر میں کعب احبار کا حوالہ دیا ہے اور کعب احبار انجیل کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اسرائیلیات میں شامل کچھ ایسے قصے بھی بیان کیا کرتے تھے جو ظاہر ہے کہ اسرائیلیات کے دوسرے من گھڑت افسانوں کی طرح درحقیقت خلافِ واقعہ ہوتے تھے۔

ہماری ان گزارشات کا ایک اور مدلل ثبوت یہ ہے کہ جن راویوں نے اس قصے کی روایت کو دوسرے متعدد راویوں کے حوالے سے احادیث نبوی (ﷺ) تک پہنچایا ہے ان جملہ احادیث کو اکثر ثقہ محدثین نے کمزور اور غیر مستند بتا کر جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کعب احبار کے بیان کردہ دوسرے اسرائیلی افسانوں میں شامل کیا ہے حتیٰ کہ بخاری اور نسائی جیسے ثقہ و مستند محدثین نے اس سلسلے میں احادیث کی حد تک ان کی صحت سے انکار کیا ہے اور اس قصے کو اسرائیلیات کی خرافات سے منسوب کیا ہے۔

مجرہ اور قوسِ قزح کا ذکر

ابوالقاسم طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے علی بن عبدالعزیز' عارم ابونعمان اور ابوعوانہ نے ابی بشر' سعید ابن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ رومی حکمران ہرقل نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھ کر ان سے درخواست کی تھی کہ وہ ان چند چیزوں کے بارے میں اسے لکھیں جن کے متعلق اکثر لوگ اس سے سوالات کرتے ہیں بشرطیکہ انہیں (معاویہ کو) عہد نبوت میں کسی نے ان کے بارے میں بتایا ہو۔ ابوالقاسم طبرانی مزید کہتے ہیں کہ ہرقل نے اپنے مذکورہ بالا خط میں معاویہؓ سے خاص طور پر مجرہ اور قوس قزح کے بارے میں پوچھا تھا اور معاویہؓ نے ہرقل کا وہ خط ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا تھا تاکہ وہ اس کی طرف سے اس خط کا جواب دے دیں۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہرقل کے ان سوالات کے جواب میں لکھا تھا کہ قوس قزح وہ ذریعہ ہے جس کی وجہ سے اہل زمین مکمل طور پر غرق ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور مجرہ آسمان کا وہ دروازہ ہے جو آسمان اور زمین کی حد فاصل ہے۔

چونکہ ہرقل نے اس بقعہ نور کے بارے میں بھی سوال کیا تھا جہاں سورج کی براہِ راست شعاعیں دن میں صرف ایک لمحے کے لیے پہنچتی ہیں اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا جواب بھی دیا تھا اور وہ یہ تھا کہ جس روشنی و تمازت میں مل کر سورج کی شعاعیں بوقت نصف النہار زمین پر منعکس ہوتی ہیں وہ خط استوا ہے جس کے نیچے ذرا فاصلے سے بحر بنی اسرائیل کا آغاز ہوتا ہے۔

یہ جملہ اسناد ابن عباس رضی اللہ عنہما تک صحیح تسلیم کی گئی ہیں لیکن اس سلسلے کی ایک دوسری روایت میں جو طبرانی ہی سے بحوالہ ابراہیم بن مخلد' فضل بن مختار' محمد بن مسلم طائفی' ابی یحییٰ' مجاہد اور جابر بن عبداللہ مروی ہے بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ کو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے پاس بھیجا تھا تو ان سے فرمایا تھا ''میں تمہیں اہل کتاب کے پاس بھیج رہا ہوں لیکن اگر وہ تم سے (اور سوالات کے علاوہ) یہ بات دریافت کریں کہ آسمانی مجرہ کیا چیز ہے تو انہیں بتانا کہ وہ عرش کے نیچے ایک جاندار لعاب ہے''۔

اس روایت میں جس حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے جملہ ثقہ راویوں نے جن میں حافظ ابوالفتح ازدی شامل ہیں انکار کرتے ہوئے اس کو ''حدیث منکر'' میں شامل کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس حدیث کا اصل راوی فضل بن مختار یعنی ابوسہل بصری ہے جو بصرے سے مصر چلا گیا اور ابوحاتم رازی کے بقول وہ ایک مجہول سا آدمی تھا جس نے بہت سی احادیث گھڑ لی تھیں جو سراسر ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ ان میں کوئی مستند حوالہ تک نہیں ہے۔ اس کے بارے میں یہی بات ابن عدی نے بھی کہی ہے اور اس کی روایت کردہ جملہ احادیث کو من گھڑت اور ناقابل اعتبار بتایا ہے جب کہ اس سلسلے میں نیز دیگر تخلیقات ارضی و سماوی کے بارے میں مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنی بالکل واضح ہیں:

① ﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ﴾

② ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيَاحِ

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾

اس کے علاوہ امام احمدؒ نے یزید بن ہرون' ابراہیم بن سعد' ان کے والد اور بنی غفار کے ایک بزرگ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

ان اللہ ینشیء السحاب فینطق احسن النطق ویضحک احسن الضحک.

اس حدیث کو موسیٰ بن عبیدہ بن سعد بن ابراہیم کو روایت کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

''اس کا (بادل کا) نطق رعد کی آواز اور اس کی تضحیک برق ہے''۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد اور ہشام سے عبیداللہ رازی اور محمد بن مسلم کے حوالے سے سنا کہ انہیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ برق ایک فرشتہ ہے جس کے چار منہ ہیں۔ اس کا ایک منہ انسان کے منہ کی طرح دوسرا بیل کے منہ کی طرح' تیسرا گدھ کی طرح کے ایک پرندے کے منہ کی طرح اور چوتھا شیر کے منہ کی طرح ہے۔ جب وہ فرشتہ اپنے جسم کے پچھلے حصے کو جنبش دیتا ہے تو اس سے جو چمک پیدا ہوتی ہے وہی برق ہے۔

امام احمدؒ سے مروی ایک روایت کو ترمذیؒ' نسائی اور بخاریؒ نے ''کتاب الادب'' کے تحت بیان کیا ہے نیز حاکم نے اپنی کتاب ''متدرک'' میں لکھا ہے کہ حجاج بن ارطاۃ کے بقول انہیں ابن مطر نے سالم اور ان کے والد کے حوالے سے بتایا کہ جب آنحضرت ﷺ' رعد کی گرج اور برق کی کڑک سنتے تو فرماتے:

اللّٰھم لا تقتلنا بغضبک و لا تھلکنا بعذابک و عافنا قبل ذالک.

ابن جریر نے لیث کی زبانی اور ایک اور شخص اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ رعد کی آواز سن کر فرمایا کرتے تھے: ''سبحان من یسبح الرعد بحمدہ'' جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بقول آپ آواز رعد سن کر ''سبحان من سبحت لہ'' فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی یہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما' اسود بن یزید اور طاؤس وغیرہ سے مروی ہے جب کہ مالک نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ (بارش میں؟) رعد کی گرج سنتے تو باتیں کرنا موقوف فرما کر فرماتے: ''سبحان من یسبح الرعد بحمدہ و الملائکۃ من خیفتہ'' پھر اس کے بعد ارشاد فرماتے: ''ان ھذا وعید شدید لاھل الارض'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین والوں کے لیے شدید تنبیہ ہے۔

امام احمدؒ ابوہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ (برق و رعد کے بارے میں) یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے لیے فرمان ہیں کہ:

''اگر تم میرے بندے ہو تو میری اطاعت کرو کہ میں راتوں کو بھی انہیں بارش سے سیراب کرتا ہوں اور تمہارے لیے دن کو سورج طلوع کرتا ہوں۔ تو جب تم رعد کی آواز سنا کرو تو اللہ کا ذکر کیا کرو (کیونکہ) اللہ اپنے ذکر کرنے والوں کو بھی کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کرتا''۔

یہ سب کچھ تفاسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ وللّٰہِ الحمد والمنّۃ

باب ۵

تخلیق ملائکہ علیہم السلام اور ان کے اوصاف

اس باب کے آغاز میں ہم وہ آیاتِ قرآنی درج کر رہے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے نصرانیوں کے عقیدے کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور صفاتِ الٰہیہ اور فرشتوں کے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے نیز یہاں وہ احادیث بھی پیش کی جا رہی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے شبِ معراج آسمانوں پر اپنے مشاہدات کا ذکر فرمایا:

ارشاداتِ باری تعالیٰ:

① ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○ يَعْلَمُ مَابَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○ وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِيْنَ﴾

② ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَآئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَلَا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

③ ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيَّاتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

④ ﴿فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ هُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ○ يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾

⑤ ﴿وَ مَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْم . وَ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ﴾

⑥ ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَابَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾

⑦ ﴿وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾

⑧ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾

⑨ ﴿وَالْمَلَآئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾

⑩ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَآئِكَةِ رُسُلًا اُوْلِيْ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلَاثَ وَ رُبَاعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَايَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

⑪ ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلَآئِكَةُ تَنْزِيْلًا ○ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَ كَانَ يَوْمًا عَلَى

الْکَافِرِیْنَ عَسِیْرًا ﴾

⑫ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَةُ اَوْنَرٰی رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَکْبَرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْا عُتُوًّا کَبِیْرًا یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَةَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾

⑬ ﴿وَ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِکَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِیْلَ وَ مِیْکَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْکَافِرِیْنَ﴾

⑭ ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓئِکَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾

ان آیات میں جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا تخلیق ملائکہ کے ساتھ ان کے فرائض اور اوصاف کے علاوہ مومنوں اور کافروں کے اعمال اور روز قیامت ان کی جزا وسزا کے بارے میں کسی قدر وضاحت کی گئی ہے اور ایسی آیات قرآن شریف میں جگہ جگہ حسب موقع کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

ان آیات کی مکمل تفاسیر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں کی ہیں اور بتایا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی تخلیق' ان کے عوامل' ان کی عظیم اور مختلف اشکال کا ذکر وضاحت سے فرمایا ہے ہمارے علاوہ دیگر علماء نے بھی ان آیات کی تفاسیر میں وضاحت کی ہے کہ یہ فرشتے مختلف اشکال میں زمین پر آتے رہتے ہیں خصوصاً جبریل علیہ السلام کے متعلق خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں متعدد بار کبھی دحیہ بن خلیفہ کلبی کی شکل میں' کبھی کسی اعرابی (بدوی) اور کبھی اپنی اصلی شکل میں حاضر ہوئے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کے پردار بازو (پنکھ) چھ سو ہیں جو مشرق سے مغرب تک پھیل جاتے ہیں اور آپ نے انہیں دو بار ملاحظہ فرمایا۔ ایک بار تو اس وقت جب وہ آسمان سے زمین پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوسری بار شب معراج آپ نے ان کے یہ پنکھ ''سدرۃ المنتہیٰ'' کے قریب دیکھے جو ''جنت الماویٰ'' کے نزدیک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ ﴿عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ○ ذُوْمِرَّةٍ فَاسْتَوٰی وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴾ (آیت) اس حدیث مبارکہ کو مندرجہ بالا آیہ شریفہ کے حوالے سے ہمارے علاوہ کئی دوسرے علماء و صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی بیان کیا ہے جن میں ابن مسعود' ابو ہریرہ' ابو ذر (غفاری) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔ اس حدیث میں اس قول باری تعالیٰ ﴿فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ○ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی ﴾ کی طرف صاف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ شب معراج ملاء اعلیٰ میں نازل فرمائی لیکن اسے ﴿اَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی ﴾ فرمایا تاہم اس ارشاد ربانی میں ''الی عبدہ'' سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہی مراد ہے جو ایک بدیہی بات ہے۔

ہم نے احادیث اسرا کی تفسیر میں ''سدرۃ المنتہیٰ'' کے بارے میں بیان کر دیا ہے کہ وہ آسمان ہفتم پر ہے لیکن ایک روایت میں ہے کہ اس کی جڑ آسمان ششم پر ہے اور وہیں اس کی شاخیں پھوٹی ہیں مگر اس کی بلندی آسمان ہفتم تک گئی ہے نیز یہ کہ اس کی شاخیں اور پتے نوری ہیں اور چونکہ بدیہی طور پر یہ نور نور خداوندی ہے اس لیے اس کے تفصیلی ذکر اور صفات کے بیان سے انسان قاصر ہیں۔ ویسے یہاں اس کا تفصیلی ذکر بھی بے محل ہوگا۔

اس سے قبل ہم سمندروں اور دریاؤں کا ذکر کرتے ہوئے ایک حدیث کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ ''سدرۃ المنتہیٰ'' کی جڑ سے چار دریا نکلتے ہیں جن میں سے دو جنت ہی میں ہیں اور دو زمین پر نیل وفرات کی شکل میں بہتے ہیں۔

شب معراج میں آسمانوں پر اپنے مشاہدات کا ذکر فرماتے ہوئے ''سدرۃ المنتہیٰ'' کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثم رفعت لی الی سدرة المنتهی فاذا بنقها کا لعلال[1] و اذا و رقها کآذان الفیلة .

''یعنی اس کی شاخیں (بلندی میں) ستونوں جیسے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں''۔ (مترجم)۔

سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلنے والے دریاؤں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

و اذا یخرج من اصلها نهران باطنان و نهران ظاهران فاما الباطنان فی الجنة و اما الظاهران فالنیل و الفرات.

''اس کی جڑ سے نکلنے والے دو باطنی اور دو ظاہری دریا ہیں' باطنی دریا جنت میں ہیں اور ظاہری دریا (زمین پر) دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں۔ ان دریاؤں کا ذکر ہم سمندروں اور دریاؤں کے ضمن میں پہلے ہی کر چکے ہیں''۔ (مؤلف)

مذکورہ بالا حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ''بیت المعمور'' کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ:

''اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن وہ فرشتے اس میں دوبارہ نہیں جاتے''۔

''بیت المعمور'' کے ذکر کے ساتھ آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''وہاں میں نے (حضرت) ابراہیم خلیل اللہ کو دیکھا جن کی پشت ''بیت المعمور'' کی طرف تھی''۔

''بیت المعمور'' کا ذکر کرتے ہوئے ہم پہلے (تفسیر میں) بتا چکے ہیں کہ وہ ساتویں آسمان پر ایک مسجد ہے جیسے خانہ کعبہ زمین پر ہے۔

سفیان ثوری' شعبہ اور ابوالاحوص کی زبانی سماک بن حرب اور خالد بن عرعرہ کے حوالے سے مروی ہے کہ ابن الکوا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ''بیت المعمور'' کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ (ترجمہ) وہ آسمان پر ایک مسجد ہے جسے ''ضراح'' کہا جاتا ہے اور وہ مسجد کعبہ کے شکل کی ہے اور آسمان میں اس کے یعنی خانہ کعبہ کے عین اوپر ہے' آسمان پر اس کی عزت وحرمت ایسی ہی ہے جیسے زمین پر خانہ کعبہ کی ہے' اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھنے جاتے ہیں لیکن وہ وہاں دوبارہ نہیں جاتے۔

یہی روایت علی بن ربیعہ اور ابوطفیل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے۔

---

[1] بعض روایات میں ''کقلال الحجر'' بھی آیا ہے (مؤلف) یعنی عمدہ عمدہ موٹے اور بلند ستون۔ (مترجم)

طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے حسن بن علویہ القطان' اسماعیل بن عیسیٰ العطار' اسحاق بن بشر ابوحذیفہ اور ابن جریج نے صفوان بن سلیم' کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''بیت المعمور' آسمان پر ہے جسے ضراح کہا جاتا ہے' وہ آسمان پر بیت اللہ کی بالکل سیدھ میں ہے' اس کی نبر جسے بھی ہے اسی کو ہے' اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن انہیں وہاں دوبارہ داخل ہوتے کسی نے نہیں دیکھا' اس کی حرمت آسمان پر (بالکل) ایسی ہی ہے جیسی زمین پر مکہ میں خانہ کعبہ کی ہے''۔

اسی طرح غونی نے ابن عباس' انس' مجاہد' عکرمہ' ربیع بن انس' السدی رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے راویوں کے حوالے سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیت المعمور کا ذکر فرمایا اور پھر دریافت فرمایا کہ آیا تم جانتے ہو کہ وہ کیا ہے (اور کہاں ہے؟) اس کے بعد قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی (اس کے بارے میں جانتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آسمان پر خانہ کعبہ کے شکل کی ایک مسجد ہے جسے کوئی صرف ایک بار ہی دیکھ سکتا ہے' اس میں ستر ہزار فرشتے روزانہ نماز ادا کرنے جاتے ہیں لیکن ایک بار کے سوا وہ یعنی وہ جو ایک بار وہاں جا چکے ہوتے ہیں دوبارہ نہیں جاتے''۔

ضحاک کے خیال میں اسے یعنی بیت المعمور کو ابلیس (اس پر اللہ کی لعنت ہو) اور ان ملائکہ نے جو اس کے ساتھ اور جن کہلاتے تھے تعمیر کیا ہے۔ واللہ اعلم

متاخرین بیان کرتے ہیں کہ ہر آسمان پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے ایک گھر (بیت۔ مسجد) بنا رکھا ہے اور وہ اس میں نوبت بہ نوبت (وقتاً فوقتاً) یکے بعد دیگرے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ویسے ہی حاضر ہوتے رہتے ہیں جس طرح اہل ارض حج کے لیے ہر سال اور عمرہ کے لیے جب چاہیں خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر اس کا طواف کرتے ہیں اور وہاں عبادت کرتے ہیں یعنی نماز ادا کرتے ہیں۔

سعید بن یحییٰ بن سعید اموی اپنی کتاب ''المغازی'' میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابوعبید نے مجاہد کی زبانی بیان کیا کہ ساتوں آسمانوں اور زمین کے ساتوں طبقات پر جو حرم پاک تعمیر کیے گئے ان کی تعداد ۱۴ ہے اور ''بیت المعمور' جو آسمان پر تعمیر کیا گیا ان میں سے ایک ہے اور چوتھا ہے جو زمین کی پیمائش سے سات گنا بڑا ہے۔ ویسے ہر آسمان پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک حرم تعمیر کیا گیا ہے' بیت المعمور کی عزت وحرمت آسمان پر ویسی ہی ہے۔ جیسی زمین پر بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی ہے۔

یہی روایت ایک اور جگہ مجاہد ہی سے ابومعاویہ' اعمش اور ابی سلیمان موذن الحجاج کے حوالے سے مروی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آخر الذکر یعنی ابی سلیمان نے عبداللہ بن عمرو کو کہتے سنا کہ حرم محرم جو آسمان پر ہے اس کا طول وعرض زمین سے سات گنا ہے نیز یہ آسمان کے اس حرم پاک کا نام ''بیت العزۃ'' بھی لیا جاتا ہے' اس میں پہلے داخل ہونے کا شرف جس فرشتے کو ملا اس کا

ام اسماعیل ہے مگر اس کے بعد ہر روز ستر ہزار فرشتے اس ''بیت المعمور'' میں داخل ہوتے ہیں لیکن انہیں اس میں ایک دفعہ کے بعد دوبارہ وہاں جانے کا موقع نہیں ملتا نہ ابدالآباد تک انہیں یہ موقع کبھی ملے گا کیونکہ فرشتوں کی تعداد بے شمار ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ﴾

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں اسود بن عامر اور اسرائیل نے ابراہیم بن مہاجر' مجاہد' مورق اور ابوذر کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے آسمان پر جو کچھ دیکھا وہ تم نہیں دیکھ سکتے اور میں نے (وہاں) جو کچھ سنا وہ تم نہیں سن سکتے کیونکہ اس سماعت کا حق آسمان تک محدود ہے' وہاں ہر جگہ چار چار فرشتے چاروں اُنگلیوں کی طرح برابر سجدے میں مشغول رہتے ہیں اور اس طرح وہاں حبہ بھر جگہ باقی نہیں رہتی' میں جو کچھ جانتا ہوں اگر تمہیں بھی اس کا علم ہو جائے تو تم ہنسنے سے زیادہ رونے لگو ورتمہیں اپنی بیویوں کے ساتھ جسمانی اختلاط سے جو حظ حاصل ہوتا ہے وہ کبھی نہ ہو اور خوف عذاب سے ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے (رحم کی) امید کرتے رہو۔ (ترجمہ مفہومی)

یہ حدیث سننے کے بعد ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: ''کاش میں ایک درخت ہوتا جس پر عذاب نہ ہوتا''۔ یعنی غیر مکلف ہوتا۔

یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو ''حسن'' اور ''غریب'' بتا کر کہا ہے کہ اس کا استناد ابوذر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حسین بن عرفہ مصری' عروہ بن عمران الرقی اور عبیداللہ بن عمرو سے عبدالکریم ابن مالک' عطاء بن ابی رباح اور جابر بن عبداللہ کے حوالے سے وہ حدیث نبوی سنی جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ساتوں آسمانوں میں سے کسی پر ایک قدم' ایک بالشت اور ایک کف دست کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے' قیام' رکوع' یا سجدے میں نہ ہو اور جب قیامت کا دن آئے گا تو (اس روز بھی) وہ سب کے سب کہیں گے کہ ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا بجز اس کے کہ ہم نے شرک نہیں کیا (یعنی تیرے سوا کسی کو معبود نہیں مانا)''۔

ان دونوں احادیثِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ساتوں آسمانوں پر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بحالتِ قیام ورکوع یا سجود مصروف نہ ہوں یعنی کچھ تو ان میں سے بحالت قیام' کچھ بحالت رکوع اور کچھ بحالتِ سجدہ مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور تا قیام قیامت اسی حالت میں رہیں گے۔ واللہ اعلم

بہر حال اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے ہمہ وقت دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے اور اسی طرح تا قیامت یہی کرتے رہیں گے اور ان کے یہ اعمال وہ ہیں جن کا انہیں خود اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے حکم دے رکھا ہے۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ○ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ○ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴾

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے صف بستہ ہوتے ہیں جس طرح فرشتے اس کی عبادت کے لیے صف بستہ ہوتے ہیں۔ آپؐ سے یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ

(ﷺ) فرشتے کس طرح صف بستہ ہوتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''وہ بھی صف بصف کھڑے ہوتے ہیں'' اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مسلمانوں کو) خود اس کے بقول دوسرے انسانوں پر جو فضیلت دی ہے وہ تین باتوں کی وجہ سے دی ہے ایک یہ کہ ہم نے (یعنی ان انسانوں نے جو خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک گھر زمین پر اسی شکل کا بنایا جیسا آسمان پر ہے' دوسرے یہ کہ ہم نے اسے پاک مٹی سے بنایا' تیسرے یہ کہ ہم اس کی عبادت کے لیے (فرشتوں کی طرح مساجد میں) بھی اسی طرح یعنی صف بستہ خدا کے حضور حاضر ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے ﴿وَ جَآءَ رَبُّکَ وَ الْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا﴾ قیامت میں اس کے روبرو ہماری حاضری کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا﴾ (تمام شد حدیث نبوی ﷺ)

ابن عباس' حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ مندرجہ آیہ شریفہ میں روح سے مراد بنی آدم ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی شکل میں زمین پر نمودار ہوتے رہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سے مراد جبریل ہیں جنہیں ''روح القدس'' بھی کہا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہاں روح سے مراد وہی روح ہے جسے جملہ مخلوقات کی روح سمجھا جاتا ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے انہی کا قول نقل کر کے بتایا ہے کہ اس آیت یعنی ''یوم یقوم الروح ......الخ'' میں روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اپنی خلقت کے لحاظ سے عظیم ترین ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن خلف عسقلانی اور داؤد ابن جراح نے ابی حمزہ' شعبی' علقمہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے حوالے سے آخر الزکر کے بقول بیان کیا کہ ''یہاں روح سے مراد چوتھے آسمان پر وہ فرشتہ ہے جو جملہ آسمانوں اور پہاڑوں سے بھی زیادہ عظیم الجثہ ہے اور ہر روز وہ تسبیح بارہ ہزار مرتبہ پڑھتا ہے جو سے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے اور وہی روز قیامت صفوف ملائکہ میں سب سے آگے کھڑا ہوگا۔ لیکن یہ روایت بہت ہی غریب (عجیب) ہے

طبرانی بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم مصری' ابن وہب بن رزق ابوہبیرہ بشر بن بکر' اوزاعی اور عطاء نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے انہی کی زبانی بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کے لیے ساتوں آسمان اور زمین کے ساتوں طبقات ایک نوالے کی طرح ہیں یعنی وہ انہیں (اللہ کے حکم سے) اگر اسے حکم دیا جائے ایک نوالے کی طرح نگل لے۔ اس فرشتے کی تسبیح ''سُبحَانَکَ حَیثُ کُنتَ'' ہے۔

یہ روایت بھی جسے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے طبرانی وغیرہ کے بقول بطور حدیث نبوی (ﷺ) بیان کیا بڑی عجیب و غریب ہے اور یقیناً یہ صرف ایک ہی ہے۔

ویسے ہم بھی ان فرشتوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے حاملین عرش کہلاتے ہیں جابر بن عبداللہ کے حوالے سے ان میں سے ایک فرشتے کا ذکر کر چکے ہیں جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرنے کی اجازت دی ہے اور اس فرشتے کا ڈیل ڈول یہ ہے کہ اس کے کان کی لو سے اس کے کاندھے تک سات سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔

سات سو سال کی اس مسافت کو ابوداؤد اور ابن حاتم کی روایت حدیث کے مطابق آنحضرت نے کسی پرندے کی سات سو سال تک آہستہ مگر مسلسل پرواز کے برابر فرمایا۔

جبریل علیہ السلام کے بارے میں جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے "علمه شديد القوى" فرمایا ہے۔ ایک مشہور روایت یہ ہے کہ ان کی قوت کا حال یہ ہے کہ انہوں نے قوم لوط کے سارے شہروں کو جن کی تعداد سات تھی اور ان میں بسنے والی قوم لوط' ان کی اراضیات وعمارات' ان کے تمام پالتو جانور اور ان کے جنگلات کے تمام دوسرے درندے اور حیوانات وغیرہ کو اپنے ایک پر پر اٹھا لیا تھا لیکن جب انہیں لے کر آسمان کی طرف اتنے بلند ہوئے کہ فرشتوں کے کانوں میں وہاں کے کتوں وغیرہ کی آوازیں آنے لگیں تو انہوں نے ان تمام شہروں کو مذکورہ بالا تمام چیزوں سمیت اُلٹ دیا تھا۔ لہٰذا وہ بقول باری تعالیٰ عزاسمہٗ "شديد القوى" ہی ہوئے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلقت میں حسین ہونے کے علاوہ بہت سی دوسری صفات کا حامل فرمایا ہے اور بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہ اللہ تعالیٰ کے قاصد ہونے کے علاوہ خوش منظر ہیں' بڑی قوت والے ہیں' ان کا مقام صاحب عرش کے قریب ہے' ان تمام باتوں سے جبریل علیہ السلام کے اعلیٰ اوصاف کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے صاحب علوئے مرتبت ہیں نیز یہ کہ وہ عرش مجید کے قریب اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام بجالاتے ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ترسیل وحی بھی شامل ہے۔ شریعت کی رو سے بھی یہ روایت روایات صادقہ میں شامل ہے اور جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں متعدد بار مختلف شکلوں میں نمودار ہوئے جب کہ دوبار اپنی اصلی شکل میں حاضر ہوئے تھے اس شکل میں جس میں انہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا تھا۔

امام بخاریؒ نے طلق (؟) بن غنام اور زائدہ شیبانی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آخرالذکر نے ذرا سے قولِ باری تعالیٰ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى﴾ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے وضاحت چاہی تھی تو انہوں نے بتایا تھا کہ ان سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا کہ اس سلسلے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ انہوں نے اس جگہ جبریل علیہ السلام کے چھ سو پنکھ دیکھے تھے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ ابن آدم اور شریک نے جامع بن راشد' ابی وائل اور عبداللہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپؐ نے جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا اور ان کے اس صورت میں چھ سو پنکھ ملاحظہ فرمائے اور ہر پنکھ پورے اُفق ساوی کے برابر تھا اور ہر پنکھ میں موتی اور دیگر جواہرات جیسی اشیاء جڑی ہوئی تھیں جن کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔

امام احمدؒ ہی نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ان سے حسن بن موسیٰ اور حماد بن سلمہ نے عاصم بن بہدلہ' زر بن حبیش اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آیہ شریفہ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کی اصلی شکل وصورت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "ان کے چھ سو پنکھ ہیں اور ہر پنکھ موتیوں اور دیگر جواہرات سے مرصع ہے"۔

امام احمدؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ان سے زید بن حباب' حسین[1] عاصم ابن بہدلہ نے بیان کیا کہ انہوں نے یعنی ان راویوں نے شفیق بن سلمہ سے سنا اور شقیق نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا کہ آپؐ نے جبریل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہٰی کے مقام پر دیکھا تھا تو ان کے چھ سو پنکھ بھی دیکھے تھے۔ امام احمدؒ مزید فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے عاصم سے جبریل علیہ السلام کے پنکھوں بازوؤں کے پروں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے خود تو کچھ نہ بتایا لیکن اتنا کہا کہ انہوں نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سنا کہ ان کا ہر پنکھ مشرق سے مغرب تک کے فاصلے کے برابر ہے۔ تاہم یہ اسناد بہت قوی ہیں جن کے حوالے سے امام احمدؒ نے یہ روایت بطور خاص بیان کی ہے۔

امام احمدؒ اس موضوع پر ایک اور روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سے زید بن حباب نے بیان کیا اور انہوں نے یکے بعد دیگرے حسین' حصین' شقیق اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبانی سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپؐ کے پاس جبریل علیہ السلام جب بھی آئے تو آپ نے ان کے پر ہمیشہ مختلف الالوان اور یوں چمکتے ہوئے دیکھے جیسے سچے موتی چمکتے ہیں۔ یہ تمام اسناد متفقہ طور پر صحیح ہیں۔ (مؤلف)

ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان سے ابن بزلغ بغدادی نے بیان کیا کہ انہیں اسحٰق بن منصور اور اسرائیل نے ابی اسحٰق' عبدالرحمٰن ابن یزید اور عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب (شبِ معراج) جبریلؑ آپ کو رفرف پر سوار کر کے آسمان کی طرف مائل پرواز تھے تو ان کا جسم (طوالت میں) زمین سے آسمان تک پھیلا ہوا تھا۔ (ترجمہ تشریحی) یہ اسناد بھی نہایت قوی ہیں۔ (مؤلف)

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں مسروق کی بیان کردہ ایک روایت عامر شعبی کے حوالے سے اس طرح درج ہے کہ اوّل الذکر یعنی مسروق نے بیان کیا کہ ایک بار وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اس موضوع پر گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم نے خود اللہ تعالیٰ کا قرآن میں یہ ارشاد نہیں پڑھا کہ ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴾ اس کے بعد انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''میں اس امت میں پہلی فرد ہوں جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلی بار اس کے بارے میں دریافت کیا تھا اور آپؐ نے (جواباً) ارشاد فرمایا تھا کہ: میں نے جبریل کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو بار دیکھا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ وہ اپنی خلقت کے لحاظ سے ہر اس چیز سے بڑے تھے جو (اپنے جثے میں) زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی ہو''۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں باسناد صحیح تحریر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ کے بارے میں آیہ قرآنی ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا ﴾ کا حوالہ دے کر ارشاد فرمایا: ''ہم نے انہیں ان کی اصلی شکل وصورت میں اکثر نہیں دیکھا''۔

---

[1] یہاں راوی کی مراد حسین ابن واقد سے ہے۔ (محمود الامام)

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ عروہ نے ایک دن عمر ابن عبدالعزیزؒ سے جو نماز عصر کے بعد مکمل سکوت اختیار کرتے تھے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے تو وہ آپ کی امامت میں نماز پڑھتے تھے۔ عروہ سے یہ سن کر عمر ابن عبدالعزیزؒ بولے: ''اے عروہ! جو تم کہہ رہے ہو میں اسے خوب سمجھ رہا ہوں کیونکہ میں نے بشر بن ابی مسعود کی زبانی ان کے والد کے حوالے سے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جبریل کی آمد پر جب وہ مجھے وحی پہنچا چکے اور مجھے تسلی دے چکے تو میں نے ان کے ساتھ پانچ مرتبہ نماز پڑھی ہے''۔ اور مسعود نے یہ بھی بتایا کہ آپ نے پانچ مرتبہ کی بات اپنی انگلیوں پر گن کر فرمائی۔ (ترجمہ تشریحی)

جہاں تک اسرافیل علیہ السلام کا تعلق ہے تو حاملین عرش میں سے ایک فرشتہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین بار صور پھونکیں گے۔ پہلی بار صور پھونکے جانے پر بنی نوع انسان میں چیخ پکار پڑ جائے گی جب کہ صور کی دوسری آواز پر جو بادل کی گرج سے لاکھوں کروڑوں گنا زیادہ ہوگی خوف زدہ ہو کر ان کے دل دہل جائیں گے اور اس کی تیسری آواز پر مردے قبروں سے نکل پڑیں گے۔ اس کی تفصیلات ہم انشاء اللہ آگے چل کر حسب موقع پیش کریں گے۔

بہرکیف یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (ایک روز اپنے صحابہؓ سے) فرمایا: ''میں کیونکر آرام کر سکتا ہوں (اور کس طرح کس چیز سے لطف اندوز ہو سکتا ہوں) جب کہ اسرافیل صور کا منہ اوپر اٹھائے اس کے پھونکنے کے لیے حکم الٰہی کے منتظر ہیں اور جبریل و میکائیل بالترتیب ان کے دائیں بائیں ایستادہ ہیں''۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ پھر ہم کیا کریں اور کیا کہیں؟'' آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''حسبنا اللہ و نعم الوکیل. اور علی اللہ توکلنا. پڑھتے رہا کرو''۔ یہ حدیث امام احمدؒ اور بخاری نے عطیہ عوفی کی زبانی ابی سعید خدری کے حوالے سے روایت کی ہے۔

امام احمدؒ نے یہی روایت ایک اور جگہ ابو معاویہ اور اعمش کی زبانی اور سعد طائی نیز عطیہ عوفی اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کی ہے۔

حافظ ابو القاسم طبرانی بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبداللہ حضرمی اور محمد بن عمر نے بیان کیا کہ آخر الذکر نے ابن ابی لیلیٰ کی زبانی ابی لیلیٰ، حکم، مقسم اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے حوالے سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز ان سے یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے فرمایا کہ ''جب آسمان افق تا افق شق ہونے لگے گا اس وقت جبرئیل علیہ السلام مجھ سے کسی قدر فاصلے پر ایستادہ ہوں گے اور اسرافیلؑ زمین کی طرف آتے ہوئے نظر آئیں گے تو وہ ٹھٹک کر میرے سامنے آ جائیں گے اور میں دیکھوں گا کہ ایک فرشتہ میرے سامنے ہے، وہ مجھ سے پوچھے گا: اے محمدؐ! آپ بہ حیثیت نبی (اللہ کے بندوں میں) انسان ہونا پسند فرماتے ہیں یا فرشتہ؟'' اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ''اسی وقت جبریلؑ مجھے اشارے سے کچھ بتائیں گے جس کا مطلب میں سمجھ جاؤں گا اور اس فرشتے کو جواب دوں گا ''انسان'' یہ سن کر وہ فرشتہ آسمان کی جانب پرواز کر جائے گا تو میں جبریلؑ سے پوچھوں گا: ''جبریلؑ! یہ کون سا فرشتہ تھا؟ جبریلؑ مجھے بتائیں گے کہ وہ اسرافیل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اصلی خلقت پر جب پیدا کیا تھا تو ان کے دونوں ہاتھوں

کے مابین خلا تھا' اور ان کے اور ان کے رب کے درمیان سات نوری پردے حائل ہیں جن کی طرف وہ قدم نہیں اٹھا سکتے کیونکہ اگر ایسا کریں تو فروغ تجلی سے جل کر رہ جائیں' وہ تقاطر باراں اور زمین سے (انسانوں اور حیوانوں کے لیے) غلہ اور دیگر نباتات (اگانے) پر مقرر تھے۔ عزرائیل کا کام قبض ارواح ہے۔ لوح محفوظ ان کے سامنے رہتی تھی جس میں وہ رب العزت کا حکم یا مشیت ایزدی دیکھ کر عمل کرتے رہے ہیں''۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ ان کے اپنے فرائض جن کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دے رکھا ہے کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ''ہوا پر تسلط اور فرشتوں کی سرکردگی'' اس کے بعد جبریل بولے: ''میرا خیال ہے کہ میکائیل قیام قیامت کی وجہ سے زمین سے اتنے قریب آئے ہیں''۔ پھر بولے: ''اور میں بھی قیام قیامت کے خوف کی وجہ ہی سے (اس وقت) یہاں ہوں''۔ حدیث پر مبنی اس روایت میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں انہی کی وجہ سے اس حدیث کو ''غریب'' سمجھا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اللهم رب جبريل و ميكائيل و اسرافيل فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة انت تحكم بين عبادك فيما كانو فيه يختلفون اهدني لما اختلف فيه من الحق باذنك انك تهدى من تشاء الى صراط مستقيم.

حدیث صور میں آیا ہے کہ اسرافیل وہ پہلی ہستی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ فنائے کائنات کے بعد صور پھونکنے کے لیے دوبارہ عدم سے وجود میں لائے گا۔

محمد بن حسن النقاش نے بیان کیا کہ اسرافیل فرشتوں میں سب سے پہلے تھے جس نے سجدہ کیا اس لیے ان کے حق میں لوحِ محفوظ کی ولایت مناسب ٹھہری۔ یہ روایت ابوالقاسم سہیلی نے اپنی کتاب ''التعريف والاعلام بما ابهم فى القرآن من الاعلام'' میں تحریر کی ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكَالَ'' میں جبریل اور میکائیل کے درمیان واؤ عاطفہ ان دونوں کے درمیان فرق مراتب کی دلیل ہے کے علاوہ دوسرے فرشتوں سے پہلے ان کا نام لیا جانا دوسرے فرشتوں پر ان کے شرف کا ثبوت ہے۔ بہر حال اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جبریلؑ جملہ ملائکہ میں اعظم و افضل ہیں کیونکہ اس آیہ شریفہ میں بھی ان کا نام پہلے آیا ہے۔ ویسے آسمان اور زمین پر میکائیل علیہ السلام کے دو مناصب یعنی بالترتیب بسلسلہ بارش و نباتات ان کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے تقرر جبریل علیہ السلام کے بعد ملائکہ مقربین میں ان کے اعزاز کی برتری کا ثبوت ہے جو اس آیہ شریفہ سے ظاہر ہے۔

امام احمدؒ بیان کرتے ہیں کہ انہیں ابویمان اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عمارہ بن غزنہ انصاری حمید بن عبید' ثابت البنانی کے

حوالے سے بتایا کہ انس بن مالکؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپؐ نے (ایک دفعہ) جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آیا ان سے میکائیل علیہ السلام نے کبھی مزاحاً بھی کوئی بات کہی یا نہیں؟ آپ کے اس سوال کے جواب میں جبریل بولے: ''وہ (میکائیل) مجھ سے شاید مزاحاً یہی پوچھ سکتے تھے کہ (خدانخواستہ) میری خلقت بھی کہیں آگ سے تو نہیں''۔ صحیح ستہ میں بھی تفصیل سے بیان کی گئی ہیں نیز جیسا کہ پہلے ایک حدیث کے بیان میں بتایا جاچکا ہے ان تینوں فرشتوں کا نام اکثر آنحضرت ﷺ کی دعاؤں میں آیا ہے مثلاً: ''اللّٰھم رب جبریل و اسرافیل'' جس کی وضاحت سطور بالا میں کی جاچکی ہے۔ جبرائیلؑ انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف وحی لے جانے پر مامور تھے۔ میکائیلؑ بارش اور زمین پر نباتات کے مؤکل ہیں جس سے بندگان خدا کو اس دنیا میں رزق ملتا ہے۔ اس کام میں بے شمار فرشتے میکائیلؑ کے معاون ہیں جو حکم الٰہی کے تحت ان کے احکام بجالاتے ہیں' یعنی ہوا' ابر اور بارش کے سلسلے میں میکائیلؑ کے احکام پر عمل کرتے ہیں جب کہ خود میکائیل احکام خداوندی کے پابند ہیں۔ واضح رہے کہ بارش کی ہر بوند کے ساتھ میکائیل کے معاون کے طور پر ان کے حکم کے تحت بحکم رب العزت اس بوند کی نگرانی کے لیے ایک فرشتہ آسمان سے زمین کی طرف آتا ہے۔ رہے اسرافیل علیہ السلام تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روز قیامت صور پھونکنے پر مامور ہیں جب بنی نوع انسان صور کی آواز پر اپنی اپنی قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے اور حشر میں ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا یا سزا ملے گی۔ چنانچہ اس روز میکائیل اور اسرافیل علیہما السلام دونوں کے وہ کام ختم ہو جائیں گے جن پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔

جہاں تک ملک الموت کا تعلق ہے ان کا نام قرآن شریف یا احادیث صحاح یعنی صحاح ستہ میں کہیں تصریح کے ساتھ نہیں پایا جاتا ہے۔ البتہ بعض کتابوں میں عزرائیلؑ کے نام سے ان کا ذکر ملتا ہے۔ واللہ اعلم

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴾

''کہہ دیجیے (اے محمدؐ) ملک الموت تم سب کو موت سے ہمکنار کرے گا' پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ گے''۔

جب کسی انسان کی موت آتی ہے تو ملک الموت کے بے شمار معاون فرشتوں میں سے کوئی نہ کوئی فرشتہ اس انسان کی روح جسم سے کھینچ کر اس کے حلقوم میں پہنچا دیتا ہے۔ روح کے حلقوم میں پہنچ جانے کے بعد اس کی روح کو مکمل طور پر جسم سے خارج کرنے کا کام ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن وہ بھی اس کی روح کو مکمل طور پر سلب نہیں کرتا جب تک اس کی تکفین کے بعد اس کی تدفین نہیں ہو جاتی اور وہاں اس کی قبر میں منکر نکیر یعنی دو فرشتے جو اسی کام پر مامور ہیں اس سے اس کے مذہب و مسلک کے بارے میں سوالات کر کے ان کے جوابات حاصل نہیں کر لیتے جیسا کہ خود رب العزت کے اس ارشاد سے ثابت ہے:

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْآخِرَةِ ﴾

نکیرین کے ان سوالات اور بظاہر اس مردہ شخص کے جوابات کے بعد اگر وہ مرد یا عورت اعمال صالح کا پابند رہا/ رہی ہے تو اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ ادھر پرواز کر جاتی ہے۔ اس کے برعکس جن اشخاص نے زمین پر

زندہ رہتے ہوئے اعمال صالح کی پابندی نہیں کی ہوتی ان کی ارواح زمین و آسمان کی درمیان معلق کر دی جاتی ہیں جیسا کہ اس قرآنی آیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہے:

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَ هُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ○ ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ﴾

جیسا کہ ابن عباس، مجاہد اور متعدد دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ساری زمین ملک الموت کے سامنے ایسی ہے جس طرح کسی کے سامنے کھانے کا طشت رکھا ہوا ور وہ یعنی ملک الموت اس طشت میں سے حسب منشا کھاتا رہتا ہے۔

ہم کہیں اور یہ بیان کر چکے ہیں کہ جب کوئی انسان مرتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے دو طرح کے فرشتے آتے ہیں۔ اگر وہ شخص اپنی زندگی میں نیک اطوار رہا ہے تو اس وقت اس کے سامنے جو فرشتے آتے ہیں ان کے چہرے سفید اور روشن ہوتے ہیں لیکن بد اعمال لوگوں کے سامنے اس وقت اس کے برعکس یعنی کریہہ المنظر اور ہیبت ناک فرشتے آتے ہیں۔ خدا ہم مسلمانوں کو اس دوسری صورت سے اپنی پناہ میں رکھے۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ان کے والد، یحیٰ بن ابی یحیٰ مقری اور عمرو بن شمر نے جعفر بن محمد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو ان کے والد نے بتایا کہ انہوں نے ایک روز کسی انصاری کی موت کے وقت رسول اللہ ﷺ کو اس کے سرہانے کھڑے دیکھا۔ اس وقت آپ جیسا کہ آپ نے بعد میں ارشاد فرمایا ملک الموت سے مخاطب تھے، آپؐ نے اس سے فرمایا: ''اے ملک الموت! یہ میرا صحابی ہے اس کی روح نرمی سے قبض کرنا''۔ اس کے جواب میں ملک الموت نے آپؐ سے عرض کیا: ''یا محمد (ﷺ) آپ مطمئن رہیے، میں ہر مومن کا رفیق ہوں''۔ یعنی ہر مومن کی روح نرمی سے قبض کرتا ہوں۔ اس کے بعد ملک الموت نے آپؐ سے مزید عرض کیا: ''میں زمین کے تمام بحری و بری علاقوں سے پوری طرح واقف ہوں اور ان میں بسنے والوں کے بارے میں ہر روز پانچ مرتبہ تحقیق کرتا رہتا ہوں یعنی ان میں سے کس کس کی موت کا وقت آ پہنچا ہے اور کس کس کی روح قبض کرنے کا حکم مجھے میرے رب کی طرف سے ملنے والا ہے لیکن میں چاہوں بھی تو ان میں سے کسی کی روح کو حکم ربی کے بغیر (ہرگز) قبض نہیں کر سکتا''۔

جعفر ابن محمد (باقر) جو صادق کے لقب سے مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ انہیں ان کے والد نے بتایا کہ ''اگر اوقاتِ نماز کے دوران میں کوئی مسلمان عالم نزع میں ہوتا ہے تو ملک الموت جب اس کے سرہانے آتا ہے تو بشرطیکہ وہ مسلمان اپنی زندگی میں نماز کا پابند رہا ہوتا ہے شیطان کو اس کے قریب سے ہٹا کر اس مسلمان کو کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ اس کی عالم نزع کی تکلیف کم ہو جائے''۔

یہ حدیث مرسل ہے اس لیے محل نظر ہے۔

ہم حدیث صور کو اسماعیل بن رافع المدنی القاص کی زبانی محمد بن زیاد، محمد بن کعب قرظی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تفصیلاً پیش کرتے ہوئے بیان کر چکے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے مطابق جب اللہ تعالیٰ اسرائیل کو صور پھونکنے کا حکم دیں گے اور

اس کے بعد جب تمام ارض وسماوی مخلوق فنا ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ عرش کو حکم دیں گے کہ اسرافیل سے صور لے لیا جائے اور ملک الموت کو اسرافیل کی موت کا حکم دیا جائے اور پھر ملک الموت کو طلب فرما کر اس سے دریافت فرمائیں گے کہ ''اب کون باقی ہے؟ وہ رب العزت کی خدمت میں عرض کرے گا کہ تمام ارضی وسماوی مخلوق فنا ہو چکی بجز ان کے جنہیں تو نے ابھی موت سے ہمکنار کرنا نہیں چاہا'' ارشاد ہوگا: ''ہم بہتر جانتے ہیں تاہم تو بھی بتا'' ملک الموت عرض کرے گا: ''اب تیری ذات پاک کے علاوہ جو قائم و دائم رہنے والی ہے حاملان عرش اور جبرئیل ومیکائیل باقی ہیں'' حکم ہوگا: ''جبریل اور میکائیل کی ارواح بھی قبض کر لو'' اس وقت عرش الٰہی بول پڑے گا: ''یا رب العالمین کیا جبریل اور میکائیل بھی مرنے والے ہیں؟'' عرش سے یہ سن کر اللہ تعالیٰ عرش سے فرمائیں گے: ''خاموش! میں لکھ چکا ہوں کہ'' جو بھی میرے عرش کے نیچے ہیں ان سب کو موت سے ہمکنار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا وہ دونوں بھی مریں گے''۔

اس کے بعد ملک الموت (عزرائیلؑ) اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرے گا: ''میں نے جبریلؑ اور میکائیلؑ کی ارواح بھی قبض کر لی ہیں''۔ ارشاد ہوگا: ''پھر اب کون کون باقی ہے؟'' ملک الموت جواب دے گا۔ اب تیری ذات پاک کے علاوہ جو دائم وقائم رہنے والی ہے صرف حاملین عرش فرشتے باقی ہیں۔ حکم ہوگا: ''ان کی ارواح کو بھی قبض کر لو''۔ ملک الموت ان کی ارواح کو بھی قبض کر لے گا۔ اس کے بعد پھر ملک الموت حاضر ہو کر عرض کرے گا: ''یا رب العزت میں نے ان کی ارواح بھی قبض کر لی ہیں''۔ ارشاد ہوگا: ''اب کون کون باقی ہے؟''۔ ملک الموت جواب دے گا: ''اب تیری ذات پاک جو قائم ودائم رہنے والی ہے اور رہے گی کے علاوہ صرف تیرا یہ بندۂ ناچیز ابھی زندہ ہے''۔ ارشاد ہوگا: ''ہم نے جب تجھے پیدا کرنا چاہا تھا تو پیدا کر دیا تھا لیکن اب ہم چاہتے ہیں کہ تو بھی مر جا' لہٰذا مر جا''۔ چنانچہ ملک الموت بھی اس منشائے رب کے تحت مر جائے گا۔

اس حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ طبرانی' ابن جریر' اور بیہقی نے بیان کیا ہے نیز اسے حافظ ابو موسیٰ المدینی نے اپنی کتاب الطّوالات [1] میں پیش کرتے ہوئے اس میں کچھ اور عجیب وغریب اضافے کیے ہیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو تمام ارضی وسماوی مخلوقات کی موت کا حکم دے کر آخر میں خود اس سے فرمایا؟ ''تو بھی میری مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے' میں نے تجھے جب ارادہ کیا تھا تو پیدا کر دیا لیکن اب میرا حکم ہے کہ میری تمام مخلوقات کی طرح تو بھی مر جا اس طرح کہ تا ابدالاباد پھر کبھی زندہ نہ ہو۔ چنانچہ رب العزت کا یہ حکم سن کر ملک الموت کو بھی موت آ گئی وغیرہ وغیرہ۔

جن دو فرشتوں کے نام قرآن شریف میں ہاروت و ماروت بتائے گئے ہیں ان کا ذکر متقدمین کی ایک جماعت کے اکثر لوگوں نے بھی کیا ہے لیکن ان دونوں فرشتوں کے مامور من اللہ ہو کر انسانی شکلوں میں زمین پر آنے' ان کے متعلق دیگر واقعات اور ان کے مبینہ اعمال کی سزا کے بارے میں جملہ تفصیلات جو متعدد کتابوں میں ملتی ہیں وہ سب کی سب اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

---

[1] کشف الظنون میں بتایا گیا ہے کہ ''کتاب الطّوالات'' حافظ الکبیر ابی موسیٰ محمد بن ابی بکر عمر المدینی المتوفی ۵۸۱ ہجری کی تصنیف ہے جس میں حدیث صور کی مبالغہ آمیز اور بے سروپا باتوں کے علاوہ اور بہت سی من گھڑت اور ناقابل یقین باتیں درج ہیں۔ (محمود الامام)

اس سلسلے میں امام احمدؒ نے جو حدیث مرفوع بیان کی اس کی بھی جگہ جگہ ابن حبان نے تصحیح کی ہے۔ یہ حدیث ہمارے نزدیک بھی محل نظر ہے کیونکہ اس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا جو حوالہ دیا گیا ہے تو مذکورہ راوی نے بھی اس حکایت کی تفصیلات یقیناً کعب احبار سے سنی ہوں گی جو پہلے نصرانی تھے اور اکثر اسرائیلیات پر مبنی قصے سنایا کرتے تھے۔ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر عنقریب اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

ویسے اس تمثیل کا خلاصہ یہ ہے کہ زہرہ زمین پر انسانی مخلوق میں ایک حسین ترین عورت تھی جس کی خوبصورتی کا ذکر اس قصے کے ضمن میں حضرت علیؓ ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم کے بیان کردہ تذکروں میں پایا جاتا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ جب ہاروت و ماروت اس کی قربت کے طالب ہوئے تو زہرہ نے اس کی یہ شرط رکھی کہ وہ اسے اسم اعظم سکھا دیں جسے سیکھنے کے بعد وہ زمین سے اڑ کر آسمان پر ستارہ بن گئی۔

اس سلسلے میں حاکم اپنی کتاب مستدرک میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس زمانے میں زمین پر رہنے والی عورت اپنے حسن کے لحاظ سے ستارے زہرہ کی مثال تھی۔ ہمارے خیال میں حاکم کی یہ روایت قرین قیاس ہے اور اس لیے قابل قبول ہوسکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہاروت اور ماروت کا واقعہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے میں گزرا تھا' جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قصہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ہے تاہم ہم نے اسے اپنی تفسیر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے کی حکایات کے ضمن میں لکھا ہے۔

بہرکیف اس قصے کا مرجع کعب احبار ہیں اور عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں اسے ثوری موسیٰ بن عقبہ' سالمؒ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور کعب احبار ہی کے حوالے سے بطور حکایت پیش کیا ہے ویسے کعب احبار کے علاوہ یہ روایات ان بڑے ثقہ راویوں کے حوالے اور اسناد کے ذریعہ جس حد تک بیان کی گئی ہیں انہیں صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

جو لوگ قرآن کی آیہ شریفہ ﴿وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ﴾ میں ''ہاروت و ماروت'' سے جنات کے دو قبیلے مراد لیتے ہیں وہ بھی بڑی عجیب اور بعید از قیاس بات ہے اور ہر چند کہ ایسے لوگوں کے اس بیان کو ابن حزم نے روایت کیا ہے مگر چونکہ قرآن میں ''ملکین'' کے تلفظ کے لحاظ سے یہ بات غلط ٹھہرتی ہے اس لیے وہ قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ اس کے علاوہ جو لوگ مندرجہ بالا آیہ قرآن میں ''ملکین'' کے حرف کاف کو مکسور یعنی زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں ہاروت و ماروت فارس (ایران) کے دو حکمران (بادشاہ) تھے جنہیں ان کی رعایا پر شدید ظلم وستم کی وجہ سے سزا کے طور پر گورخر بنا دیا گیا تھا جیسے اس زمانے کے ایک اور ایرانی بادشاہ ضحاک کے شانوں سے اس کے اس قسم کے افعال قبیحہ کی بناء پر دو سانپ قدرت نے نمودار کر دیئے تھے جو وقتاً فوقتاً اس کا بھیجہ کھاتے رہتے تھے لیکن ان راویوں کا یہ بیان جگہ جگہ مذکورہ بالا قرآنی لفظ ''ملکین'' کے تلفظ کی وجہ سے غلط ٹھہرتا ہے۔

اس کے علاوہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے ہی تھے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی سزا دی گئی تھی۔ جیسے ابلیس کو جو فرشتہ ہی تھا اللہ تعالیٰ نے حکم عدولی کی سزا دی تھی۔ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ہاروت و ماروت فرشتے تھے اپنی جگہ

درست ہے لیکن ان کا بطور مثال یہ کہنا کہ ابلیس بھی فرشتہ ہی تھا سراسر غلط ہے کیونکہ وہ درحقیقت جن تھا۔ ہم اس موضوع پر انشاء اللہ عنقریب آگے چل کر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

حدیث میں دو اور فرشتوں کا منکر ونکیر کے نام سے ذکر آیا ہے اور حضور نبی کریم کے ارشاد گرامی کے بموجب قبر میں ہر میت سے اس کے رب' اس کے دین' اس کے نبی اور اس کے نیک و بد اعمال کے بارے میں سوالات کریں گے جس پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ مذکورہ حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان فرشتوں کے رنگ عام رنگوں سے مختلف ان کے چہرے عجیب و غریب بلکہ بھیانک اور ان کے دانت بہت لانبے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے سوالات کے جواب دینے میں ثابت الایمان اور قبر کے عذاب سے محفوظ رکھے' آمین!

ملک الجبال:

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن یوسف' ابن وہب اور یونس نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ ابن شہاب کو عروہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بتایا کہ (ایک روز) آنحضرت نے ان سے فرمایا کہ انہوں نے یوم احد یعنی جس روز میدان احد میں کفار مکہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ تھی اس روز سے زیادہ سخت دن کبھی دیکھا ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا: میں نے وہ دن دیکھا ہے' اس روز ابن عبد یالیل بن عبد کلال نے سمجھو میری جان ہی لے لی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دیا تھا اور اس سے طالب امداد تھا۔ بہر کیف اس نامراد اور دوسرے کفار مکہ نے مجھ پر اتنا ظلم کیا تھا کہ میں بتا نہیں سکتا۔ جب کفار مکہ یعنی خود میری قوم کی طرف سے مجھ پر یہ ظلم ہو رہا تھا تو میری نگاہ آسمان کی طرف گئی اور میں نے دیکھا ایک بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے اور اس ابر پارے سے ایک فرشتہ زمین کی طرف آ رہا ہے' جب وہ فرشتہ میرے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ جبریل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مجھے سلام کر کے کہا: ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے آپ کی قوم کا سلوک دیکھ لیا ہے اور آپ کے بارے میں اس کے نازیبا کلمات بھی سن لیے ہیں۔ اس نے مجھے تاکید کی ہے کہ اگر آپ کا حکم ہو تو میں روئے زمین پر جتنے جنگلات ہیں انہیں اٹھا کر آپ کی اس قوم پر الٹ دوں''۔ جبریل علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اس کرم بے پایاں کے بارے میں سن کر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جبریل علیہ السلام سے کہا: ''نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ان (کفار) کے اصلاب سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے جو صرف اسی کو معبود مانیں' اسی کی عبادت کریں اور کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں''۔ (حدیث نبوی کا توضیحی وتشریحی ترجمہ)

یہ حدیث مسلمؒ نے بھی ابن وہب کے حوالے سے بیان کی ہے۔

فصل: 1

تقسیم ملائکہ:

فرشتے اپنی اپنی ماہیتوں کی نسبت سے تقسیم کیے گئے ہیں۔ان میں سے کچھ تو حاملین عرش ہیں اور کچھ عرش کے چاروں طرف رہتے ہیں۔فرشتوں کی یہ دونوں قسمیں اشرف ملائکہ ہیں اور مقربین کہلاتی ہیں جن کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ جبریل اور میکائیل علیہم السلام بھی انہی ملائکہ مقربین میں شامل ہیں۔یہ فرشتے یعنی ملائکہ مقربین اگرچہ عام مسلمانوں کے سامنے نہیں آتے تاہم ان کے حق میں مغفرت کی دُعا کرتے رہتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ...... الخ﴾

جب یہ فرشتے اہل ایمان کو ان صفات سے متصف پاتے ہیں جن کے لیے وہ ان کے حق میں دُعا کرتے رہتے ہیں تو پھر وہ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:''جب کوئی بندہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے اس کے پیٹھ پیچھے دعائے خیر کرتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرے لیے بھی ایسی ہی یعنی ہماری یہی دعا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے فرشتے جو ساتوں آسمانوں میں قیام پذیر ہیں شب و روز اور صبح ہو یا شام ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت میں مصروف رہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ کسی وقت رب العزت کی عبادت سے غافل نہیں رہتے' کوئی ہمیشہ سجدے میں رہتا ہے اور کوئی قیام میں۔انہی فرشتوں میں وہ فرشتے بھی ہیں جو آگے پیچھے گروہ در گروہ ستر ستر ہزار کی تعداد میں بیت المعمور کی طرف جاتے ہیں لیکن ان فرشتوں کی تعداد اتنی ہے کہ ستر ہزار کے ایک گروہ کو دوبارہ بیت المعمور میں (عبادت کے لیے) دوبارہ جانا نصیب نہیں ہوتا جب کہ کچھ دوسرے جنات پر متعین ہیں نیز ان بزرگ ارواح پر جو آسمان پر قیام پذیر ہیں' یہ فرشتے ان کے اور ان کے متعلقین کے رہنے سہنے' کھانے پینے اور ملبوسات کا انتظام کرتے رہتے ہیں جس کے بارے میں (بلکہ اس حد تک) انسان کا خیال بھی نہیں جا سکتا۔

حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنت کا داروغہ بھی ایک فرشتہ ہے جو رضوان کہلاتا ہے' اس کا حدیث شریف میں تفصیل سے ذکر موجود ہے۔کچھ فرشتے ایسے ہیں جو دوزخ پر متعین ہیں' ان کی تعداد ۱۷ (سترہ) ہے' ان فرشتوں کا سرگروہ جو فرشتہ ہے اس کا نام مالک ہے اور دوزخ کی ساری آگ کا وہی نگران ہے۔دوزخ کے ان فرشتوں کا اور مالک کا قرآن شریف میں ذکر موجود ہے۔

کچھ فرشتے بنی نوع انسان کی حفاظت پر مامور ہیں۔والبی سے روایت ہے کہ ہر انسان کے گرد و پیش ایک ایک فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے لیکن اللہ ہی کے حکم سے اس کے پاس سے ہٹ جاتا ہے۔عکرمہ نے بھی ابن

عباس کے حوالے سے یہی روایت کی ہے۔

مجاہد کی روایت یہ ہے کہ ہر مومن پر ایک فرشتہ تعینات ہے کہ جو اس کی جنات' دوسرے انسانوں اور شیاطین سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور ان وسوسوں سے بھی اسے تحفظ دیتا ہے جو یہ سب اس کے دل میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس فرشتے کا یہ شغل اس مومن کے سلسلے میں اس کے سوتے جاگتے دن رات جاری رہتا ہے۔

ابو اسامہ[1] کہتے ہیں کہ کوئی آدم زاد ایسا نہیں جس کی حفاظت پر ایک فرشتہ مامور نہ ہو اور جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور آپ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو تو کوئی شخص کسی کو قتل بھی کرنا چاہے تو قتل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو فرشتے مامور ہیں جو ہر وقت اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں' یہ فرشتے یا تو اللہ کے حکم تحت دو حالتوں میں اس آدمی کے پاس سے ہٹتے ہیں ایک تو یہ کہ جو کچھ اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ اسے پیش آئے یا دوسری صورت میں اس کی موت کے وقت۔

دو فرشتے جو ''کراماً کاتبین'' کہلاتے ہیں ہر انسان کے اعمال کا ریکارڈ رکھتے ہیں ان کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ ویسے ''کراماً کاتبین'' یا نکیرین کے بارے میں حافظ ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اپنے والد' علی بن محمد طاقسی' وکیع' سفیان اور مسعر کی زبانی علقمہ بن یزید اور مجاہد کے حوالے سے حدیث نبوی (ﷺ) پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کراماً کاتبین آدمی کے پاس صرف دو حالتوں میں ہٹتے ہیں ایک تو اس وقت جب وہ حالتِ جنابت میں ہو یا غسل کر رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کو اپنا ستر غیر ضروری اوقات میں ڈھکے رہنا چاہیے تاکہ ان فرشتوں کو اس کے پاس سے ان اوقات میں ہٹنا نہ پڑے۔ یہ حدیث مرسل ہے تاہم اسے بزار نے جعفر بن سلیمان کے حوالے اپنی مسند میں شامل کیا ہے لیکن علقمہ اور مجاہد نے اسے محل نظر ٹھہرا کر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے اس سلسلے میں جو حدیث نبویؐ پیش کی ہے وہ زیادہ واضح ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے شرمی سے روکا ہے۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ نکیرین سے بھی شرم کیا کرو جو تم سے تین حالتوں کے سوا کبھی جدا نہیں ہوتے۔ ایک بوقت صحبت یعنی بیویوں سے ہم بستری' دوسری حالتِ جنابت' تیسری حالت غسل کی ہے کہ جب تم برہنہ ہو سکتے ہو پھر فرمایا کہ غسل کے بعد جو کپڑا وغیرہ میسر ہو وہ پہن لیا کرو یا اس سے اپنے جسم کا وہ حصہ چھپا لیا کرو جو ''ستر'' کہلاتا ہے اور جس کے ڈھانپے بغیر نماز نہیں ہوتی کیونکہ ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اخلاق کریمانہ عطا فرمائے ہیں جو ان کے نام سے ظاہر ہے' یہ فرشتے اعمالِ قبیحہ کے وقت آدمی سے دور ہٹ جاتے ہیں۔ (ترجمہ مفہومی وتوضیحی)

یہ حدیث جملہ صحاح' سنن اور مسانید میں ملتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فرشتے کسی ایسے مکان میں بھی داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی کتا' مجسمہ یا تصویر ہو۔ ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لفظ ''بول'' کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ یعنی جس گھر میں جگہ جگہ (بیت الخلاء کے علاوہ) پیشاب پڑا ہو یا کیا جاتا ہو۔ رافع کی روایت

[1] ایک نسخے میں ابوامامہ لکھا ہے۔ (مرتب)

مرفوع میں بحوالہ سعید ہے کہ فرشتے تصویروں اور مجسموں والے گھر میں داخل نہیں ہوتے جب کہ مجاہد نے جو مشہور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں تصویر یا مجسمے کے ساتھ کتے کا بھی ذکر ہے۔ ذکوان ابی صالح سماک نے جو حدیث ابو ہریرہ کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے ان لوگوں کے ہمراہ نہیں ہوتے جو اپنے ساتھ کتے یا ناقوس (سنکھ) لے کر چلتے ہیں۔

بزارؒ کہتے ہیں کہ ان سے یہ حدیث اسحاق بن سلیمان بغدادی المعروف فلوس' بیان بن حمران اور سلام نے محمد بن سیرین اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا اور بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے بنی آدم کے اقوال و اعمال کی مناسبت سے اسے پہچانتے ہیں اور ان کا ذرہ ذرہ حساب رکھتے ہیں' پس جب کوئی آدم اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرتا ہے تو وہ (دونوں) فرشتے آپس میں اس کے بارے میں گفتگو کرتے کہتے ہیں کہ اس کی رات خیر و فلاح کے ساتھ گزرے لیکن جب کسی شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتے ہیں تو اس کے بارے میں باہم گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص رات کو ہلاک ہو جائے سلام مدینی نے اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے۔

بخاریؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے یکے بعد دیگرے روز و شب آسمان سے زمین پر اترتے رہتے ہیں' وہ دونوں گروہ فجر اور عصر کی نماز میں ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں' پھر جب وہ لوٹ کر آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ ''تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟'' اس پر وہ دونوں گروہ باری باری سے ایک ہی جواب دیتے ہیں کہ ''ہم نے انہیں آتے جاتے دونوں وقت نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا''۔

یہ روایت بخاریؒ نے سیاق و سباق کے ساتھ عنوان ''تخلیق کی ابتدا'' کے تحت بیان کی ہے اور اسی کو مسلمؒ کے علاوہ دوسرے راویوں نے بھی بطور خاص اس موضوع کے تحت پیش کیا ہے اور اسی وجہ سے پیش کیا ہے۔

بزارؒ زیاد بن ایوب' مبشر بن اسماعیل حلبی اور تمام بن نجیع کی زبانی حسن یعنی حسن بصریؒ اور انسؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاتب اعمال فرشتے جب کسی شخص کا دن بھر کا صحیفہ اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کے لیے رب العزت سے طلبِ مغفرت کرتے ہیں تو وہ فرماتا ہے کہ صحیفے کے دونوں کناروں کے درمیان جو کچھ تم نے لکھا ہے اس کا حساب کتاب میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ یہ حدیث جو تمام بن نجیع نے بطور خاص انتخاب کر کے پیش کی ہے وہ ''حدیث صالح'' ہے تاہم اسے ابن معین نے ''ثقہ'' اور بخاری وغیرہ نے ضعیف ٹھہرایا ہے لیکن امام احمدؒ کے نزدیک اس کا اصل مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہر شخص کا نامہ اعمال لکھنے کے لیے اس کے ساتھ دو فرشتے رکھے گئے ہیں جن میں سے ایک اس کے آگے اور ایک پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کے حسب الحکم اس کے تمام اقوال و اعمال ریکارڈ کرتے رہتے ہیں اور امام احمدؒ ہی کے بقول ہر شخص کے دائیں اور بائیں دو فرشتے اس کام کے لیے مامور ہیں جیسا کہ خود کلام الٰہی سے ثابت ہے کہ:

﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾

اس ضمن میں اس حدیث کے علاوہ ایک حدیث امام احمدؒ نے متعدد ثقہ حوالوں سے روایت کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ: تم میں سے ہر فرد واحد میں (اور بنا بریں ہر انسان میں) کچھ قرینے (خصائل شر) جنوں کے اور کچھ قرینے (خصائل خیر) فرشتوں کے جمع ہیں۔ یہ سن کر آپؐ کے صحابہؓ نے آپؐ سے پوچھا: اور آپؐ میں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے صفات پر پیدا کیا ہے یعنی مجھ میں تمام خصائل خیر جمع کیے گئے ہیں۔

اس حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا استخراج مسلمؒ نے منصور کی روایت سے کیا ہے جس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہر انسان میں خیر و شر دونوں کی استعداد بلحاظ تخلیق موجود ہے پھر یہ بھی کہ اسے شیاطین راہِ خیر سے بھٹکا بھی سکتے ہیں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کلی طور پر بحکم الٰہی معصوم ہیں اس لیے نہ آپ کو شیطان کسی وسوسے میں مبتلا کر سکتا ہے اور نہ آپ کے نامہ اعمال میں بجز خیر کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ وباللہ المستعان.

امام بخاریؒ احمد بن یونس' ابراہیم بن سعد اور ابن شہاب کی زبانی اور ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن' الاغر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے روز فرشتے مسجد کے ہر دروازے پر آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے والے ہر نمازی کا نام یکے بعد دیگرے لکھتے رہتے ہیں پھر جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنا صحیفہ سمیٹ کر قرآن سننے لگتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم میں بھی انہی الفاظ میں درج ہے اور منفرد کر کے پیش کی گئی ہے۔ درج ذیل آیہ شریفہ فرشتوں کے شب و روز کلمہ شہادت ورد زبان رکھنے کی طرف اشارہ ہے نیز یہ بھی کہ وہ وقت فجر مساجد میں آ کر قرآن سنتے ہیں:

﴿ وَ قُرْآنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴾

یہ روایت ترمذی' نسائی اور ابن ماجہ نے اسباط کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کی ہے مگر ہمارے نزدیک بلحاظ تسلسل روایت یہ منقطع ہے۔

بخاریؒ نے متعدد ثقہ راویوں بشمول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''نماز جمعہ کی فضیلت ہر دوسری نماز کی فضیلت سے پچیس گنا ہے نیز یہ کہ رات اور دن کے فرشتے نماز فجر کے وقت جمع ہو کر قرآن سنتے ہیں''۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی تم جب چاہو تلاوت کرو لیکن خود قرآن کی شہادت یہ ہے کہ فجر کے وقت اس کی تلاوت فرشتے بھی سنتے ہیں اور تمہیں تلاوت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں:

﴿ وَ قُرْآنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴾

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے مسدد اور ابوعوانہ نے اعمش' ابی حازم اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی مرد (رات کو) اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ (بوجہ خفگی) انکار کر دے تو فرشتے صبح تک اس (عورت) پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ حدیث' شعبہ' ابوحمزہ' ابوداؤد اور ابو معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعمش کے حوالے سے روایت کی ہے۔

ایک دوسری حدیث نبوی جو صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں درج ہے یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب امام (نماز میں) آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ امام کے پیچھے (کھڑا ہوا) جو شخص (مقتدی) آمین کہنے میں سبقت کرتا ہے۔ فرشتے اس شخص کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں خود اسماعیلؒ (بخاریؒ) کے الفاظ یہ ہیں کہ امام کے پیچھے جو (مقتدی) اس کے آمین کہنے کے بعد آمین کہنے میں سبقت کرتا ہے تو ملائکہ آسمان پر آمین کہنے کے بعد اس (مقتدی) کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں امام مالکؒ کی روایت کردہ سمی' ابی صالح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حدیث نبوی (ﷺ) یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جب امام (نماز میں) سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ لَکَ الْحَمْدُ کہو (کیونکہ) جو (مقتدی) امام کی اتباع میں یہ الفاظ کہتا ہے اور اس میں (دوسرے مقتدیوں پر) سبقت کرتا ہے تو فرشتے اس (مقتدی) کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں''۔

یہ حدیث امام مالکؒ کے حوالے سے ابن ماجہ کے سوا راویوں کی پوری جماعت نے روایت کی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابو معاویہ اور اعمش کی زبانی ابی صالح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا ابی سعید ہو شک (یعنی الاعمش) کے حوالوں کے ساتھ یہ حدیث نبوی (ﷺ) سنی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے روئے زمین پر سیاحت کرتے رہتے ہیں اور وہ جب کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو اس کے حق میں دُعائے خیر کرتے ہیں اور جب وہ (زمین سے) پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں دیکھا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ تیرے ذکر میں مشغول تھے' پھر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے پوچھتا ہے کہ کیا میرے ان بندوں نے مجھے دیکھا ہے۔ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں لیکن تیرے ذکر میں ان کی حد درجہ مشغولیت سے ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ تجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے دریافت فرماتا ہے کہ میرے وہ بندے مجھ سے کس چیز کے طالب تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: ''جنت کے'' اس پر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے دریافت فرماتے ہے کہ آیا میرے ان بندوں نے جنت دیکھی ہے؟ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دیکھی تو نہیں لیکن ان کی طلب میں جو شدت تھی اس سے محسوس ہوا جیسے وہ جنت کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے کہ وہ میرے بندے میری پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں؟ وہ (فرشتے) جواب دیتے ہیں کہ آگ (دوزخ) سے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے آگ (دوزخ) کو دیکھا ہے۔ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ (یقیناً) دیکھا تو نہیں لیکن اس کے خوف اور دہشت کی شدت کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آتش جہنم ان کے سامنے ہے۔

ان فرشتوں سے اپنے ان سوالات کے یہ جوابات سن کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے ان سب کی مغفرت کر دی۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اگر اس قوم کے کسی فرد سے کوئی خطا بھی سرزد ہوئی ہے تو میں اس کی التجائے جنت رد نہیں کروں گا کیونکہ اس قوم کا وہ فرد (یا اس کے کچھ افراد) اس قوم کے جلیس ہیں جس کا تم نے ذکر کیا (یعنی اس قوم کی وجہ سے اس کے کسی اکا دکا فرد کا

گناہ قابل معافی ہے)

یہی حدیث بخاریؒ نے اسی طرح قتیبہ' جریر بن عبدالحمید اور اعمش کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس کے اصل راوی شعبہ ہیں جنہوں نے اسے اعمش کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ تاہم بخاریؒ نے اس پر زور نہیں دیا لیکن یہ حدیث سہیل نے اپنے والد کے حوالے سے زور دے کر روایت کی ہے جب کہ امام احمدؒ نے اس حدیث کو عفان' وہیب' سہیل' سہیل کے والد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے اس کی روایت میں بخاری ہی جیسا انداز اختیار کیا ہے۔

یہی حدیث مسلمؒ نے محمد بن حاتم' بہز بن اسد اور وہب کے حوالے سے روایت کی ہے۔ اسے امام احمدؒ نے بھی غندر' شعبہ اور سلیمان (یعنی اعمش' ابی صالح اور ابو ہریرہؓ) کے حوالے سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا کہ بخاریؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو معاویہ' اعمش اور ابن نمیر نے بیان کیا اور اعمش نے ابی صالح اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بھی انہیں اطلاع دی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص کسی مومن کو کسی دنیاوی کرب سے نجات دلائے تو اللہ تعالیٰ روز قیامت کے کرب سے دنیا میں اس مومن کے کرب سے نجات دہندہ کو نجات بخشے گا۔ نیز یہ کہ جس شخص نے دنیا میں کسی مومن کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس شخص کی پردہ پوشی فرمائے گا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی (ضرور) مدد فرماتا ہے جو اپنے کسی بھائی کی مدد کرتا ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں وہ راستہ اپنایا جس سے مقصد حصول علم ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت تک پہنچنے کا راستہ آسان بنا دے گا اور جو شخص مساجد میں سے کسی مسجد میں لوگوں کو اس لیے جمع کرے کہ وہاں قرآن شریف کی تلاوت کی جائے اور باہم ذکر اللہ کے رسول (ﷺ) کی ثنا کی جائے تو اس پر اور وہاں جمع ہونے والے جملہ حضرات پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے' ان کے چہار جانب فرشتے جمع ہو جاتے ہیں اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ آسمان پر رہنے والے ان فرشتوں سے بھی فرماتا ہے جو اس وقت اس کے نزدیک ہوتے ہیں (البتہ) جس کے (نیک) عمل میں تاخیر ہوتی ہے (اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان) اس کا نسب (یعنی اس کا پھیلاؤ) ہرگز سریع نہیں ہو سکتا''۔ یہی حدیث مسلمؒ نے بھی ابو معاویہ کی روایت کردہ حدیث کے طور پر بیان کی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے اغر (ابی مسلم) اور ابی سعید (اعمش) کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو قوم اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے جمع ہوتی ہے تو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ فرشتے اس کے چہار جانب جمع نہ ہوں' اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ رحمت میں نہ لے اور اس پر امن وسکون نازل نہ فرمائے اور جو فرشتے اس کے نزدیک ہوں ان سے اس قوم کا ذکر نہ کرے''۔ یہی حدیث امام احمدؒ نے انہی الفاظ میں اسرائیل' سفیان ثوری اور شعبہ کی روایت کردہ حدیث کے طور پر ابی اسحٰق کے حوالے سے بیان کی ہے۔ نیز اس حدیث کو مسلمؒ نے شعبہ' ترمذی' اور ثوریؒ (سفیان ثوری) کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کرتے ہوئے اسے ''حسن اور صحیح'' لکھا ہے جب کہ ابن ماجہ نے اس حدیث کو ابی بکر بن ابی شیبہ' یحییٰ بن آدم' عمار بن زریق اور ابی اسحٰق کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ ان موضوعات پر مبنی احادیث کتب احادیث میں کثرت

پائی جاتی ہیں۔

مسند امام احمدؒ اور سنن ابوداؤد میں بطور مرفوع بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے طالب علم کی راہ میں اپنے پر بچھا دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس طالب علم کے سامنے محاورۃً بچھے رہتے ہیں اور اس طرح حصولِ علم کے لیے جو وہ کوشش کرتا ہے اس پر اظہارِ خوشنودی کرتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿واخفض لهما جناح الذُّلِّ مِن الرَّحمةِ﴾ اور ایک جگہ قرآن میں یہ بھی فرماتے ہیں: ﴿وَاخفِض جَناحَکَ لِمَنِ اتَّبعَکَ مِنَ الْمُؤمِنِیْنَ﴾ اس آیت میں بھی ﴿اِخفِض جَناحَکَ﴾ سے وہی مراد ہے یعنی اظہارِ تواضع وخوشنودی۔ (شادانی)

امام احمدؒ وکیعؒ کی زبانی سفیان' عبداللہ بن سائب' زاذان اور عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ کے لیے جو فرشتے روئے زمین کی سیاحت کرتے رہتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں''۔ یہ حدیث نسائی نے بھی سفیان ثوری اور سلیمان الاعمش دونوں کی روایت کردہ حدیث کے طور پر عبداللہ بن سائب کے حوالے سے پیش کی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے زہری' عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''ملائکہ نور سے' جنات آگ کے بہت بھڑکنے والے شعلے سے اور آدم (علیہ السلام) اسی طرح پیدا کیے گئے ہیں جیسا تم سے بیان کیا جا چکا ہے''۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی اسی طرح محمد بن رافع' عبدۃ بن حمید اور عبدالرزاق کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

ملائکہ کے ذکر پر مبنی احادیث اور بہت سی ہیں۔ ہم نے ان میں سے حتی الامکان جتنی ہوسکیں یہاں بتوفیق ربانی پیش کر دی ہیں۔ وله الحمد

فصل: 2

تفضیل ملائکہ:

انسان پر ملائکہ کی فضیلت کے بارے میں جو اقوال ہیں ان کے سلسلے میں لوگوں میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے تاہم یہ اختلاف اکثر و بیشتر متکلمین اور معتزلہ اور ان کے ہم خیال لوگوں کے مابین ہے جو ان کی کتابوں میں ملتا ہے۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب تاریخ میں اس مسئلے کی وضاحت کے سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز امیہ بن عمرو بن سعید بن عاص عمر ابن عبدالعزیزؒ کی مجلس میں حاضر تھے جس میں ایک جماعت پر مشتمل کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ ابن عساکر کے بقول اس مسئلے پر گفتگو کا آغاز خود عمر ابن عبدالعزیزؒ نے کیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں بنی آدم پر کسی دوسری مخلوق کو فضیلت نہیں بخشی اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں یہ قرآنی آیہ شریفہ بطور دلیل پیش کی:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُو الصَّالِحَاتِ اُولٰٓئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ﴾

ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ امیہ بن عمرو بن سعید نے بھی مندرجہ بالا قرآنی آیہ شریفہ کے پیش نظر عمر ابن عبدالعزیزؒ کے مذکورہ بالا دعوے کی تائید کی لیکن عراک ابن مالک نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان فرشتوں کو جو عرش اعظم کی خدمت پر مامور ہیں خصوصاً اس فرشتے کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسولوں کے پاس وحی لاتا رہا ہے بنی آدم پر فضیلت حاصل ہے۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اس نے یہ آیہ قرآنی پیش کی:

﴿ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخَالِدِيْنَ ﴾

عراک ابن مالک کی زبان سے فرشتوں کی مندرجہ بالا صفات اور اس کے مندرجہ بالا دعوے کی دلیل میں قرآن شریف کی یہ دوسری آیت سن کر عمر ابن عبدالعزیزؒ نے محمد بن کعب قرظی سے کہا کہ ان کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے۔ محمد بن کعب قرظی بولے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو فرشتوں پر فضیلت بخشی کیونکہ انہیں خود اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا' ان میں اپنی روح پھونکی' آدم کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور ان کی اولاد میں انبیاء اور رسول پیدا کیے جن کی زیارت کے لیے ان کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوتے رہے۔

ابن عساکر کے بقول محمد بن کعب قرظی کی ان باتوں کی عمر بن عبدالعزیزؒ نے تائید تو کی لیکن انہیں قرآن کی رو سے بے دلیل بتایا کیونکہ محمد بن کعب نے اس سلسلے میں کوئی قرآنی آیت پیش نہیں کی تھی بلکہ یہ بھی کہا کہ فرشتوں پر بنی آدم کی فضیلت کے دعوے کی دلیل میں خود انہوں نے جو آیت پیش کی تھی اس میں بھی:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُو الصَّالِحَاتِ ﴾

کی حد تک انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اس لیے ان کی یہ دلیل واقعی کمزور ثابت ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی

صفت میں: ﴿وَيُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ فرما کر فرشتوں کو شریک کیا ہے بلکہ بقول رب العزت: ﴿وَ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى آمَنَّا بِهِ﴾ اور ﴿وَ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ﴾ کہہ کر جنات بھی ایمان کی صفت میں شریک ہو جاتے ہیں۔

بہر کیف میرے خیال میں اس مسئلے میں جو استدلال عثمان بن سعید دارمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مرفوعاً کیا ہے وہ صحیح ترین ہے۔ (مؤلف) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا استدلال یہ ہے کہ:

لما خلق الله جنة قالت الملائكة يا ربنا اجعل لنا هذه نأكل منها و نشرب فانك خلقت الدنيا لبني آدم.

(یعنی جب اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا کی تو فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! اسے (جنت کو) ہمارے لیے مخصوص فرما دے تا کہ ہم اس میں سے کھائیں پئیں' تو نے بنی آدم کے لیے تو دنیا تخلیق فرما دی ہے) لیکن فرشتوں کی یہ گذارش سن کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں آدمؑ کی اولاد سے زیادہ صالح کوئی دوسری مخلوق ہرگز پیدا نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں نے آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا یعنی میں نے اس سے کہا ہو جا پس وہ ہو گیا۔

باب ٦

ذکرتخلیق جناتؑ وقصہ شیطان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ وَالْجَآنَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴾

مندرجہ بالا پہلی آیت میں الفاظ ''من مارج'' کے بارے میں ابن عباسؓ عکرمہ' مجاہدؒ حسن (بصری) اور متعدد دیگر علمائے دین کہتے ہیں کہ اس سے مراد بھڑکتی ہوئی آگ ہے جب کہ ایک دوسری روایت میں اسے خالص آگ بتایا گیا ہے۔

ہم نے تخلیق ملائکہ اور ان کے اوصاف کے ضمن میں اس سے قبل زہری کے توسط اور عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے حدیث نبویؐ درج کی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''ملائکہ نور سے' جنات آگ سے اور حضرت آدم علیہ السلام اس طرح پیدا کیے گئے جیسا کہ تمہیں پہلے بتایا جا چکا ہے''۔ یہ حدیث مسلمؒ سے مروی ہے۔

اکثر علمائے تفسیر کا بیان ہے کہ جنات آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیے گئے تھے جب کہ ان سے یعنی جنات سے قبل زمین پر حنون وبنون (شریر ارواح اور بلاؤں) نے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جنات کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان حنون وبنون کو ختم کر دیا اور ان کی جگہ زمین پر خود اپنی بستیاں بسا لیں۔

السدی نے اپنی تفسیر میں ابی مالک' ابی صالح' مرہ' ابن مسعودؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابیوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے حسب منشاء تخلیق کائنات سے فارغ ہوئے اور عرش پر میزان قائم فرما چکے تو ابلیس کو فرشتگانِ آسمانِ دنیا کا سربراہ بنا دیا۔ وہ ملائکہ کے اس قبیلے سے تھا جسے جن کہا جاتا تھا۔ ان کا نام جن اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہ جنت کے خازن تھے اور ابلیس بھی دوسرے فرشتوں کے ساتھ ان میں شامل تھا لیکن اس کے دل میں اس (باطل) خیال نے جڑ پکڑ لی کہ وہ جنت میں تمام فرشتوں کا سرگروہ بنا دیا گیا ہے۔

ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب جنات زمین پر فساد پھیلانے اور باہم قتل وغارت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے کچھ دوسرے فرشتوں کی معیت میں ابلیس کو وہاں بھیجا اور ان سب نے ان مفسد اور زمین پر ہلاکت خیزیوں میں ملوث جنات کو سمندری جزیروں کی طرف مار بھگایا۔

محمد بن اسحٰق خلاد' عطا' طاؤس اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور یوں معصیت کے اس ارتکاب سے قبل ابلیس کا نام عزازیل تھا۔ وہ اس وقت ان زمین پر رہنے والے فرشتوں میں جنہیں جن کہا جاتا تھا بلحاظ اجتہادؔ

قوت اور علم ممتاز تھا۔

ابن ابی حاتم سعید بن جبیر کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ اس (ابلیس) کا نام پہلے عزازیل تھا اور وہ چار پر دار بازو رکھنے والے فرشتوں میں اشرف سمجھا جاتا تھا۔ ابن حاتم نے اپنی اس روایت کا مزید استناد حجاج' ابن جریج اور ابن عباسؓ سے کرتے ہوئے ابن عباسؓ سے زبانی بتایا ہے کہ ابلیس اشرف الملائکہ اور اپنے قبیلے کی عظیم ترین شخصیت تھا۔ اسی لیے وہ فرشتوں کا خازن تھا اور آسمان اوّل کی سلطنت اس کے حوالے کی گئی تھی بلکہ زمین کی سلطنت بھی اس کے سپرد تھی اور وہ ''سلطان الارض'' کہلاتا تھا۔

توامہ کے غلام صالح ابن عباسؓ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس ہی ارض وسما کے مابین وسوسوں کی بنیاد بنا۔ یہ اصلاً ابن جریر کی روایت ہے جب کہ قتادہ سعید بن میسب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس پہلے آسمان دنیا میں رئیس الملائکہ تھا۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس کے علاوہ فرشتوں میں کوئی ''طرفتہ العین'' نہیں ہے کیونکہ وہ ''اصل الجن'' ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اصل البشر ہیں۔

شہر ابن حوشب کہتے ہیں کہ فرشتے ابلیس سے دور دور رہتے اور اسے بھی اپنے آپ سے دور دور رکھتے تھے لیکن بعض فرشتوں ہی نے اسے کچھ ایسے اسرار بتا دیئے کہ وہ ان کی وجہ سے زمین سے آسمان پر چلا گیا۔ یہ بھی ابن جریر کی روایت ہے۔

ایسی متعدد روایات ملتی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ تخلیق آدم سے قبل ابلیس سلطان الارض تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا اور ان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تا کہ ان کی اولاد زمین پر آباد ہو تو ابلیس نے جس کا نام پہلے عزازیل تھا اللہ تعالیٰ کے سامنے اس خدشے کا اظہار کیا کہ آدم کے نائب السلطنت ہو جانے کے بعد وہ اور ان کی اولاد اسے اور اس کی ذریت کو ہلاک کر کے اس کی زمین پر تمام ملکیت چھین لے گی جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ عبادت گزار ہے۔ اور اسے فرشتوں تک پر فوقیت حاصل ہے۔ تاہم جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر اس میں اپنی روح پھونک دی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو عزازیل حد درجہ حسد میں مبتلا ہو گیا اور آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی وہ اپنی اصل یعنی سرکش ہو گیا۔ لہٰذا اس وقت تک اس نے اللہ تعالیٰ کی جتنی عبادت کی تھی وہ اس کی حکم عدولی کی وجہ سے بے کار گئی اور وہ طوق لعنت میں یہ کہہ کر کہ میں آدمؑ سے افضل ہوں کیونکہ اس کی تخلیق مٹی سے اور میری آگ سے ہوئی ہے گرفتار ہو گیا اور اس سے قبل اسے فرشتوں پر سے جو مشابہت تھی بلکہ ان پر جو مرتبت حاصل تھی وہ آناً فاناً سلب کر لی گئی۔

ظاہر ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا تکبر اور اپنے رب کی نافرمانی تھی نیز اس کی پیدائش چونکہ آگ سے ہوئی تھی اس لیے اس کی سرشت میں سرکشی شامل تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے کہ جب اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں:

﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾

ان آیات مقدسہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے عزازیل (شیطان) کو دوسرے تمام فرشتوں سمیت حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ چنانچہ شیطان کے علاوہ جملہ ملائکہ نے آدم کو سجدہ کیا لیکن اس نے تکبر کیا اور آدم کو سجدے سے انکار کیا اور اس طرح ارتکاب کفر کیا نیز یہ کہ اس کے اس انکار کی وجہ اس کی آگ سے تخلیق اور قوم جنات سے ہونا تھا۔ دوسری آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے دریافت فرماتے ہیں کہ آیا وہ اسے (اللہ تعالیٰ کو) شیطان اور اس کی ذریت کی پیروی کریں گے؟ جب کہ وہ بنی آدم کی دشمنی میں سب سے آگے ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ظالموں کا انجام برا ہوتا ہے یعنی اگر بنی آدم شیطان کی پیروی کریں گے تو ان کا انجام بھی برا ہوگا۔ (توضیح از مترجم) [1]

انہی وجوہ کی بناء پر ابلیس یا شیطان کو جو پہلے عزازیل کہلاتا تھا۔ اور اسے ملائکہ میں بھی ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی ملاءِ اعلیٰ سے پستی میں گرایا گیا' وہاں کی سکونت اس کے لیے دائمی طور پر حرام قرار دی گئی' زمین کو ہمیشہ کے لیے اس کا مستقر بنایا گیا' اسے اور اس کی ذریت کے علاوہ خود اس کی قوم اور بنی آدم میں سے ان افراد کو جو اس کی اور اس کی ذریت کی پیروی کریں گے بطور سزا آتش دوزخ کا مستحق ٹھہرایا گیا جس سے انہیں خبردار بھی کر دیا گیا۔ البتہ وہ جن ہوں یا انسان ان میں سے جو بھی صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے انہیں جزائے خیر کی بشارت دی گئی۔ جیسا کہ درج ذیل آیہ شریفہ سے واضح ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾

اور فرمایا:

﴿ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ○ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَّ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴾

اس قصے کا مزید تفصیلی ذکر ہم تخلیق آدم علیہ السلام کے ذکر کے موقع پر ان شاء اللہ عنقریب کریں گے۔ یہاں ہمارا مقصد صرف یہ واضح کرنا تھا کہ جنات کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور وہ بھی بنی آدم کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور ان کا سلسلہ توالد و تناسل بھی انہی کی طرح چلتا ہے نیز کہ ان میں بھی مومن و کافر دونوں موجود ہیں۔ جیسا کہ سورۂ جن کی درج ذیل آیات قرآنی سے ثابت ہے:

---

[1] چونکہ مؤلف نے حسبِ معمول ان آیات شریفہ کی وضاحت نہیں کی اس لیے یہاں ان کی وضاحت کروں گا حالانکہ آیاتِ قرآنی کی تفسیر مترجم کا منصب نہیں۔ (شادانی)

① ﴿وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ○ قَالُوْا یَا قَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا کِتَابًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ یَا قَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْلَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَ یُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ وَ مَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَآءُ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ﴾

② ﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَا اَحَدًا ○ وَ اَنَّهٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ○ وَ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ○ وَّاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا ○ وَاَنَّهٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ○ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا کَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ○ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا ○ وَّاَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْلَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ○ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَبِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ○ وَّاَنَّا مِنَّا الصَّالِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذَالِکَ کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ○ وَّاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ○ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰی اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ یُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ○ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقَاسِطُوْنَ ○ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ○ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ○ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنَاهُمْ مَّآءً غَدَقًا لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ○ وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّهٖ یَسْلُکْهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾

ہم نے اس سورت کی تفسیر اور جنات کا یہ تمام قصہ سورہ احقاف کی تفسیر کے آخر میں پیش کیا ہے۔ اور اس سلسلے کی جملہ متعلقہ حادیث بھی وہیں پیش کی ہیں۔ ویسے نصیبین اور بصرے کے بعض جنات کا ذکر کچھ کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ وہ مکے میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ کچھ دور چلے' پھر جہاں آپؐ نے ایک درخت کے نیچے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کی تو وہ وہاں ٹھہر کر آپ کی زبان مبارک سے قرآن کی تلاوت سنتے رہے۔ اس کے علاوہ کچھ کتابوں میں یہ ذکر بھی کیا گیا ہے کہ ایک بار خود آنحضرت ﷺ کی ان کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی جس کے دوران میں انہوں نے آپ سے قرآن کی رو سے بعض اوامر و نواہی کے بارے میں سوالات کیے اور آپ نے ان کے جوابات انہیں دیئے نیز یہ کہ آپ نے انہیں ہڈیوں اور جانوروں کے چارے میں جو لید پائی جاتی ہے اس سے استنجا کرنے سے منع فرمایا کیونکہ ہڈیوں پر خدا کا نام لکھا ہوتا ہے جن پر کچھ نہ کچھ گوشت بھی ہوتا ہے اور چارہ جانور کھاتے ہیں۔ وہ ان کے جن بھائیوں کی خوراک بھی ہوتے ہیں۔ آپؐ نے انہیں سوراخ میں پیشاب کرنے سے بھی منع فرمایا کیونکہ اس میں (اکثر) ان کے جن بھائیوں کی رہائش ہوتی ہے۔ آپؐ نے انہیں سورۂ رحمٰن بھی سنائی جس میں بار بار ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ﴾ آتا ہے۔ اسے سن کر انہوں نے کہا الحمد للہ خدا کی نشانیوں میں سے کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وہ تکذیب کرتے ہوں لیکن یہی سورت جب آپؐ نے انسانوں کی ایک جماعت کو سنائی اور اس میں بار بار وہی آیہ شریفہ یعنی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ﴾ آیا تو اسے سن کر وہ لوگ خاموش رہے۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا کہ ''تم سے جن ہی بہتر ہیں جنہوں نے

اس کلام خداوندی کی نہ صرف یہ کہ تردید نہیں کی بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی نشانی نہیں جس کی وہ تکذیب کرتے ہوں''۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

چونکہ جنات کے ایمان لانے کا کوئی حتمی تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے اس لیے اس بارے میں علمائے دین میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ جنت میں جائیں گے یا محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی وجہ سے آتش دوزخ کے عذاب سے نجات پائیں گے۔

بہر کیف اس بارے میں دو صحیح اقوال یہ ہیں کہ بربنائے فیض قرآنی اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے اس عمومی ارشاد کے مطابق کہ ﴿ وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ﴾ یعنی اپنے رب کے مقام حاکمیت کو سمجھنے اور اس سے ڈرنے والے سب کے سب جنت میں جائیں گے' ایسے جنات کا بھی جنت میں جانا یقینی ہے۔ واللہ اعلم

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے قتیبہ نے مالک' عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی سعید الخدری سے فرمایا کہ آپؐ نے انہیں جنگل میں بکریوں کی گلہ بانی کرتے ملاحظہ فرمایا ہے تاہم اگر انہوں (ابی سعید) نے وہاں جن وانس میں سے کسی مؤذن کی آواز اذان سنے بغیر خود ہی بآواز بلند اذان دے کر بروقت نماز ادا کر لی ہو تو روز قیامت ان کی یہی اذان ونماز ان کے اعمال کی گواہ بن جائیں گی۔ مسلم کے علاوہ اس حدیث نبوی (ﷺ) کو بخاری نے منفرد کر کے روایت کیا ہے۔

اگرچہ کافر اور وہ جنات (شیاطین) جن کا جداعلیٰ ابلیس ہے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے ازلی دشمن ہیں اور بنی آدم کو راہِ حق سے بھٹکانے اور ورغلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے نہ قیامت تک چھوڑیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان جنات کا جو اس پر ایمان لائے اور عمر بھر اس کی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر کمربستہ رہے صرف یہی عمل ان کی مغفرت کے لیے کافی ہے۔ ہم نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشادات کی روشنی میں کہی ہے:

① ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ وَّ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا﴾

(اس آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مخاطب کر کے ان اہل ایمان کا ذکر فرمایا ہے جو اس (شیطان) کے دائرہ اختیار سے باہر رہ کر صرف اپنے رب کی حمایت ووکالت کو کافی سمجھتے ہیں)۔ [1]

② ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَمَا کَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطَانٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِیْ شَکٍّ وَّ رَبُّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ﴾

(اس آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک نبی کریم ﷺ کی تسلی وتشفی کے لیے ارشاد فرمایا کہ آپ کی امت میں کچھ ہی لوگ ابلیس کے فریب میں آ سکتے ہیں لیکن حقیقتاً اہل ایمان پر اسے تسلط حاصل نہیں ہوسکتا' اللہ تعالیٰ شکی لوگوں اور ان لوگوں کو جو

[1] اس آیہ شریفہ کی قوسین (.........) میں توضیحی عبارت مترجم کی ہے۔ (شادانی)

آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اچھی طرح جانتا ہے اور وہی ہر شے کا حفیظ مطلق ہے)۔ [1]

ان آیاتِ قرآنی سے قبل ہم ان آیات میں سے کچھ آیات پیش کر چکے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو یہ حکم دینے کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تکمیل لیکن شیطان کی طرف سے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار' اس کی اس سرکشی و نافرمانی' جنات کی آگ سے تخلیق' ان کی زمین پر آبادیاں لیکن ان کی مفسدہ پردازی کی وجہ سے فرشتوں کے ذریعہ ان کی سطح ارضی سے بے دخلی اور سمندری جزائر میں ان کی آبادی وغیرہ کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ آگے چل کر ہم آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ضمن میں شیطان اور اس کی فتنہ پردازی کے تفصیلی واقعات پیش کریں گے اور آیاتِ قرآنی اور احادیث سے ان کے حوالے بھی پیش کریں گے' ان شاء اللہ تعالیٰ و هو المستعان و لله الحمد.

ویسے نصِ قرآنی کے مطابق ابلیس کی شیطانی کارگزاریاں ہنوز جاری ہیں اور تا قیامت جاری رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ و كان اسمهٗ قبل معصية العظيمة عزازيل اور نقاش نے اس کی کنیت ابوبکر دوس بتائی ہے اور اس کے علاوہ ایک روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے صیاد سے دریافت کیا کہ آیا انہوں نے کبھی شیطان کو دیکھا؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ ''جی ہاں' اس کا عرش سمندر پر ہے'' صیاد سے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ ''اس کے بارے میں تمہارا اندازہ حد سے زیادہ ہے حالانکہ اس کی قدر و قیمت زیادہ دنی' خسیس اور حقیر ہے''۔

اس روایت کے بارے میں کہ ابلیس کا عرش (اس کی مستقل سکونت) سمندر پر ہے' امام احمدؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

عرش ابليس في البحر يبعث سراياه في كل يوم يفتنون الناس فاعظمهم عنده منزلة اعظمهم فتنة للناس.

(یعنی ابلیس کی مستقل سکونت سمندر میں ہے لیکن وہ انسانوں کو فریب دینے اور ان میں فتنے پھیلانے کے لیے وہاں سے تمام روئے زمین پر گھومتا رہتا ہے اس لیے خود اس کے نزدیک اس کی مستقل اور عظیم ترین منزل انسانوں میں فتنہ پردازی ہے)۔

امام احمدؒ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ان سے روح اور ابن جریج نے بیان کیا اور ابوالزبیر نے بھی انہیں بتایا کہ جابر بن عبداللہ نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا کہ ''ابلیس کی مستقل قیام گاہ سمندر میں ہے لیکن وہ (شب و روز) انسانی برادری میں چکر لگاتا رہتا ہے اور ان میں فتنے پھیلانے کو اپنی واحد اور عظیم ترین منزل سمجھتا ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ نے اس سلسلے میں اس حدیث کی روایت کو منفرد حیثیت دی ہے اس حدیث کو جابرؓ نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ (مؤلف)

امام احمدؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ ان سے مومل' حماد اور علی بن زید نے جابر بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ابن صائد سے فرمایا کہ انہیں ابلیس کے بارے میں کچھ معلوم ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ اس کا عرش یعنی اس

---

[1] اس آیہ شریفہ کی قوسین (..........) میں توضیحی عبارت مترجم کی ہے۔ (شادانی)

کی قیام گاہ سمندر میں ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا' اس کی مستقل قیام گاہ سمندر میں ہے۔

ہم نے ابلیس کی طرف سے بنی آدم میں تفرقہ پردازی کا ذکر آیہ قرآنی: ﴿مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ﴾ کی تفسیر کے ضمن میں تفصیل سے کیا ہے (مؤلف) نیز سورہ والناس بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ (مؤلف)

صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں انس سے اور صحیح بخاری میں صفیہ بنت حسین سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان بنی آدم سے خون کی روانی سلب کر لیتا ہے۔

حافظ ابویعلیٰ موصلی بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن جبیر' عدی بن ابی عمارہ اور زیاد نمیری نے انس کے حوالے سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان کا ہدف ابن آدم علیہ السلام کا دل ہے۔ اور اگر اس کے دل میں نسیان کا عارضہ جڑ پکڑ لے تو اسی کو "وسواس الخناس" سمجھنا چاہیے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر شیطان کے پیدا کردہ ان وسوسوں کا علاج ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "و اذکر ربک اذ نسیت"۔

صاحب موسیٰ کے بقول ان کے قلب میں شیطان کا سب سے بڑا نسیان پیدا کرنا یہ کہ وہ ان کے دل سے خدا کی یاد بھلا دے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا: "فانساہ الشیطان ذکر ربه" اور یہی وسوسہ یعنی نسیان کا عارضہ شیطان نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں ڈالنے کی متواتر کوشش کی جس کی وجہ سے انہیں قید خانے میں دو سال گزارنے پڑے جس کے بعد انہوں نے کہا: "وقال الذی نجا منهما و اذکر بعد أمة" (یعنی بعد مدت) جس کے بعد انہوں نے اسے نسیان کے نام سے یاد کیا (یعنی ساقی) جب نسیان پیدا کرنے والے کو ساقی کہتے ہیں تو ہمارا مطلب یہی ہوتا ہے اور دونوں اقوال کے مطابق یہی صحیح ہے جس کا ذکر ہم نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ واللہ اعلم

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر اور شعبہ نے عاصم کے حوالے سے بیان کیا کہ عاصم نے ابوتمیمہ کو رسول اللہ ﷺ کے ردیف (پس پشت سوار) کے حوالے سے کہتے ہوئے سنا کہ آپؐ کے اس ردیف کی زبان پر کسی روز اپنے گھوڑے کے بارے "نفس الشیطان" آیا تو آپؐ نے اسے ٹوک کر فرمایا کہ یہ کہنے سے تو اس کی سرکشی اور بڑھے گی' اس لیے تم اس کی لگام قوت سے کھینچ کر پہلے اسے روکو پھر بسم اللہ کہہ کر اسے آگے بڑھاؤ۔ ابوتمیمہ نے آنحضرت ﷺ کے اس ردیف کو اس کے بعد یہ کہتے سنا کہ "جب میں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی تو میرا گھوڑا اپنی تیز رفتاری بھول کر حسب معمول بڑی دھیمی رفتار سے چلنے لگا"۔

یہ روایت امام احمدؒ نے منفرد کر کے پیش کی ہے جس کی اسناد بڑی جید اور قوی ہیں۔ (مؤلف)

امام احمدؒ سے بحوالہ ابوبکر الحنفی' ضحاک بن عثمان' سعید المقبری اور ابوہریرہؓ ایک اور روایت یہ ہے کہ ابوہریرہؓ کے بقول آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کسی کو مسجد میں شیطان کی موجودگی محسوس ہو تو وہ اسے اللہ کا نام لے کر اس طرح روکے جیسے کسی سرکش گھوڑے کو اس کی لگام کھینچ کر روکا جاتا ہے"۔ اس کے بعد ابوہریرہؓ نے مزید کہا کہ "تم اسے (شیطان کو) مسجد میں اکثر دیکھو گے لیکن تم میں سے ہر شخص کی زبان پر "الا اللہ" نہیں ہوگا' جیسے ملجم کی زبان پر مسجد میں بھی اللہ تعالیٰ عزوجل کا ذکر نہیں تھا"۔ امام احمدؒ نے اس روایت کو بطور روایت منفرد پیش کیا ہے۔

امام احمدؒ ہی کی ابن نمیر اور ثور یعنی ابن یزید کی زبانی اور مکحول اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کردہ ایک اور روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "العین حق" فرما کر مزید فرمایا کہ "شیطان کو یہ بات مستحضر تھی لیکن اس کے باوجود اس نے آدم (علیہ السلام) سے حسد کیا"۔

امام احمدؒ ہی شیطان کے بارے میں ایک اور روایت وکیع کی زبانی اور سفیان، منصور، ذر بن عبداللہ ہمدانی، عبداللہ بن شداد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے ایک (عجیب) شے کو آسمان کی طرف اترتے اور اپنی طرف مائل ہوتے دیکھا تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس سے گفتگو کروں لیکن میں نے فوراً ہی اپنے نفس کو اس خواہش پر تنبیہ کی"۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کا مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کے بارے میں دریافت کرنا تھا لیکن آپؐ نے اسے صرف یہ جواب دیا کہ "اللہ اکبر" خدا کا شکر ہے کہ اس نے (تمہارے ایمان کی پختگی کے ذریعہ) اس وسوسے کے مکر کو رد فرما دیا"۔ اس روایت کو ابوداؤد اور نسائی نے حدیث منصور کے طور پر پیش کیا ہے جب کہ نسائی اور اعمش دونوں نے اس میں ابی ذر کے حوالے کا اضافہ کیا ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن بکیر اور لیث نے عقیل اور ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور انہیں بتایا کہ ابن شہاب سے عروہ نے اور عروہ سے ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے تو پہلے یہ کہتا ہے کہ یہ چیز کس نے پیدا کی؟ وہ چیز کس نے پیدا کی؟ اور آخر میں پوچھتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ لہٰذا جب وہ یہ سوال کرے تو تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے اسے بھگا دیا کرو۔

ایسی ہی ایک روایت مسلمؒ نے حدیث لیث اور حدیث زہری نیز حدیث ہشام اور حدیث بن عروہ کے طور پر پیش کی ہے جب کہ آخر الذکر دونوں نے اسے عروہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تمہارے پاس شیاطین آئیں تو ان کے قرب سے اپنے رب کی پناہ مانگا کرو۔ اس کے علاوہ ایک اور جگہ فرمایا کہ جب شیطان کی طرف سے کوئی متنازعہ بات تمہیں الجھن میں ڈالے تو تم اللہ کی پناہ طلب کیا کرو کہ وہ سمیع و علیم ہے نیز ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب قرآن پڑھے تو اس سے قبل اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہا کرے کیونکہ اہل ایمان پر شیطان کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اس لیے کہ وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں بلکہ اسے (صرف) ان لوگوں پر اختیار ہے جو اس کی پیروی کرتے اور شراکت باللہ میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

امام احمدؒ نے نیز دیگر اہل سنت نے المتوکل کی زبانی اور ابی سعید کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں شیطان مردود کے وسوسے، اس کے تکبر اور اس کی شیخیوں یا جادوگری سے اللہ تعالیٰ سمیع و علیم کی پناہ کا طالب ہوں"۔

ایسی ہی ایک حدیث جبیر بن مطعم، عبداللہ بن مسعود اور ابی اسامہ باہلی نے بھی روایت کی ہے۔

8

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں انس کے حوالے سے درج ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بھی بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تو اس سے قبل ''اعوذ باللہ من الخبث و الخبائث'' (ضرور) فرمایا کرتے تھے۔ انس سے یہ بھی روایت ہے کہ اکثر علماء شیاطین کے ذکور واناث سب کے مکر وفریب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔

امام احمدؒ نے شریح، عیسیٰ بن یونس، ثور حسین، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صحابی ابن سعد الخیر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (ﷺ) روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب کوئی بیت الخلا جائے تو (اپنی نگاہوں کی) پردہ داری کرے کیونکہ اس کے پیٹ سے اس وقت جو کچھ خارج ہوتا ہے وہ غلاظت وکثافت کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ شیطان اس وقت بنی آدم کے مقاعد سے کھیلتا ہے اس لیے وہ شخص اس پردہ داری سے شیطان کے نقصان پہنچانے سے محفوظ رہے گا (ترجمہ لفظی و مفہومی) اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ثور بن یزید کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عثمان بن ابی شیبہ اور جریر نے اعمش اور عدی بن ثابت کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر دونوں کو سلیمان بن صرد نے بتایا کہ ''(ایک روز) جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو وہاں دو آدمی اس حالت میں آئے کہ وہ ایک دوسرے کو نہ صرف برا بھلا کہہ رہے بلکہ غصے میں گالیاں بھی دے رہے تھے، یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: ''میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جو انہیں اس غیض وغضب سے نجات دلاسکتا ہے''۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ انہیں (اپنی اپنی جگہ) اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سن کر حاضرین نے ان دونوں میں سے ایک شخص سے پوچھا: جو کچھ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کیا تم نے وہ سنا؟ اس سوال کے جواب میں وہ بولا: ''کیا میں دیوانہ ہوں؟'' (یعنی آپ کا ارشاد اس نے سن لیا اور اسے بخوبی سمجھ گیا ہے) مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے بھی اس حدیث کو اعمش کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

امام احمدؒ اپنی مسند میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبیداللہ بن عمر نے نافع اور ابن عمر کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ وہ اپنی شمالی جانب سے کچھ کھائے یا پئے اور اسی طرف سے شیطان اس کے اس اکل وشرب میں شریک نہ ہوتا ہو۔

یہ روایت صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں موجود ہے لیکن صحیح بخاری میں اس حدیث کے ضمن میں مندرجہ بالا اسناد کے علاوہ کئی دیگر مستند حوالے بھی دیے گئے ہیں جن کی بنیاد پر یہ حدیث صحیح ترین ٹھہرتی ہے۔

اس قبیل کی ایک اور حدیث امام احمدؒ نے اسماعیل بن ابی حکیم، عروہ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی شمالی جانب سے کچھ پیتا ہے تو شیطان بھی (اس کے ساتھ) اسی جانب سے پیتا ہے۔

امام احمدؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر نے بیان کیا اور انہیں شعبہ نے بھی ابی زیاد الطحان کے حوالے سے بتایا کہ ابی زیاد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (ایک روز) آپؐ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو کھڑے ہو

کر کچھ پی رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے اس شخص سے فرمایا کہ آیا وہ یہ پسند کرے گا کہ اس کے اس (طرح) پینے میں کراہت شامل ہو جائے؟ وہ بولا: ''ہرگز نہیں'' اس کا یہ جواب سن کر آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے اس طرح پینے سے تمہاری اس پینے والی چیز میں شیطانی کراہت شامل ہو جاتی ہے اور شیطان کا شر بھی۔ اس حدیث میں جو کچھ آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں بیان کیا ہے اس کی وجہ سے امام احمدؒ نے اسے بطور خاص اور منفرد ذکر کے بیان کیا ہے۔

امام احمد ہی سے بحوالہ عبدالرزاق' معمر' ایک دوسرے راوی اور ابو ہریرہؓ کی زبانی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص کھڑے ہو کر کچھ پی رہا ہے اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے پیٹ میں کیا جا رہا ہے تو وہ فوراً الٹی کر دے''۔ امام احمدؒ نے چند دوسرے حوالوں سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے موسیٰ اور ابن لہیعہ نے زبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ زبیر نے جابر سے کہا کہ ''میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مکان میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اس کے مکان سے یہ کہہ کر نکل جاتا ہے کہ اس گھر میں میرا دن میں یا رات میں قیام ناممکن ہے لیکن جب وہ شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت بسم اللہ نہیں کہتا تو شیطان کہتا ہے کہ ''میں ان اہل خانہ کو سمجھ گیا ہوں اس لیے میرا یہاں دن اور رات دونوں وقت قیام آسان ہے''۔ زبیر کے اس سوال پر کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے تو جابرؓ نے جواب دیا: بالکل صحیح یعنی آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا تھا۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن مسلمہ نے مالکؒ' عبداللہ بن دینار اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آفتاب کے طلوع وغروب کے وقت نماز نہ پڑھا کرو کیونکہ یہ اوقات شیطان یا اوقاتِ شیاطین ہوتے ہیں۔

بخاریؒ نے انہی حوالوں سے یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ جب کبھی آنحضرت ﷺ مشرق کی طرف رُخ فرما کر ایستادہ ہوتے تو فرماتے: ''افسوس: فتنہ اس طرف سے اُٹھے گا اور وہ صدی بھی شیطانی صدی ہوگی''۔

''سنن'' میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دھوپ اور سائے کی درمیانی جگہ میں بیٹھنے سے یہ فرما کر منع فرمایا ہے کہ ایسی جگہوں پر شیطان کی مجلس ہوتی ہے۔

چونکہ عام لوگ شیطانی برائیوں اور ملائکہ کے حسن اخلاق میں امتیاز نہیں کر سکتے اس لیے وہ طلوع آفتاب پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے طلوع آفتاب کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ﴿طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُؤُسُ الشَّيَاطِيْنِ﴾

چونکہ طلوع آفتاب کے بعد جس طرح روئے زمین پر ہر طرف آثار حیات نظر آنے لگتے ہیں اور تمام انسانی برادری عموماً مصروفِ کار ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح شیطان اور اس کی ذریت کی ابلہ فریبی میں اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ ایک زمانے میں تو طلوع آفتاب کی چمک دمک دیکھ کر انسانوں کی معتدبہ تعداد آفتاب پرستی میں مبتلا ہو گئی تھی اور اس کو اپنا بھگوان یا معبود سمجھنے لگے تھے جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں شیطان کے پیدا کردہ وسوسے تھے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے خوبصورت اور آفتاب کی طرح روشن چہرے سے نقاب اٹھتے ہی زلیخا کے پاس بیٹھی ہوئی عورتیں پکار اٹھی تھیں کہ: ﴿حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ

کَرِیْمٌ﴾ (سورہ یوسف)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حسن یوسف کو تابش آفتاب سے مماثل قرار دیتے ہوئے زلیخا کی ساتھی عورتوں کے مذکورہ بالا فریب میں مبتلا ہونے کو وسوسہ شیطانی فرمایا بلکہ خود طلوع آفتاب کے بارے میں انسان کے دھوکا کھا جانے کی وجہ سے طلعھا کانہ رؤس الشیاطین فرمایا۔

بخاریؒ متعدد ثقہ ومستند راویوں کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب شام ہونے لگے یا آفتاب غروب ہو جائے تو اپنے بچوں کو گھر میں بلا لیا کرو کیونکہ اس وقت شیاطین ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں اور جب رات کی ایک گھڑی گزر جائے تو اپنے مکان کا دروازہ بند کر کے اپنے بچوں کو سلا دیا کرو اور ان کی نگرانی کیا کرو نیز چراغ بجھا دیا کرو البتہ اگر اس وقت کچھ گھریلو کام مثلاً برتنوں میں پانی بھرنا یا آٹے میں خمیر ملانا وغیرہ رہ جائے تو اسے بلا ناغہ اللہ کا نام لے کر شروع کیا کرو کیونکہ اللہ کا نام لینے سے شیاطین تمہارے کسی کام سے تعارض کر سکتے ہیں نہ اس میں خلل ڈال سکتے ہیں۔ (ترجمہ لفظی ومفہومی)

امام احمدؒ یحییٰ اور ابن جریج کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ شیطان بند دروازے نہیں کھول سکتا۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے آدم اور شعبہ[1] نے منصور' سالم بن ابی الجعد' کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے اہل وعیال کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہے کہ یا اللہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو شیطان سے بچا اور اسے بھی جو تو نے بطور رزق ہمیں عطا فرمایا ہے شیطان سے بچا تو اگر ان میاں بیوی کا کوئی بچہ ہو گا تو اسے شیطان کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اس پر مسلط بھی نہ ہو سکے گا۔

بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے اعمش نے بھی سالم' کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایسی ہی ایک حدیث بیان کی۔

بخاریؒ ہی نے اس حدیث کو اسماعیل' ہمام' منصور' سالم' کریب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ان الفاظ میں بھی روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے اہل خانہ کے پاس آئے اور بسم اللہ کہہ کر یہ کہے کہ یا اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو رزق تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے اسے بھی شیطان سے بچا تو اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی بیٹا دیا ہو گا تو شیطان اسے بھی کبھی کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے اسماعیل اور ان کے اپنے بھائی نے سلیمان' یحییٰ بن سعید' سعید بن مسیبؒ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب شیطان تم میں سے کسی کے سر پر آتا ہے تو اس پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر اپنا ٹھکانہ بنا لیتا ہے اور اس کی وہ تینوں گرہیں تمام رات اپنی اپنی جگہ قائم رہتی ہیں لیکن اگر وہ شخص رات ہی کو کسی وقت اللہ کا نام لے کر اس کا (اللہ تعالیٰ کا) ذکر کرنے لگے تو پھر اس کے سر یا جسم سے شیطان کی لگائی ہوئی پہلی گرہ کھل جائے گی اور اگر

---

[1] ایک نسخے میں آدم اور شعبہ کے بجائے منصور اور سالم لکھا ہے۔ (محمود الامام)

وہ شخص وضو کرے تو اس کے جسم سے شیطان کی لگائی ہوئی دوسری گرہ کھل جائے گی اور اگر وہ شخص وضو کر کے نماز پڑھنے لگے تو شیطان کی لگائی ہوئی دوسری گرہ کھل جائے گی اور وہ صبح کو تروتازہ ہو کر اٹھے گا لیکن اگر کوئی شخص یہ تینوں باتیں نہ کرے تو شیطان کی لگائی ہوئی وہ تینوں گرہیں اپنی اپنی جگہ بدستور قائم رہیں گی اور وہ شخص صبح کو جب اٹھے گا تو اپنے سارے جسم میں اضمحلال اور کسلمندی محسوس کرے گا۔

مسلمؒ نے اس حدیث کو بشر بن حکم اور دردادی کے حوالے سے روایت کیا ہے جب کہ نسائی نے اسے محمد بن زنبور اور عبدالعزیز بن حازم کے حوالے سے روایت کیا ہے تاہم آخرالذکران دونوں نے اس میں یزید بن ہادی کا حوالہ دیا ہے۔

بخاریؒ نے اسی قبیل کی ایک اور حدیث عثمان بن ابی شیبہ کی زبانی اور جریر، منصور، ابی وائل اور عبداللہ کے حوالے سے روایت کی ہے جس میں ایک ایسے شخص کا ذکر آیا ہے جس کے دونوں کانوں یا ایک کان میں شیطان نے رات بھر ڈیرا ڈالے رکھا اور جب وہ شخص صبح کو بیدار ہوا تو اسے وہاں اس کی موجودگی محسوس ہوئی۔

امام احمدؒ متعدد دیگر راویوں کے علاوہ انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز باجماعت میں صفیں سیدھی رکھا کرو اور دوسرے نمازیوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرو کیونکہ دو نمازیوں کے درمیان اگر ذرا بھی خالی جگہ رہ جاتی ہے تو شیطان اس جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

امام احمدؒ ایک دوسری حدیث قتادہ اور انس بن مالک کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''نماز (باجماعت) میں صفیں سیدھی رکھا کرو اور باہم مل کر کھڑے ہوا کرو اور اپنی اپنی گردنوں کی طرف سے بھی ہوشیار رہا کرو، جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے صفوں کے خلاء میں شیطان کو کھڑے دیکھا ہے جیسے وہ جگہ اس کے لیے خالی تھی''۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابومعمر، عبدالوارث اور یونس نے حمید بن ہلال، ابی صالح اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم دو آدمی برابر چل رہے اور کوئی تیسرا شخص تم دونوں کے درمیان گھس کر چلنے کی کوشش کرے تو اسے منع کرو لیکن اگر وہ نہ مانے تو دوبارہ منع کرو اور اگر وہ پھر بھی نہ مانے تو اسے قتل کر دو کیونکہ وہ (درحقیقت) شیطان ہے''۔

اس حدیث کو مسلم اور ابوداؤد نے بھی سلیمان بن مغیرہ کی بیان کردہ حدیث کی صورت میں حمید بن ہلال کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

بخاریؒ نے اس قرآنی آیہ شریفہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جس میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ

﴿رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

روح، غندر، شعبہ، محمد بن ابی زیاد اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ضمناً بیان کی ہے کہ آنحضرت

ﷺ نے فرمایا کہ ''جب کوئی جن میرے قریب سے گزرا تو میں نے گرم ہوا کا جھونکا اپنے اوپر آتے محسوس کیا ہے۔ یہی حال میں نے اس وقت محسوس کیا جب میں مسجد کی طرف نماز کے لیے جا رہا تھا' وہ یقیناً کوئی جن یا شیطان تھا میری نماز سے مجھے روکنا چاہتا تھا' میں نے اس سے رابطہ قائم کرنا چاہا کہ تم لوگ بھی صبح کی نماز کے لیے مسجد کی طرف آتے ہوئے اسے دیکھ لو لیکن اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم سے) اسے میرے پاس سے دفع کر کے مجھے اس کے خطرے سے بچا لیا۔ اس وقت میں نے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی وہ دعا پڑھی جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے یعنی:

﴿رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (ترجمہ لفظی ومفہومی)

جنابِ روح اس حدیث کے بیان میں یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے شیطان کو ذلیل کر کے بھگا دیا تھا۔

مسلمؒ ابی ادریس کی زبانی ابی درداء کے حوالے سے ایک روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابی ادریس کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے ایک دن رسول اللہ (ﷺ) کو نماز کے دوران میں: ''اعوذ باللہ منک'' فرماتے ہوئے سنا' پھر آپ نے اسی نماز کے دوران میں تین بار ''العنک بلعنۃ اللہ'' فرمایا اور اپنا ہاتھ اس طرح اٹھایا جیسے آپ کچھ تناول فرما رہے ہوں۔

ابی ادریس کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ''میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ) آج میں نے نماز میں آپ کی زبان مبارک سے وہ کلمات سنے جو پہلے کبھی نہیں سنے تھے' دوسرے یہ کہ آپؐ نے اپنا ہاتھ بھی اٹھایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ''وہ شیطان تھا جو میرے منہ پر آگ کا ایک شعلہ پھینکنا چاہتا تھا تو میں نے پہلے اسے مخاطب کر کے کہا کہ ''اعوذ باللہ منک'' اور پھر کہا کہ ''العنک بلعنۃ اللہ'' اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ''میں نے اسے پکڑنے کو اپنا ہاتھ اٹھایا تھا لیکن وہ (کم بخت) بھاگ نکلا ورنہ صبح کو اہل مدینہ کے بچے اس کی لاش سے جو گیند کی شکل کی ہوتی کھیل رہے ہوتے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾

یہاں غرور سے مراد شیطان ہے (مؤلف) اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحَابِ السَّعِيْرِ ﴾

شیطان کسی انسان کے پاس یونہی نہیں آتا بلکہ اپنے جملہ مکروفریب کے حربوں کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوتا ہے جن کا ذکر حافظ ابوبکر بن ابی الدنیا نے اپنی کتاب موسومہ ''مصائد الشیطان'' میں تفصیل سے کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ واقعی بہت مفید ہے۔ (مؤلف)

''سنن ابی داؤد'' میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے:

و اعوذ بک ان یتخبطنی الشیطان عند الموت.

بعض روایات میں آپ کی دعا یہ بھی لکھی ہے:

یا رب وعزک و جلالک لا أزال اغوثبهم مادامت ارواحهم فی اجسادهم.

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

و عزتی وجلالی و لا ازال لهم ما استغفرونی.

شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَّاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ومصدق اور شیطان کا وعدہ باطل ہے۔ (مؤلف)

ترمذی ونسائی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں عطاء بن سائب، مرہ ہمدانی اور ابن مسعودؓ کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اور شیطان میں انسان کے لیے بالترتیب خیر وشر کی (زیادہ سے زیادہ) استعداد پائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب کوئی (سمجھدار) انسان اپنے حق میں بھلائی دیکھتا ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے لیکن جب وہ اپنے حق میں کوئی برائی دیکھتا ہے تو اسے شیطان سے منسوب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ آیہ شریفہ پڑھی:

﴿ اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَّاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾

ہم سورۂ بقرہ کے فضائل میں بیان کر چکے ہیں کہ جس مکان میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے اس مکان سے شیطان بھاگ جاتا ہے نیز آیت الکرسی کے فضائل بیان کرتے ہوئے ہم بتا چکے ہیں کہ جس گھر میں رات کے وقت یہ آیت پڑھی جاتی ہے شیطان صبح تک اس گھر کے قریب نہیں آتا۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا نیز امام مالک نے ابی صالح اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ" سو مرتبہ کہا اس کے لیے دس گنا اجر ہوتا ہے، اس کے حق میں سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی جو سو برائیاں لکھی ہوتی ہیں وہ مٹا دی جاتی ہیں اور یہ کلمات اس شخص کے لیے اس روز شام تک شیطان کے خلاف حفاظتی تعویذ بنے رہتے ہیں، پس کسی شخص کے لیے اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ ان کلمات کا اکثر ورد کرتا رہے۔

اس حدیث کو مسلمؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے مالکؒ کے حوالے سے روایت کیا ہے اور ترمذیؒ نے اسے حسن اور صحیح بتایا ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابوالیمان اور شعیب نے ابی الزناد، اعرج اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت نے فرمایا کہ "ہر انسان اپنی ہر برائی پر بالاعلان ہر پہلو سے شیطان کو مطعون کرتا ہے اور جب کوئی بچہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی طرح (یعنی باپ کے نام ونشان بغیر) پیدا ہوتا ہے تب بھی وہ مخفی طور پر ہی سہی شیطان ہی کو مطعون کرتا ہے"۔ بخاریؒ نے اسی بناء پر اس حدیث کو منفرد کر کے پیش کیا ہے۔

بخاریؒ عاصم بن علی اور ابن ابی ذئب کی زبانی اور سعید المقبری، ان کے والد اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت

کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''ہر انسان کو برائیوں کی رغبت (یقیناً) شیطان ہی دلاتا ہے لیکن جب کوئی انسان کسی برائی کے ارتکاب سے حتی الوسع کوشش کے باوجود بچ نہیں پاتا اور (بعد میں) ہا (افسوس) کہتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے''۔ امام احمدؒ، ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور نسائی نے اسے ابن ابی ذیب کے حوالے سے بیان کر کے صحیح قرار دیا ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور سفیان نے محمد بن عجلان' سعید المقبری ان کے والد اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ (ظاہر ہے) انسان کی نیکیوں کو پسند اور اس کی برائیوں کو ناپسند فرماتا ہے لیکن جب کوئی انسان برائیوں کے ارتکاب پر ''ہاہا'' کرتا ہے تو دراصل وہ شیطان کا قہقہہ ہوتا ہے''۔ ترمذیؒ اور نسائی نے اس حدیث کو محمد بن عجلان کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے حسن بن ربیع اور ابوالاحوص نے اشعث' اشعث کے والد اور مسروق کے حوالے سے بیان کیا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے (ایک روز) رسول اللہ ﷺ سے نماز کے دوران میں کسی نمازی کے نماز کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف دھیان جانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ''وہ شیطانی اختلاس (وسوسہ) ہے جو شیطان تم میں سے کسی نمازی کے دل میں اس کے نماز پڑھتے وقت ڈالتا ہے''۔ یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے بھی مسروق کے حوالے سے اشعث بن ابی شعثاء' سلیم بن اسود المحاربی اور محاربی کے والد کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کی ہے۔

بخاریؒ نے بطور روایت اوزاعی یحییٰ بن ابی کثیر' عبداللہ بن ابی قتادہ اور ابی قتادہ کے حوالے سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''سچے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جب کہ دوسرے خوابوں کا باعث شیطان ہوتا ہے لیکن وہ برے خوابوں کا باعث بننے سے قبل خواب دیکھنے والے کے دل میں خوف پیدا کرتا ہے لیکن اگر کوئی شخص بائیں طرف (کروٹ بدل کر) تھوک دے اور اعوذ باللہ کہے تو وہ شیطان کا پیدا کردہ خوف دور ہو جاتا ہے اور اس شخص کو شیطان سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ (ترجمہ توضیحی)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے ہمام اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی شخص تمہیں یہ مشورہ نہیں دیتا کہ تم اپنے کسی بھائی کے خلاف ہتھیار اٹھاؤ بلکہ وہ مشورہ شیطان کا ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص شیطان کے اس مشورے پر عمل کرتا ہے تو اس کی سزا آگ کا گڑھا ہے''۔ امام احمد اس حدیث کا استخراج عبدالرزاق کی روایت سے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ شیطان کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

① ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ﴾

② ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ ۣ الْكَوَاكِبِ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ○لَا يَسَّمَّعُونَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُورًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ○ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾

③ ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ○ وَ حَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ○ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ﴾

④ ﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِيْنُ ○ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ﴾

جنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اخباراً یہ فرمایا:

﴿وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا ○ وَ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا﴾

بخاری اور لیث کہتے ہیں کہ ان دونوں سے الگ الگ خالد بن یزید نے سعید بن ہلال کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو ابوالاسود نے عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ آسمان سے زمین کی طرف آتے ہوئے جب بادلوں کے درمیان سے گزرتے ہیں تو آپس میں کسی کلمہ کا تبادلہ کرتے ہیں جسے شیاطین سن کر کاہن کے کان میں اس طرح ٹپکاتے ہیں جیسے قارورے کا قطرہ ٹپکتا ہے اور اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹے کلمات بھی اس طرح ٹپکا دیتے ہیں۔

بخاری و مسلم نے مندرجہ بالا حدیث کی روایت کے آخر میں زہری کی بیان کردہ روایت کے طور پر یحییٰ بن عروہ بن زبیر کے حوالے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہن کی پیشگوئیوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ سب فضول ہوتی ہیں۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ سے یہی سوال کیا اور عرض کیا کہ کاہنوں کی کچھ باتیں درست بھی تو ثابت ہوتی ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ (کاہن) جو کچھ سچ کہتا ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ شیاطین آسمان سے زمین کی طرف مائل پرواز فرشتوں کی کچھ مبنی برحقیقت باتیں اچک کر ان کے کانوں میں اڑتے ہوئے پرندوں کی بیٹ کی طرح ٹپکا دیتے ہیں جن میں کاہن اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹی سچی باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ (ترجمہ مفہومی وتوضیحی) اس حدیث کی روایت کے آخری الفاظ بخاریؒ کے ہیں۔ (مؤلف)

اسی قبیل کی ایک اور حدیث روایت کرتے ہوئے بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے حمیری بن سفیان اور عمرو نے بیان کیا جب کہ آخر الذکر کے بقول انہوں نے عکرمہ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب روئے زمین کے باسیوں یا خود زمین کے بارے میں بارگاہ خداوندی سے کچھ احکام آسمان دنیا کے فرشتوں تک یکے بعد دیگرے منتقل ہوتے ہیں تو وہ انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتے ہیں لیکن جب ان کی ترسیل فرشتے باہم اسی طرح کرتے ہیں جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کچھ پیغامات باہم گروہ درگروہ منتقل کرتے رہتے ہیں تو انہیں آسمان و زمین کے درمیان کچھ چور شیاطین اچک کر کاہنوں اور ساحروں کے کانوں میں قطرات کی طرح منتقل کر دیتے ہیں اور یوں وہ کاہن یا ساحر زمین کے باسیوں یا زمین پر وقوع پذیر ہونے والے واقعات و حادثات کے بارے میں تھوڑی بہت ٹھیک پیشگوئیاں کرنے پر قدرت حاصل کر لیتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے اندازے سے ان میں سینکڑوں جھوٹی باتوں کی آمیزش بھی کر دیتے ہیں اس لیے وہ اکثر غلط ثابت ہوتی ہیں۔ (ترجمہ توضیحی) اس

حدیث کو بخاریؒ نے بطور حدیث منفرد پیش کیا ہے جب کہ مسلمؒ نے اسے زہری کی روایت کردہ حدیث کے طور پر علی بن حسین زین العابدینؒ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور انصار کے کچھ راویان حدیث کے حوالے سے قریباً اسی طرح پیش کیا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات یہ ہیں:

① ﴿وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ○ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ حَتّٰى اِذَا جَآءَ نَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ﴾

② ﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾

③ ﴿وَقَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَا اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلَالٍ بَعِيْدٍ ○ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ○ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾

④ ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ○ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○ وَلِتَصْغٰى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ﴾

ہم ملائکہ کے اوصاف پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ملائکہ اور جنات کے بارے میں جو حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کی جا رہی ہے وہ امام احمدؒ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان سے عثمان بن ابی شیبہ اور جریر نے قابوس، قابوس کے والد مسمیٰ حصین بن جندب یعنی ابوظبیان الجنبی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسے شیاطین سے واسطہ نہ پڑا ہو"۔

آپ سے یہ سن کر لوگوں نے عرض کیا: "اور یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں میرا بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور میں (ان کے جال سے) سلامت رہا"۔

یہ حدیث امام احمدؒ نے صحیح بخاریؒ کی سند پر پیش کی ہے۔ (مؤلف)

امام احمدؒ نے اسی قبیل کی ایک اور حدیث دیگر راویوں کے علاوہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے روایت کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ "ایک روز شب کے وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس سے اٹھے تو میں نے آپؐ سے پوچھا: "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا بات ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "شیطان آ گیا تھا"۔ میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "شیطان؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا شیطان آپؐ کے پاس بھی آ سکتا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں" میں نے عرض کیا: "اور میرے پاس؟" آپؐ نے فرمایا: ہاں وہ ہر انسان کے پاس آ سکتا ہے، وہ ابھی میرے نزدیک بھی آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور مجھے اس کے فریب سے بچا لیا"۔

یہی حدیث مسلمؒ نے بھی ہارون یعنی ابن سعید کے حوالے اور چند دیگر اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ (مؤلف)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے قتیبہ بن سعید اور ابن لہیعہ نے موسیٰ بن وردان اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''شیطان ہر مومن کو اپنی شرارتوں سے اسی طرح پریشان کرتا ہے جیسے تم میں سے کسی کا شریر اونٹ دورانِ سفر اپنے سوار کو پریشان کرتا ہے''۔

امام احمدؒ نے شیطان کی اس خصوصی حرکت کی وجہ سے جو اس حدیث سے ظاہر ہے اس حدیث کو منفرد ذکر کے پیش کیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان یوں تو ہر انسان کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے لیکن جب وہ یہ حرکت کسی مومن کے ساتھ کرتا ہے تا کہ اس کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر غلبہ پالے اور اسے ذلیل کرے مگر وہ مومن کے ساتھ اپنے ایمان کی بنیاد پر وہی سلوک کرتا ہے جو کسی شریر اونٹ کا ماہر سوار اپنے اونٹ کے ساتھ کرتا ہے اور آخر کار اس پر قابو پالیتا ہے۔ (مؤلف)

ابلیس کی انہی حرکات کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے اخباراً یوں فرمائی:

﴿قَالَ فَبِمَا اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِیْنَ○﴾

(یعنی مومن جس جس طرح شیطان کے غلبے سے بچتے ہیں وہ سب طریقے اور قوتِ ایمانی سب کی سب اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتے ہیں لیکن اس خبر کے آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ پاک ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ آپ اس کے باوجود اکثر اہل ایمان کو بھی شکر گزار نہیں پائیں گے (آیہ شریفہ کی توضیح از مترجم)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ہاشم بن قاسم' ابو عقیل یعنی عبداللہ بن عقیل ثقفی' موسیٰ اور ابن میسب نے سالم بن ابی الجعد اور سبرہ بن ابی فاکہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان ابن آدم کو فریب دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اسے طرح طرح سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے وہ ہر مسلمان سے اس کے اسلام قبول کرنے اور دیگر اعمال حسنہ پر اعتراض کرتے ہوئے بالترتیب کہتا ہے: ''کیا تو نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اور اپنے آباء کا مذہب چھوڑ دیا؟'' جب وہ اس کا اقرار کرتا ہے تو اس کے بعد کہتا ہے: ''یہ تو نے بہت غلط کیا'' پھر اس سے پوچھتا ہے: ''کیا تو نے اسلام کے نام پر ہجرت کر کے اپنا نام اور اپنی آبائی زمین بھی چھوڑ دی؟ اگر تو نے ایسا کیا ہے تو تیری مثال اس گھوڑے جیسی ہے جو بے سوچے سمجھے دور دراز راستے پر جدھر منہ اٹھتا ہے ہو لیتا ہے''۔ پھر اس سے پوچھتا ہے: کیا تو نے جہاد کے نام سے جنگ کی ہے' کسی کو قتل کیا ہے؟ کسی (عورت) سے نکاح کر کے اپنا مال اسلام کے طریقے پر تقسیم ہونے کے لیے چھوڑ دیا ہے؟ اگر تو نے یہ سب باتیں کی ہیں تو واقعی بہت بڑی غلطی کی ہے''۔

شیطان کی یہ باتیں بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان نے ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی کی ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے یعنی اگر اس نے اللہ کے لیے ہجرت کی ہے تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے' اگر اس نے اللہ کے نام پر جہاد میں شرکت کی اور کسی (دشمن اسلام) کو قتل کیا یا اس کے ہاتھوں خود قتل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے حتیٰ کہ اگر اس کی سواری کا گھوڑا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں مارا گیا تب بھی اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے وکیع' عبادہ بن مسلم الفرازی' جبیر بن ابی سلیمان ابن جبیر بن مطعم نے بیان کیا کہ آخر الذکر نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ صبح وشام بلا ناغہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ:

''یا اللہ میں دین ودنیا میں تجھ سے عافیت کا طالب ہوں' یا اللہ میں اپنے اور اہل وعیال کے دینی دنیوی معاملات اور اپنے اور ان کے مال ومتاع کے بارے میں تجھ سے معافی اور عافیت کا طالب ہوں' یا اللہ میرے ستر کو مستور اور میرے قلب کو مطمئن رکھ' یا اللہ میرے دائیں بائیں' پیچھے اور اوپر سے میری حفاظت فرما' میں اپنے (قدموں کے) نیچے سے کسی غلطی (کے امکان) سے تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں''۔

وکیع کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ''تحت'' کا مطلب تحت الارض یا پستی ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان اور حاکم نے عبادہ بن مسلم کی بیان کردہ حدیث کے طور پر روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح الاسناد بتایا ہے۔

باب ۷

تخلیق آدم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی مختلف آیات میں تخلیق آدم' تخلیق آدم کے بعد فرشتوں کو یہ حکم دینے کہ وہ آدم کو سجدہ کریں' اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر تمام فرشتوں کے آدم کو سجدہ کرنے لیکن عزازیل (ابلیس) کا آدم کو یہ کہہ کر کہ ''تو نے اسے مٹی سے اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اس لیے میں خلقت میں اس سے برتر ہوں سجدہ کرنے سے انکار' اللہ تعالیٰ کا اخباراً ارشاداً: اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ. اور ابلیس کو جنت سے نکل جانے کا حکم' ابلیس کا اللہ تعالیٰ سے التماس کہ اسے بنی آدم کو تا قیام قیامت گمراہ کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ بنی آدم پر اپنی برتری ثابت کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ تو بنی آدم کو بہکا کر ان میں سے اکثر کو عذاب جہنم کا مستحق نہیں بنا سکے گا' اس کے ساتھ ہی آدم علیہ السلام کو اور ان کی شریک حیات حضرت حوا کو جنت میں قیام کی اجازت نیز حسب منشا وہاں کھانے پینے کی اجازت لیکن ایک خاص پودے کا پھل کھانے کی ممانعت' ابلیس کا حوا کو یہ کہہ کر انہیں اس لیے پودے کا پھل کھانے کی ممانعت کی گئی ہے تاکہ وہ اسے کھا کر فرشتے نہ بن جائیں اور جنت میں ہمیشہ قیام کے مستحق نہ ٹھہریں اسے کھانے کی ترغیب حوا کا ابلیس کے فریب میں آ جانا اور ان کا آدم علیہ السلام کو بھی اس پودے کا پھل کھانے کی ترغیب' دونوں کا وہ پھل کھا لینا۔ اللہ تعالیٰ کا آدم و حوا علیہما السلام سے یہ فرما کر کہ ابلیس ان کا سب سے بڑا دشمن انہیں تنبیہ اور غلطی پر جنت چھوڑ دینے کا حکم' آدم و حوا کا بارگاہ الٰہی میں التماس ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ○ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ﴾ تاہم اللہ تعالیٰ کا ان سے ارشاد کہ وہ جنت سے زمین پر جائیں جہاں ان کی اولاد یقیناً باہم دشمنی میں مبتلا رہے گی' پھر ان کی لباس جنت سے محرومی اور اللہ تعالیٰ کا ان سے ارشاد کہ ان کا زمین پر قیام (امتحاناً) ایک معین مدت تک رہے گا اور ساتھ ہی ان کی مٹی سے تخلیق' مٹی ہی میں ان کی مراجعت اور پھر مٹی ہی سے ان کے دوبارہ اٹھانے کے بارے میں ارشاد ﴿مِنْهَا خَلَقْنَاکُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُکُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُکُمْ تَارَةً اُخْرٰی﴾ اللہ تعالیٰ کا ابلیس کو مردود (رجیم) فرما کر اسے بھی جنت سے نکلنے کا حکم اور اس کی درخواست پر اسے بھی ایک معین مدت تک زمین پر انسان کے اعمال کی پرکھ کی اجازت ﴿قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ ابلیس کی اللہ تعالیٰ سے گزارش ﴿قَالَ رَبِّ بِمَا اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ (اگرچہ) یہ راستہ سیدھا ہے لیکن میرے بندوں پر تجھے اختیار نہیں ہے بجز ان کے جو تیرے فریب میں آ جائیں' اگر انہوں نے ایسا کیا (یعنی تیرے فریب میں آ گئے) تو ان سب کا معاد جہنم ہے جس کے سات دروازے ہیں جن کا ہر حصہ منقسم ہے:

﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغَاوِیْنَ ○ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِکُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ﴾

پھر آخر میں اللہ تعالیٰ کا ابلیس سے ارشاد کہ جا (لیکن) جس جس نے تیری اتباع کی ان کا اور تم سب کی جزاء جزائے موفور ہوگی:

﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُورًا﴾

یہ قصہ تخلیق آدم وقصہ شیطان ہے جس کی کچھ مختصر تفصیلات ہم نے ابھی بیان کیں قرآن شریف میں متفرق مواقع پر موجود ہیں۔ان کو مکمل طور پر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں بیان کیا ہے۔

اب ہم اس قصے کی تفصیلات جن کا مختصر ذکر ہم نے کچھ قرآنی آیات شریفہ کے حوالے سے سطور ماسبق میں کیا ہے یہاں پیش کریں گے اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں متعلقہ احادیث نبوی (ﷺ) بھی پیش کریں گے۔ویسے تخلیق آدم کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے ارشاد "انی جاعل فی الارض خلیفه" اور اس پر فرشتوں کے وہ سوالات جو قرآن شریف میں درج ہیں بالترتیب اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتوں کو بر سبیل تنویہ تخلیق آدم اور زمین پر ان کی اولاد کی خلافت کی خبر دینا تھا نیز فرشتوں کے وہ سوالات علی وجہ استکشاف واستعلام تھے اور ان سے صرف اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت سے باخبر ہونا تھا نہ کہ ان سوالات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے اس ارادے پر نعوذ باللہ اعتراض اور اس کی تنقیص یا بنی آدم سے رشک وحسد تھا جیسا کہ بعض مفسرین کی کم علمی پر دلالت کرتی ہیں یا صرف ان کے وہم وگمان پر۔اس کی ایک مثال قتادہ کا یہ بیان ہے کہ کہا گیا ہے کہ جان لو کہ وہ (یعنی فرشتوں کا کہنا "اتجعل فیها من یفسد فیها و یسفک الدماء" اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (فرشتے) قبل آدم جو کچھ تھا (بعض جنات وبلائیں) سب دیکھ رہے تھے"۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے قبل جنات زمین پر ہزاروں کی تعداد میں آباد تھے لیکن جب وہ یہاں انتہا سے زیادہ خونریزی میں مبتلا پائے گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا ایک گروہ زمین پر بھیجا جس نے ان جنات کو سمندروں کی طرف مار بھگایا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی یہی روایت ہے۔اور حسن (بصری) کا بھی یہی بیان ہے۔کہا جاتا ہے کہ فرشتوں کو ان باتوں کا علم لوح محفوظ سے ہوا تھا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی یہ باتیں ہاروت و ماروت نے ان فرشتوں کو بتائی تھیں جو ان دونوں سے اوپر آسمان کے اس مقام پر رہتے تھے جسے "سجل" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔یہ روایت بن ابی حاتم نے ابی جعفر الباقر کے حوالے سے بیان کی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرشتے یہ جان گئے تھے کہ زمین پر پیدا ہونے والی کوئی دوسری مخلوق جنات جیسی ہی ہوگی اور اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ "و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک" یعنی ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے رہتے ہیں اور ہم میں سے کوئی فرد واحد تیری نافرمانی نہیں کرسکتا۔اگر فرشتوں کی اس بات سے یہ مراد ہے کہ زمین پر بنی آدم (بفرض محال) تیری عبادت کریں گے بھی تو اسی طرح تو نہیں کرسکتے جیسے ہم اس میں دن رات مصروف رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جو جواب دیا تھا یعنی "انی اعلم ما لا تعلمون" تو اس سے یقیناً یہ مراد تھی کہ زمین پر پیدا ہونے والے بنی آدم میں انبیاء، رسول، صدیق اور شہداء بھی تو ہوں گے۔اس کے علاوہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر بلحاظ علم بھی شرف حاصل تھا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ "**و علم آدم الاسماء کلها**" سے ثابت ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ وہ نام وہ تھے جن سے زمینی مخلوق اور دوسری چیزیں جیسے انسان،

چوپائے' خشک زمین' نرم زمین' سمندر' پہاڑ اور اونٹ' گدھے اور ان جیسی دوسری چیزیں پہچانی جاتی ہیں جب کہ مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت میں ناموں سے مراد تمام جانوروں' پرندوں اور دوسری چیزوں کے نام ہیں۔ ایک روایت میں آسمانی کتابوں تقدیری امور حتیٰ کہ ان میں معمولی معمولی چیزوں جیسے گھاس پھونس مکھی مچھر' اینٹ پتھر' وغیرہ کے نام تھے۔ سعید بن جبیر' قتادہ اور دوسرے متعدد لوگوں نے بھی یہی کہا ہے۔

ربیع کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ملائکہ کے نام بتائے تھے جب کہ عبدالرحمٰن ابن زید کہتے ہیں کہ وہ اسمائے ذریت تھے لیکن صحیح بات وہی ہے جس کی طرف ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اشارہ کیا ہے یعنی وہ اسمائے ذوات اور ان کے سب چھوٹے بڑوں کے نام تھے۔

بخاری و مسلم نے سعید و ہشام کے توسط اور قتادہ و انس بن مالک کے حوالے سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ روز قیامت جب مومنین ایک جگہ جمع ہوں گے اور آپس میں کہہ رہے ہوں گے کہ کاش انہیں کوئی اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرنے والا مل جاتا تو اچانک انہیں آدم علیہ السلام نظر پڑیں گے' چنانچہ وہ ان سے عرض کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں' آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا تھا اور اس کے علاوہ آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا تھا۔ نیز تمام چیزوں کے نام آپ کو بتائے تھے۔

مذکورہ بالا دونوں راویوں نے یہ حدیث آخر تک پوری روایت کی ہے یعنی فرشتوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ﴿اَنۡۢبِئُوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴾ تک۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کا ارادہ فرمایا اور اس کا ذکر فرشتوں سے کیا تھا تو وہ آپس میں بولے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسی کوئی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جو ہم سے زیادہ علم رکھتی ہو اور اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کے متعلقہ ارشاد کے جواب دینے سے قاصر رہنے کی الجھن میں مبتلا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حکم کے آخر میں جو ﴿اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴾ فرمایا تھا وہ اسی لیے تھا کہ فرشتے وہ تمام نام ہرگز نہ بتا سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بتا دیئے تھے۔ فرشتوں کے اس جواب سے کہ ﴿سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴾ (یعنی اے پروردگار ایسا کون ہے جو اس کے علاوہ کچھ جان سکے جتنا علم تو نے اسے عطا فرمایا ہے) جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِشَىۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ ﴿يٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ﴾ (اے آدم انہیں وہ نام بتاؤ) اور جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو وہ نام بتائے ﴿فلما أنبأهم باسمائهم ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا ﴿اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴾ (یعنی میں مخفی باتوں کو بھی بالکل اسی طرح جانتا ہوں جیسے ظاہر باتوں کو جانتا ہوں) اس آیت میں ماتبدون اللہ تعالیٰ کا اشارہ فرشتوں کی اس گزارش کی طرف تھا کہ آیا تو زمین پر اسے اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو وہاں فساد پھیلائے گا ﴿اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا ﴾ جب کہ اس آیت میں ﴿وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴾ سے اللہ تعالیٰ جل شانہ کا اشارہ ابلیس کے دل میں یعنی مخفی غرور و تکبر اور آدم علیہ السلام پر اپنی برتری کا خیال تھا۔ یہ روایت سعید بن جبیر' مجاہد' السدی' ضحاک اور ثوری کی ہے جسے ان کے حوالے سے

ابن جبیر نے پیش کیا ہے۔

ابوالعالیہ، ربیع، حسن (بصری) اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں "و ما تکتمون" کا اشارہ فرشتوں کے دل ہی دل میں اس خیال کی طرف تھا کہ ان کا رب ہرگز کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جس کا علم ان سے زیادہ ہو یا ان پر فضیلت رکھتی ہو لن یخلق ربنا خلقا الا کنا اعلم منه و اکرم علیه منه لیکن جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل اور ان کی یہ خاص عظمت دیکھی کہ اس نے انہیں کن فیکون فرما کر پیدا کرنے کے بجائے بطور خاص اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر فوراً آدمؑ کو سجدہ کرنے پر تیار ہو گئے بلکہ انہیں سجدہ بھی کیا لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ابلیس نے تکبر کی وجہ سے پھر بھی انہیں سجدہ نہیں کیا ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ﴾ حالانکہ فرشتے آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا وہ خصوصی فضل اور ان کی وہ عظمت جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا اور خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا دیکھ کر انہیں سجدہ کر چکے تھے: ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ﴾

بہرکیف فرشتوں پر آدم کی فضیلت کی وہی چار وجوہ تھیں جن کا ہم تفصیل سے ان شاء اللہ آگے چل کر ذکر کریں گے اور جن کی بناء پر آدمؑ کے زمین پر ورود سے قبل جب وہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ملاء اعلیٰ میں ایک جگہ جمع ہوئے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ آپ ابوالبشر ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے (بطور خاص) اپنے دست قدرت سے پیدا کیا، آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو تمام اشیاء کے نام بتائے اور یہی آدم سے دوسرے تمام انسان بھی جیسا کہ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر جلد ذکر کریں گے، روز حشر کہیں گے۔ ویسے آدم علیہ السلام کو ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی خاص وجہ وہی تھی جس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یعنی یہ کہ "جب ہم نے اپنے حکم کے باوجود اس سے آدم علیہ السلام) کو سجدہ کرنے کی وجہ پوچھی تو وہ بولا کہ "میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے اسے مٹی سے اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے:

﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے (باطل طور پر) قیاسی گھوڑے دوڑانے والا شخص ابلیس تھا اور محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں کہ دنیا میں شمس و قمر کی پرستش کا آغاز صرف باطل قیاسات کی بنیاد ہی پر ہوا۔

اسی قسم کی دو روایتیں ابن جریر نے بھی پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ابلیس نے قیاسی طور پر اپنی اور آدم علیہ السلام کی شخصیتوں پر غور کیا اور اسی لیے اس نے اپنی شخصیت کو آدم علیہ السلام کی شخصیت سے برتر سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے باوجود کہ تمام فرشتے آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں انہیں سجدہ کرنے سے انکار کر دیا لیکن ظاہر ہے کہ قطعی حکم کے مقابلے میں قیاس فاسد الاعتبار ہوتا ہے جب کہ مٹی اور آگ خود اپنی اپنی جگہ فطری طور پر متضاد ہیں۔ مثلاً مٹی میں نفع، آگ میں ضرر، مٹی میں خنکی، آگ میں حرارت، مٹی میں نمو، آگ میں فساد و احتراق اور خشکی بالذات موجود ہیں۔ یہی اسباب اللہ تعالیٰ نے بالترتیب ابلیس کی سرکشی اور سجدے سے انکار اور آدم علیہ السلام کے اس پر شرف کے بیان فرمائے ہیں۔ ویسے بھی عذر گناہ بدتر از گناہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے اخباراً ارشاد فرمایا: "اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا۔ بولا بھلا میں ایسے

شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے (از راہِ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ خدا نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا۔ جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا (ہے) اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ۔ اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔ اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار کارساز کافی ہے''۔ (۱۷:۱۵)

اور جیسا کہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گا''۔ (۱۸:۱۵) یعنی آگ سے پیدائش کی وجہ سے سرتابی و سرکشی شیطان کی فطرت میں تھی اس لیے اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا۔ یہی بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی جسے ہم صحیح مسلم کے حوالے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی پہلے بھی پیش کر چکے ہیں یعنی ملائکہ نور سے جنات آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے اور آدم اسی طرح اور اسی چیز سے پیدا کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے:

خلقت الملائکة من نور و خلق الجان من مارج من نار و خلق آدم منها وصف لکم.

مندرجہ و مذکورہ بالا تمام باتوں کی وضاحت خود اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے یوں فرمائی:

① ''جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب میں اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر شیطان اکڑ بیٹھا اور کافروں میں ہو گیا (خدا نے) فرمایا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آ گیا یا اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں (کہ) تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔ (خدا نے) فرمایا: یہاں سے نکل جا تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی۔ کہنے لگا کہ میرے پروردگار مجھے اس روز تک کہ لوگ اٹھائے جائیں مہلت دے۔ فرمایا تجھ کو مہلت دی جاتی ہے اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے کہنے لگا کہ مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا۔ سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں فرمایا سچ (ہے) اور میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے۔ سب سے جہنم کو بھر دوں گا''۔ (۳۸:۷۳۔۳۹)

② ''(پھر) شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے' میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لیے بیٹھوں گا' پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا''۔ (۷:۸)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ہاشم بن قاسم' ابو عقیل یعنی عبداللہ بن عقیل ثقفی اور موسیٰ بن مسیب نے سالم بن ابی الجعد اور سبرہ بن

ابی الفاکہ کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''ابلیس ابن آدم کی راہ مارنے کے لیے اس کے جملہ راستوں میں بیٹھتا ہے اور اپنی سی پوری کوشش کرتا ہے''۔

ان الشیطان قعد لابن آدم بأطرقة.

امام احمدؒ نے اس حدیث کے علاوہ شیطان کے بارے میں اور کئی احادیث کا ذکر کیا ہے۔

مفسرین ان فرشتوں کے متعلق جنہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا مختلف الرائے ہیں لیکن جملہ آیات متعلقہ اور اقوال جمہور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں تمام فرشتے شامل تھے لیکن جیسا کہ ابن جریر نے ضحاک اور ابن عباس کے حوالے سے روایت کیا ہے اس حکم میں صرف ملائکہ ارضی شامل تھے یعنی یہ حکم صرف ملائکہ ارضی کو دیا گیا تھا تاہم ان تمام آیات واحادیث سے جو ہم اب تک اس سلسلے میں پیش کر چکے ہیں یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں تمام فرشتے شامل تھے۔ واللہ اعلم۔ تاہم اللہ تعالیٰ کا ابلیس سے یہ فرمانا کہ ''یہاں سے چلا جا'' اور ''یہاں سے نکل جا'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت تک ابلیس آسمان ہی پر تھا اور فرشتوں میں اس کا شمار ہوتا تھا کیونکہ وہ بھی انہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا لیکن اس کے غرور اور آدم علیہ السلام سے اس کے حسد کی وجہ سے اسے اس کی سابقہ منزلت سے گرا کر وہاں سے نکلنے اور نیچے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ متعلقہ آیات قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدم کو جنت میں قیام کی اجازت دینے سے قبل اللہ تعالیٰ نے حوا کو پیدا نہیں کیا تھا جس کی وضاحت اسحٰق ابن بشار نے ان آیات کی تفسیر میں کی ہے۔

جہاں تک حضرت حوا کی تخلیق کا سوال ہے تو اس کے بارے میں السدی نے ابی صالح ابی مالک' ابن عباس' مرہ' ابن مسعود اور متعدد دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے توسط اور احادیث کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جنت سے ابلیس کے اخراج کے بعد آدم علیہ السلام وہاں تنہائی کی وجہ سے پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر پھرا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دل بستگی کے لیے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواؑ کو تخلیق فرما دیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی طرح حضرت حوا مٹی سے نہیں بلکہ خود آدم علیہ السلام کے جسم کے زیریں حصے کے گوشت سے پیدا کی گئی تھیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی تخلیق سے قبل آدم علیہ السلام نے خواب میں ایک عورت کو اپنے سرہانے بیٹھے دیکھا تھا اور اس سے پوچھا تھا کہ تم کون ہو تو اس نے کہا تھا کہ میں ایک عورت ہوں اور اس خواب کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حضرت حواؑ کو تخلیق فرمایا تھا اور انہیں ان کی شریک حیات (زوجہ) بنایا تھا۔ ہم اس واقعہ پر ان شاء اللہ آگے چل کر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔

صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں میسرہ اشجعی' ابی حازم اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے زائدہ کی روایت کردہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''عورتوں سے نرمی کا برتاؤ کیا کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا بالائی حصہ اگر ٹیڑھا ہو تو وہ سیدھا نہیں ہوسکتا' اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گا اور چھوڑ دو گے تو ٹیڑھا ہی رہے گا۔ اس لیے عورتوں سے نرمی ہی کا برتاؤ کیا کرو''۔ اس حدیث کے الفاظ بخاری کے پیش کردہ ہیں۔

جہاں تک آدم وحوا علیہما السلام کو جنت میں اللہ تعالیٰ کے حکم ''ولا تقربا هذه الشجرة'' (یعنی تم دونوں اس درخت کے

قریب نہ جانا) کا تعلق ہے تو مفسرین نے جن میں کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں اس درخت کو انگور کی بیل بتایا ہے۔ یہ بیان خصوصاً ابن عباس، سعید بن جبیر، شعبی، جعدہ بن ہبیرہ، محمد بن قیس، السدی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ماخوذ ہے لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس ''درخت'' کو یہودی روایات میں ''گیہوں کی بالی'' کہا گیا ہے جب کہ قتادہ، ابن جریج اور ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ اس فرمانِ الٰہی میں جس شجر کا ذکر ہے وہ ایسا درخت تھا جس کا پھل کھا کر جنتی حادث (فانی) ہو جاتا جب کہ جنت کی کسی چیز کو فنا نہیں ہے۔ [1]

بہر حال اس آیہ قرآنی کی تفسیر میں مفسرین کے باہمی اختلافات بہت معمولی ہیں جب کہ اس آیت میں شجر کی تعیین نہ ہونا یا اس کے نام میں ابہام یقیناً مصلحت خداوندی پر مبنی ہے ورنہ کلام الٰہی میں ابہام ناممکن ہے۔ (مؤلف)

رہے جنت کے محل وقوع یعنی جنت کے زمین یا آسمان پر ہونے کے بارے میں اختلافات تو وہ بھی کچھ ایسے خاص نہیں ہیں۔ ویسے راویوں میں اکثریت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ آیہ قرآنی ﴿وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ میں ''الجنۃ'' میں الف اور لام کی حیثیت عمومی یعنی معہود لفظی کی نہیں ہے جس کا مطلب جنت سے مراد ''نظروں سے پوشیدہ'' ہوگی جب کہ یہاں اس کی حیثیت معہود ذہنی کی ہے جس سے مراد صرف ''جنت الماویٰ'' ہی ہو سکتا ہے یعنی وہ جنت جس کا محل وقوع آسمان ہے۔ تاہم متاخرین کا کہنا یہ ہے کہ جس جنت میں اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا کو قیام کے لیے ارشاد فرمایا تھا وہ ''جنت الخلد'' نہیں تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہاں سے ان کا خروج ممکن نہ ہوتا جب کہ ایک حدیث سے ثابت ہے کہ جب روز حشر تمام بنی آدم ایک جگہ جمع ہوں گے تو وہ آدم علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے ''جنت الخلد'' میں داخلے کی سفارش فرما دیں تو آدم علیہ السلام ان سے فرمائیں گے کہ کیا تم وہاں جانا چاہتے ہو جہاں سے تمہارے باپ کو خروج کا حکم ملا تھا؟ آدم علیہ السلام کا یہ جواب اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلد ہی سے خروج کا حکم ملا تھا نہ کہ اس جنت سے جس کا محل وقوع زمین تھا لیکن لفظی اعتبار سے اس کا مطلب نگاہوں سے مخفی ہوتا ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ جس جنت کا ذکر مندرجہ بالا آیت قرآنی میں آیا ہے اس سے مراد جنت الماویٰ (خلد) ہی ہے جس کا محل وقوع آسمان ہے۔ اس حدیث پر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ تفصیلی گفتگو کریں گے جس سے متاخرین کا مندرجہ بالا استدلال ضعیف تر ہو جاتا ہے۔

ویسے متقدمین و متاخرین دونوں کا بیان یہ ہے کہ جنت ہو یا دوزخ ان کا جنت و دوزخ کے محل وقوع پر گفتگو سے ان کے وجود سے ہرگز انکار نہیں ہے کیونکہ ان کا بین ثبوت قرآنی آیات اور احادیث سے جگہ جگہ ملتا ہے۔

شجر ممنوعہ سے پھل کھانے کی پہل:

امام احمدؒ نے آیات قرآنی اور احادیث کے علاوہ متعدد راویان احادیث و مفسرین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ شجر ممنوعہ کا پھل کھانے میں پہل حضرت حوا کی طرف سے ہوئی تھی جس کی ترغیب جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے انہیں ابلیس نے دی تھی اور

---

[1] ظاہر ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام کے لیے اس امتناعی فرمان الٰہی میں یہی حکمت تھی۔ (شادانی)

آدم علیہ السلام نے حضرت حوا کی ترغیب سے یہ پھل کھایا تھا۔ توریت کی متعدد آیات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

جنت میں آدم وحوا علیہما السلام کا لباس:

اس سے قبل تخلیق ملائکہ' اوصاف ملائکہ' اقسام ملائکہ' تخلیق آدم علیہ السلام' اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو یہ حکم کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں' تمام فرشتوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل' ابلیس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل سے انکار اور اس کے اسباب' جنات کی تخلیقی اصلیت یعنی ان کا پیدائشی عنصر' اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے ارشاد کہ وہ زمین پر اپنا خلیفہ (آدم علیہ السلام کو) بنانے والے ہیں' فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر حیرت اور اپنے کمال عبودیت کے مقابلے میں زمین پر انسانی اعمال پر اظہار خیال' اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ﴿اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ابلیس کا مردود بارگاہِ الٰہی ٹھہرایا جانا' آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم' جنت و دوزخ کا محل وقوع' شیطان کی طرف سے بارگاہ خداوندی میں یہ التماس کہ اسے آدم و بنی آدم کو روز قیامت تک فریب میں مبتلا اور گمراہ کرتے رہنے کی اجازت دی جائے۔ اللہ کی طرف سے اس ارشاد کے ساتھ کہ وہ اس کے مخلص بندوں کو ہرگز راہ حق سے نہیں ہٹا سکے گا اسے انسان کو فریب دینے کی اجازت' آدم علیہ السلام کی دل بستگی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت حوا کی تخلیق' تلبیس ابلیس اور اس کی ترغیبات کا پہلا شکار وغیرہ پر پچھلے صفحات میں کلام الٰہی اور احادیث نبوی کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے اور انہی ناقابل تردید حوالوں سے یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ جنت میں آدم وحوا علیہما السلام کا لباس کیا تھا نیز یہ کہ جنت سے خروج کے وقت وہ دونوں اس بہشتی لباس سے محروم کر دیئے گئے تھے تاہم اس بارے میں راویوں میں اختلاف کی نشاندہی کی گئی ہے کہ درحقیقت وہ لباس کیا تھا؟

اسرائیلیات کے زبانی بیانات یہ ہیں کہ آدم وحوا دونوں جنت میں اپنے فطری لباس میں رہتے تھے لیکن توریت کے کچھ بیانات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ان کی شرمگاہیں زیتون کے پتوں سے چھپی رہتی تھیں جب کہ وہب بن منبہ کے بقول ان کی شرمگاہوں کے لیے حجاب نور فراہم کیا گیا تھا۔

امام احمدؒ نے توریت و انجیل میں بدیہی تحریفات اور وہب بن منبہ کی روایت میں مستند حوالوں کی عدم موجودگی کے پیش نظر مذکورہ بالا روایات سے اختلاف کرتے ہوئے انہی روایات کو مستند ٹھہرایا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں آدم وحوا علیہما السلام کا وہی لباس تھا جس کا مابقیہ بنی آدم کے جسم پر ہاتھوں اور پیروں کے ناخنوں کی شکل میں اب تک موجود ہے۔

حافظ بن عساکر مجاہد کی روایت حدیث کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم وحوا کو جنت سے لے جائیں اور اسی کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کے سر سے تاج اور میکائیل علیہ السلام نے ان کا لباس اتار لیا لیکن ان کی پیشانی پر ناخن کی شکل کا ایک پرت چھوڑ دیا' آدم یہ دیکھ کر بار بار ''العفو العفو'' کہہ کر رب العزت سے معافی کے طالب ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آدم وحوا علیہما السلام کے جسموں پر جنت کے لباس کا مذکورہ بالا مابقیہ لباس چھوڑ کر انہیں زمین پر اتار دیا جائے تاکہ وہ وہاں اپنی خطا پر عمر بھر اظہار ندامت کرتے رہیں۔

آدم وحوا علیہما السلام کی طرف سے ''العفو العفو'' کی تکرار سے طلب معافی کا ذکر ابھی کیا جا چکا ہے نیز آدم وحوا علیہما السلام کی دعا

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ کا ذکر پہلے آچکا ہے اور قرآن کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ آدم وحوا علیہما السلام اور ان کی اولاد کو ایک مقررہ وقت تک (امتحاناً) زمین پر قیام کا حکم اللہ تعالیٰ ہم نے دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا جنت میں قیام سو سال اور ایک روایت کی رو سے ستر سال تک رہا وہ جنت کی یاد میں زمین پر آ کر ستر سال تک آہ و بکا میں مبتلا رہے نیز ستر سال تک اپنی خطا پر مبتلائے گریہ وزاری رہے۔ یہ روایت ابن عساکر کی ہے۔

زمین پر آدم وحوا علیہما السلام کے مقامات نزول:

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ابوزرعہ عثمان بن ابی شیبہ اور جریر نے سعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آدم علیہ السلام جنت سے زمین کے اس مقام پر اترے تھے جو مکہ و طائف کے درمیان واقع ہے اور جسے دحنا کہا جاتا ہے جب کہ حسن (بصری) کا بیان یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا نزول ہند میں اور حوا کا جدہ میں ہوا تھا۔ السدی کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو پہلے حجر اسود کے ساتھ مکے میں اس مقام پر اتارا گیا تھا جہاں حجر اسود آج بھی قائم ہے لیکن بعد میں انہیں ہند بھیج دیا گیا تھا جہاں شجر جنت گیہوں کا پودا آج بھی اُگتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آدم صفا میں اترے تھے جب کہ حوا مروہ میں اتری تھیں۔ یہی روایت ابن ابی حاتم کی بھی ہے۔

عبدالرزاق اور معمر کہتے ہیں کہ ان سے عوف نے قسامہ بن زہیر اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا تو انہیں تمام صنعتوں کا علم بھی عطا فرما دیا۔ اس کے علاوہ انہیں بطور رزق جنت کے پھل بھی عطا فرمائے جن میں اب کچھ تبدیلیاں رونما ہو گئی ہیں لیکن جس کا پھل کھانے کی وجہ سے وہ جنت سے زمین پر اتارے گئے اس شجر جنت (گیہوں کے پودے) میں ابھی تک کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔

حاکم اپنی کتاب مستدرک میں کہتے ہیں کہ ان سے ابوبکر بن بابویہ نے محمد بن احمد بن نضر معاویہ بن عمر زائدہ، عمار بن ابی معاویہ البجلی، سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آدم علیہ السلام کا جنت میں قیام کا زمانہ وقتِ عصر سے غروبِ آفتاب تک رہا۔ حاکم کے بقول اس روایت میں شیخین (حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کا حوالہ بھی دیا گیا ہے لیکن اس روایت سے استخراج کسی محدث نے نہیں کیا۔

صحیح مسلم میں اعرج اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے زہری کی بیان کردہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دن کتنا اچھا تھا جس میں یعنی بروز جمعہ طلوعِ آفتاب کے وقت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی روز اور اسی وقت وہ جنت میں داخل ہوئے۔ اور اسی روز اور اسی وقت وہ جنت سے نکلے۔ صحیح مسلم میں اس آخری واقعے کی بھی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت خیر سے تعبیر کیا یہ توجیہ کی گئی ہے کہ اسی سے تقویم اوقات کی بنیاد پڑی ہے۔

امام احمدؒ نے یہ حدیث محمد بن مصعب اور اوزاعی کی زبانی ابی عمار، عبداللہ بن فروخ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے۔

اس حدیث کی رو سے جسے ابن عساکر نے ابی القاسم بغوی کے توسط، محمد بن جعفر درکانی اور سعید بن میسرہ کی زبانی انس

کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ جنت سے زمین پر اترنے کے بعد بھی آدم علیہ السلام کے جسم پر لباس جنت کے کچھ اوراق باقی تھے جن کی وجہ سے انہیں حرارت ارضی تکلیف پہنچا رہی تھی اور جس کا اظہار انہوں نے حضرت حوا سے کیا تھا نیز یہ کہ پہلے وہ ارض بطحا (مکہ) پر اترے تھے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام ان کے پاس آئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ وہ اپنی اہلیہ کو تلاش کریں اور انہیں ان کی تلاش کا طریقہ بھی بتا دیا تھا۔ پھر جب حضرت حوا علیہا السلام انہیں مل گئیں تو جبریل علیہ السلام نے ان سے پوچھا تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو کیسا پایا تو انہوں نے جبریل علیہ السلام کو جواب دیا تھا کہ ''صالحہ''۔

یہ بڑی غریب حدیث ہے جس کی روایت عموماً سعید بن میسرہ یعنی ابو عمران البکری البصری سے منسوب کی جاتی ہے لیکن چونکہ اس کی روایت کردہ احادیث کو وضعی احادیث میں شمار کیا جاتا ہے اسی لیے بخاریؒ نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور اپنے فیصلے میں ابن حبان کا حوالے دیا ہے۔ ویسے یہ حدیث مجاہد' سعید بن جبیر' ابو العالیہ' ربیع بن انس' حسن بصری' قتادہ' محمد بن کعب' خالد بن معدان' عطا خراسانی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے بھی مروی ہے۔

ابن حاتم کہتے ہیں کہ ان سے علی بن حسین بن اشکاب اور علی بن عاصم نے سعید بن ابی عروبہ' قتادہ' حسن اور ابی بن کعب کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اگر میں توبہ کرلوں تو کیا مجھے (دوبارہ) جنت میں بھیج دے گا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہاں''۔

یہ حدیث درج ذیل کلام الٰہی سے مطابقت رکھتی ہے:

﴿ فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ﴾

تاہم یہ حدیث اس لیے غریب ہے کہ اس موضوع پر صرف یہی ایک حدیث دستیاب ہے۔

مندرجہ بالا آیت قرآنی میں لفظ ''کلمات'' سے ابن ابی نجیح نے مجاہد کے حوالے سے آدم علیہ السلام کے درج ذیل کلمات مراد لیے ہیں:

اللھم لا الہ الا انت سبحانک و بحمدک رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی انک انت خیر الغافرین. اللھم لا الہ الا انت سبحانک و بحمدک رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی انک خیر الراحمین. اللھم لا الہ الا انت سبحانک و بحمدک رب انی ظلمت نفسی فتب علی انک انت التواب الرحیم.

حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں سعید بن جبیر کے توسط اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ ''اے (میرے) پروردگار کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟'' جواب ملا: ''ہاں'' اس کے بعد آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ''کیا تو نے مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟'' جواب ملا: ''ہاں'' آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اور جب مجھے چھینک آئی تو تو نے فرمایا: ''اللہ تجھ پر رحم کرے'' جواب ملا: ''درست ہے'' (اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے اس جواب کے پیش نظر) آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ''(اس طرح) تیری رحمت کو تیرے غضب پر سبقت حاصل ہوئی'' جواب ملا: ''ہاں'' آدم علیہ السلام نے عرض کیا:

''کیا میرا (یہ) عمل میرے اعمال میں پہلے سے نہیں لکھا گیا تھا؟'' جواب ملا: ''ہاں'' (آخر میں) آدم علیہ السلام نے عرض کیا: (پس) اگر میں توبہ کرلوں تو کیا تیرے پیش نظر یہ ہے کہ تو مجھے جنت میں بھیج دے گا؟ جواب ملا ''ہاں'' توبہ کرلوں تو کیا تیرے پیش نظر یہ ہے کہ تو مجھے جنت میں بھیج دے گا؟ جواب ملا ''ہاں''۔

حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد بتایا ہے لیکن اس پر اپنی ذاتی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

حاکم کے علاوہ بیہقی اور ابن عساکر سے بتوسط عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور آخر الذکر کے والد اور دادا نیز عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوچکی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو بحق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے معاف فرمادے'' تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا گیا کہ ''تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے جانتے ہو؟'' آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے تخلیق کر کے مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اوپر سر اٹھایا اور دیکھا کہ قوائم عرش پر لکھا ہے: ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' تو میں نے سمجھ لیا کہ تو نے جس ہستی کا نام اپنے نام کے ساتھ اضافہ فرمایا ہے وہ کوئی ایسی ہستی نہیں ہوسکتی جو تجھے تیری تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب نہ ہو''۔ (آدم علیہ السلام سے یہ سن کر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے آدم تم نے سچ کہا' وہ مجھے میری تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہے اور (چونکہ) تم نے اس کا واسطہ دے کر مجھ سے دعا کی ہے (لہٰذا) میں نے تمہیں معاف کر دیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا''۔

اگرچہ بیہقی نے اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے حوالے سے منتخب کر کے پیش کیا ہے تاہم اسے ضعیف احادیث میں شمار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ البتہ اس سلسلے میں یہ فرمان الٰہی بھی پیش نظر رہنا چاہیے:

﴿ وَ عَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ﴾

آدم وموسیٰ علیہ السلام کے مابین بحث

بخاریؒ نے بحوالہ قتیبہ' ایوب بن نجار' یحییٰ بن ابی کثیر' ابی سلمہ اور ابو ہریرہؓ یہ حدیث نبوی (ﷺ) روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ آدم وموسیٰ علیہ السلام کے مابین ایک بحث میں موسیٰ نے آدمؑ سے کہا کہ انہوں (آدمؑ) نے ایک خطا کر کے تمام نوعِ انسانی کو جنت سے نکلوا دیا تو آدمؑ نے جواب دیا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) خدا نے آپ کو اپنی رسالت اور (دوبدو) کلام سے سرفراز فرمایا لیکن کیا آپ مجھے اس خطا پر مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں جو میری تخلیق سے قبل میرے لیے لکھ دی گئی تھی؟

یہ حدیث مسلم نے عمرو الناقد اور نسائی نے محمد بن عبداللہ بن یزید اور ایوب بن نجار کے حوالے سے روایت کی ہے لیکن ابو مسعود دمشقی کہتے ہیں کہ ان صحیحین (صحیح مسلم اور صحیح نسائی) کے سوا انہوں نے اس حدیث کی روایت میں کسی اور کا حوالہ نہیں دیا جب کہ یہ حدیث امام احمدؒ سے بھی بحوالہ عبدالرزاق' معمر' ہمام اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

امام احمدؒ اسی حدیث کو (اپنی مسند میں) ابو کامل' ابراہیم' ابوشہاب' حمید بن عبدالرحمٰن اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آدم وموسیٰ (علیہ السلام) کے مابین ایک بحث کے دوران میں موسیٰ نے آدم سے کہا کہ ''آپ ایک خطا کے سبب جنت سے خروج کا باعث بنے'' آدم نے جواب دیا: ''آپ کو اللہ تعالیٰ اپنی رسالت اور (دوبدو) اپنے کلام سے سرفراز فرمایا لیکن کیا آپ بھی مجھے میری اس خطا پر مورد الزام ٹھہراتے ہیں جو میرے حق میں میری تخلیق سے قبل لکھ دی گئی تھی؟''۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''یہ بحث آدم وموسیٰ (علیہ السلام) کے مابین دوبار ہوئی''۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہی حدیث بخاری ومسلم دونوں نے زہری کی زبانی اور حمید بن عبدالرحمٰن اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ (مؤلف)

ویسے یہ حدیث سفیان نے بھی ابوالزناد' اعرج اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسی طرح اور انہی الفاظ میں روایت کی ہے نیز راویوں کی ایک اور جماعت نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے جب کہ ابن ماجہؒ نے اسے سفیان بن عیینہ' عمرو بن دینار' عبداللہ بن طاؤس' عبداللہ کے والد طاؤس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے دس جگہ مختلف الفاظ میں روایت کیا ہے۔

امام احمدؒ (اپنی مسند میں) ایک جگہ کہتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن اور حماد نے عمار اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب موسیٰ نے آدم کو دیکھا تو ان سے کہا کہ آپ وہی آدم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دست قدرت سے تخلیق کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی' فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو جنت میں رکھا (پھر بھی) آپ نے یہ خطا کی! آدمؑ نے جواب دیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسالت بخشی' آپ پر توریت نازل کی۔ اس نے آپ سے (دوبدو) گفتگو فرمائی

لیکن کیا آپ بھی مجھے اس خطا پر مورد الزام سمجھتے ہیں جو میری تخلیق سے (چالیس سال) قبل میرے حق میں لکھ دی گئی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اس بحث میں فرمان الٰہی ﴿و عصی آدم ربہ فغوی﴾ کا حوالہ بھی دیا تھا۔ (مؤلف)

فرقہ قدریہ نے اس حدیث کی صحت سے ارتکاب کیا ہے جب کہ فرقہ جبیریہ نے اس کی صحت کی تصدیق کی ہے۔

تحقیق مزید سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث دوسرے متعدد راویوں نے بھی مختلف الفاظ میں روایت کی ہے' جن میں کہیں لفظی اور کہیں معنوی اختلاف پائے جاتے ہیں تاہم اس کی صحت کو اسناد قوی کی بنا پر ہر جگہ تسلیم کیا گیا ہے۔ البتہ تمام علماء (رحمۃ اللہ علیہم) نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا اس سلسلے میں نوشتہ قدر پر اعتراض نہیں تھا اور بالکل اسی طرح آدم علیہ السلام کے جواب میں بھی ان کا اشارہ اپنی مصیبت کی طرف تھا نہ کہ معصیت بالقدر کی طرف۔ واللہ اعلم

تخلیق آدم علیہ السلام پر احادیث نبویؐ کا ذکر

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ' محمد بن جعفر' عوف اور قسامہ بن زہیر نے ابی موسیٰ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے مختلف حصوں کی مٹی سے تخلیق فرمایا (اس لیے) بنی آدم زمین کے ان مختلف حصوں کی مختلف خصوصیت کی بنا پر سفید' سرخ' سیاہ یا ان کے بین بین پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ان کی طبعی خصوصیات میں طیب' خبیث' شاداں' ملول یا ان کے بین بین ہونا شامل ہے۔

اسی حدیث کو امام احمدؒ نے ہوذہ اور اشعری وغیرہ کے حوالے سے بھی روایت کیا ہے ترمذی اور ابن حبان نے اپنے اپنے مجموعہ ہائے صحیح میں اس حدیث کو عوف بن ابی جمیلہ اعرابی کی زبانی اور قسامہ بن زہیر المازنی بصری اور ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری کے حوالے سے پیش کیا ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو ''حدیث صحیح'' اور ''حدیث حسن'' بتایا ہے۔

السدی ابی مالک، ابی صالح، ابن عباسؓ، مرہ، ابن مسعودؓ اور کئی دوسرے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ' نے پہلے جبریل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا تھا تا کہ وہ وہاں سے (تخلیق آدم علیہ السلام کے لیے) مٹی لائیں لیکن زمین نے ان سے کہا کہ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں کیونکہ تم مجھ میں بہت سے نقائص نکال کر مجھے طرح طرح سے برا بتاؤ گے۔ زمین سے یہ سن کر جبرئیل علیہ السلام یہاں سے واپس چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور وہ سب باتیں عرض کر دیں جو زمین نے ان سے کہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین نے تمہاری طرف سے اذیت محسوس کی ہوگی جو ایسی باتیں کہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین سے مٹی لینے کے لیے میکائیل کو بھیجا تو وہ بھی زمین سے وہی باتیں سن کر یہاں سے واپس چلے گئے تو آخر میں اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کو بھیجا لیکن انہوں نے زمین کو مذکورہ بالا باتیں سن کر کہا کہ وہ اس کی مٹی بہر حال لے کر جائیں گے اور یہ بھی کہا کہ آئندہ نہ جانے مجھے تیرے کتنے اجزا پر قبضہ جمانا پڑے گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے (جگہ جگہ سے) زمین کی مٹی لے جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دی۔ اس کے بعد اسے اگر چہ گوندھ کر یکساں کیا گیا تاہم اس میں زمین کی مختلف طبعی خصوصیات باقی رہیں جو بنی آدم میں ان کے مختلف الالوان ہونے کے علاوہ آج بھی پائی جاتی ہیں۔

بہر کیف اللہ تعالیٰ نے زمین کے مختلف حصوں کی نرم مٹی کو گارے میں تبدیل فرما کر اس سے آدم کا پتلا خود اپنے دست قدرت سے بنایا اور فرشتوں سے فرمایا: (میں نے آدم کو مٹی سے تخلیق کیا ہے) پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے اس پتلے میں اپنی روح پھونکی تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر تمام فرشتوں نے ابلیس کے سوا انہیں سجدہ کیا۔

مذکورہ بالا راویوں کی روایت کردہ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روح آدم کے سر کی طرف سے پھونکی گئی تھی جس سے ان کے دماغ میں روشنی آئی' جب وہ ان کی آنکھوں تک پہنچی تو انہیں بصارت حاصل ہوئی اور وہ جنت کی مختلف چیزیں دیکھنے

لگے، پھر جب روح ان کے شکم تک پہنچی تو انہیں کھانے پینے کی خواہش ہوئی۔ اس کے بعد جب روح بتدریج ان کے ٹخنوں تک پہنچی تو وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے اور جلدی جلدی اثمار جنت کی طرف بڑھے جس کا ثبوت فرمان الٰہی ﴿خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ﴾ سے ملتا ہے۔ ویسے اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آدم کی تخلیق کے وقت اس گارے کو جس سے ان کی تخلیق ہوئی تھی کنکر میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اس لیے جب روح ان کے منہ تک پہنچی تھی تو ان کے منہ سے ٹھیکرے کے بجنے کی سی آواز نکلی تھی۔ اس کا ثبوت تخلیق آدم علیہ السلام میں فرمانِ الٰہی ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾ سے ملتا ہے۔

اس سلسلے میں اسی قبیل کی متعدد روایات ملتی ہیں جن میں کچھ اسرائیلیات سے ماخوذ روایات بھی شامل ہوگئی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ سے جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا گیا ہے پتہ چلتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا قد ستر گز تھا جس کے بعد رفتہ رفتہ بنی آدم کا قد کم ہوتے ہوتے اس حد تک آ گیا جو کم و بیش آج کل دیکھا جاتا ہے۔ حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے الفاظ یہ ہیں:

ان اللّٰہ خلق آدم وطولہ ستین ذراعا فلم یزل الخلق ینقص حتی الآن.

ایک اور حدیث سے جو متعدد مستند حوالوں سے روایت کی گئی ہے پتہ چلتا ہے کہ آدم کو جنت سے اوّل اوّل مکہ کے مقام صفا پر اتار کر جبریل علیہ السلام نے جو انہیں کھانے کی مختلف چیزیں دی تھیں ان میں گندم بھی شامل تھا جس کے آٹے سے زمین پر پہلی بار روٹی پکائی گئی۔

اس سلسلے کی بہت سی دوسری احادیث کی جستجو و تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم و حوا علیہما السلام جنت سے پہلے زمین کے الگ الگ مقامات پر اترے تھے۔ اس کی تصدیق فرمان الٰہی ﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾ سے بھی ہوتی ہے۔ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آدم و حوا علیہما السلام ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور ان کے اولاد پیدا ہونا شروع ہوئی تو ان میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی توام پیدا ہوتے تھے لیکن ان میں لڑکوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ وہ اپنے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کی بجائے صرف اپنے بھائی کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کو اپنی زوجیت میں لا سکیں گے۔

آدم علیہ السلام کے بیٹوں قابیل وہابیل کا قصہ

قابیل وہابیل کا قصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یوں بیان فرمایا ہے:

''اور (اے محمدؐ) ان کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے حالات جو (بالکل) سچے (ہیں) پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے (خدا کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی نہ ہوئی (تب قابیل ہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اس نے کہا کہ خدا پرہیزگاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے' اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا مجھے تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے' میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے گناہ میں بھی پھر (زمرۂ) اہل دوزخ میں ہو اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ مگر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا۔ اب خدا نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے۔ کہنے لگا اے ہے مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پھر وہ پشیمان ہوا''۔ (۶:۵:۲۷۔۳۱)

ہم نے اس قصے کو بحمد اللہ سورہ مائدہ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر میں حتی الامکان تفصیلاً پیش کیا ہے۔ بہر کیف ہم اسے یہاں ائمہ سلف کے بیانات کی روشنی میں مختصراً پیش کر رہے ہے۔

السدی بحوالہ ابی مالک' ابی صالح' ابن عباسؓ، مرہ ابن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کے ہاں سلسلہ توالد و تناسل شروع ہوا تو انہوں نے یہ اصول رکھا کہ ان کا ہر بیٹا اپنے بعد پیدا ہونے والے بھائی کی بہن سے نکاح کرے اور انہوں نے اسی اصول کے تحت جو حکم الٰہی پر مبنی تھا قابیل کو حکم دیا کہ وہ اس کے بعد پیدا ہونے والے بھائی ہابیل کی بہن سے عقد کرے اور ہابیل قابیل کی بہن کو اپنی زوجیت میں لائے لیکن قابیل جو ہابیل سے بڑا تھا اکڑ گیا اور ہابیل سے اپنی بہن کی شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا جب کہ اس صورت میں قابیل کی شادی ہابیل کی بہن سے ہوئی جو بہت حسین تھی لیکن ہابیل کے سمجھانے کے باوجود قابیل اپنی ضد پر اڑا رہا بلکہ ہابیل سے یہاں تک کہا کہ اگر وہ اس کی بہن سے شادی پر اصرار کرے گا تو وہ اسے قتل کر دے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اصرار تھا کہ ہابیل قابیل کی بہن سے شادی کرے لیکن قابیل کی ضد کے پیش نظر انہیں حکم دیا کہ وہ دونوں خدائے قدوس کے حضور قربانی پیش کریں اور جس کی قربانی بارگاہ حق میں قبول ہو جائے گی اس کی بات مانی جائے گی۔ یہ حکم دے کر آدم علیہ السلام حج کے لیے روانہ ہو گئے اور اپنے دونوں بیٹوں سے کہتے گئے کہ وہ اپنی اپنی املاک کے علاوہ دوسرے کی املاک کی حفاظت کا بھی خیال رکھے۔ ہابیل تو آدم علیہ السلام کے اس حکم پر عمل کے لیے تیار ہو گیا جب کہ قابیل نے اس سے بھی انکار کر دیا حالانکہ قابیل کی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بہت زیادہ تھے جب کہ ہابیل کی ملکیت صرف کچھ زراعتی زمین تھی۔

جب ان دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی قربانی بطور نذر خدا ساتھ ساتھ ایک جگہ رکھیں تو آسمان سے ایک بجلی کی طرح ایک شعلہ آیا اور ہابیل کی قربانی کو لے اڑا جس کا یہ مطلب تھا کہ ہابیل کی قربانی بارگاہ خداوندی میں قبول ہوگئی جب کہ قابیل کی قربانی اپنی جگہ موجود رہی جس کا یہ مطلب تھا کہ اس کی قربانی ناقابل قبول ٹھہری۔ یہ دیکھ کر قابیل اور بھپر گیا ہابیل نے اسے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی کہ بارگاہ خداوندی میں نذر کی قبولیت کی شرط صرف قربانی پیش کرنے والے کی پرہیزگاری ہوتی ہے۔ ہابیل سے یہ سن کر قابیل اور غضب ناک ہوگیا۔ اور اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک کوا وہاں آیا اور زمین کریدنے لگا جس سے قابیل کو یہ اشارہ ملا کہ وہ ہابیل کی لاش زمین میں کس طرح چھپائے۔ قابیل بولا کہ اس سے زیادہ عقل مند کوا ہی رہا اور اس نے زمین کھود کر اس میں ہابیل کی لاش دفن کر دی۔ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زمین پر نوع انسانی میں یہ پہلا قتل تھا۔

جن راویوں نے ایک حدیث کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق قاتل نے اگر مقتول کو آخر الذکر کے کسی گناہ پر اسے قتل کیا ہے تو قتل کا مجرم نہیں ہوتا اور اس پر شرعاً قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی جاسکتی اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور جملہ محدثین نے اس روایت کے بطور حدیث پیش کیے جانے کو غلط ٹھہرایا ہے کیونکہ جملہ صحیح احادیث میں قتل کو عظیم ترین گناہ بتایا گیا ہے۔ ہم نے اس مسئلے پر اپنی کتاب تفسیر میں مفصل گفتگو کی ہے۔

مؤرخین اور اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے ہابیل کی موت پر مرثیہ کہا تھا جو دنیا کا بالاتفاق پہلا مرثیہ کہا جاتا ہے۔

ایک صحیح حدیث کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ المناک واقعات پر اظہار غم ایک فطری عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہابیل کے قتل پر آدم علیہ السلام کے اظہار غم کو انسان کے لیے ایک فطری عمل ہی قرار دیا۔ اس موضوع پر علماء نے بڑی تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے جس پر شرح وبسط کے ساتھ اظہار رائے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

بعض علماء کے بیانات کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے حسن کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک سے یہ معانی اخذ کیے ہیں کہ یوسف کو آدم علیہ السلام کے حسن کا نصف حصہ دیا گیا تھا علمائے کرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا قول مبارک سے یہ نتیجہ اخذ کرنا نامناسب یا بعید از قیاس نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا جب کہ ساری کائنات کی حیثیت تخلیق اللہ تعالیٰ کے حکم ''کن فیکون'' سے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آدم میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو یہ حکم دے کر کہ انہیں سجدہ کریں انہیں اعلیٰ ترین عظمت سے سرفراز فرمایا۔ پھر جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آدم علیہ السلام کو زمین پر تو نے اپنی خلافت سونپ کر وہاں کی ہر چیز پر انہیں تسلط عطا فرمایا ہے اب جنت کو ہمارے لیے مخصوص فرما دے۔ فرشتوں کے اس التماس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ جنت بھی اس کی صالح ذریات کے لیے مخصوص ہے جسے ہم نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' اس میں اپنی روح پھونکی اور اسے اپنی صورت پر ڈھالا اس امر کی بین دلیل ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت کیا تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور اپنے بیٹے شیث کو ان کی وصیت

شیث کے معنی اللہ کے نام ہبہ کے ہوتے ہیں۔ اپنے اس بیٹے کا یہ نام آدم علیہ السلام نے اس لیے رکھا تھا کہ انہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے رزق دے ہی رہا تھا لیکن ان کے اس بیٹے کے لیے بھی بغیر مشقت ہابیل کے قتل کے بعد رزق کا وہی (اللہ تعالیٰ) ضامن تھا۔

ابوذر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے پیغمبروں پر) سو صحیفے اور چار (مکمل آسمانی) کتابیں نازل فرمائیں جن میں سے پچاس صحیفے صرف شیث (علیہ السلام) پر نازل فرمائے۔

محمد بن اسحٰق (ایک حدیث کے حوالے سے) فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کو وصیت کی، انہیں شب و روز کی ساعتوں اور ان ساعتوں میں عبادات نیز (آئندہ) آنے والے طوفان کے بارے میں بتایا۔ ابن اسحٰق کچھ دوسری روایات کے حوالے سے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے نہ صرف شیثؑ بلکہ جملہ بنی آدم کو پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ واللہ اعلم

حضرت آدم علیہ السلام نے جمعہ کے روز وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ہاتھ ان کی لاش کے لیے جنت سے اشیائے حنوط اور کفن بھیجا جو ان کے بیٹے شیثؑ اور ان کی وصیت کے لیے بھی بڑا اعزاز تھا۔

ابن اسحٰق مزید بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد سورج اور چاند سات روز تک مسلسل رات دن گہن میں رہے۔

عبداللہ بن امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ان سے ہدبہ بن خالد اور حماد بن سلمہ نے حمید، حسن اور یحییٰ یعنی ابن ضمرہ السعدی کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے مدینے میں ایک شخص کو گفتگو کرتے ہوئے سنا تو لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ابی بن کعب ہیں۔ ابن کعب کہہ رہے تھے کہ جب آدم علیہ السلام کی وفات قریب آئی تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ ان کا جی جنت کے پھل کھانے کو چاہ رہا ہے اور ان سے فرمائش کی کہ وہ انہیں کہیں سے ڈھونڈھ کر لائیں۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے زمین پر نزول کے وقت ان کے ساتھ جنت کے پھل اور ان کے پودے جن میں گیہوں کا پودا بھی شامل تھا بھجوائے تھے۔ چنانچہ جب وہ (آدم علیہ السلام کے بیٹے) ان کی تلاش میں نکلے تو ان کا سامنا ان فرشتوں سے ہو گیا جو آدم کی تجہیز و تکفین، حنوط اور ان کی تدفین کے لیے دوسرا سامان لے کر آ رہے تھے۔ فرشتوں نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کیا لینے جا رہے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے مریض باپ کے لیے جنت کے پھلوں کی تلاش میں جا رہے ہیں کیونکہ ان کے والد کو

ان کے کھانے کی خواہش ہے۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا کہ ان کے والد تو قضائے الٰہی سے فوت ہو چکے ہیں۔ فرشتوں سے یہ سن کر آدم کے بیٹے اپنے گھر کی طرف لوٹے تو فرشتے بھی ان کے ساتھ ہو لیے لیکن جب وہ ان کے مکان پر پہنچے تو بی بی حوا انہیں پہچان کر بولیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ان سے جدا کر دیا ہے اور یہ کہہ کر انہوں نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کی میت کے قریب جانے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی میت کو غسل دے کر اسے حنوط کیا۔ پھر اسے کفنا کر اس کے لیے قبر کھودی اور اس میں اسے دفن کر کے فاتحہ پڑھی اور آدمؑ کے بیٹوں سے کہا کہ ''یہی تمہاری اور باقی تمام بنی آدم کے لیے آج سے سنت ہوگی''۔

اس روایت کی جملہ اسناد صحیح اور مستند ہیں۔ (مؤلف)

شیبان بن فروخ کی طرح ابن عساکر نے بھی محمد بن زیاد' میمون بن مہران اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام (کے جنازے) پر چار تکبیریں کہی تھیں' اسی طرح ابوبکر' فاطمہ رضی اللہ عنہما (کے جنازے) پر چار تکبیریں کہیں گے' عمرؓ ابوبکر رضی اللہ عنہما کے جنازے پر چار تکبیریں اور اسی طرح صہیب' عمر رضی اللہ عنہما (کے جنازے) پر چار تکبیریں کہیں گے۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی میمون نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بھی روایت کی ہے۔

آدم علیہ السلام کے مدفن کے بارے میں مؤرخین میں باہم اختلافات ہیں سب سے زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ آدم ہندوستان میں پہاڑ سے اتر کر جس میدان میں آئے تھے ان کا مزار وہیں ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر مکے کے کوہ ابوقبیس پر ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سر مسجد ابراہیم میں ہے اور ان کے پاؤں صخرہ بیت المقدس تک پھیلے ہوئے ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان کے وقت آدم وحوا علیہما السلام دونوں کی لاشیں ایک تابوت میں رکھ کر بیت المقدس پہنچائی تھیں۔ یہ روایت ابن جریر کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حوا آدم علیہما السلام کی وفات کے ایک سال بعد ہی وفات پائی تھیں۔ آدم علیہ السلام کی عمر کے بارے میں بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم نے اس سے قبل حدیث کے حوالے سے اس سلسلے میں جو روایت پیش کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی عمر لوح محفوظ میں ایک ہزار سال درج ہے جب کہ توریت میں بتایا گیا ہے کہ وہ نو سو تیس سال زندہ رہے۔ توریت کا یہ بیان بظاہر مذکورہ بالا حدیث سے متعارض ہے لیکن غور کیا جائے تو یہ تعارض باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ توریت کے بیان میں بدیہی طور پر آدم علیہ السلام کے جنت سے زمین پر اتر کر زندہ رہنے کا ذکر ہے اور نو سو تیس سال کی یہ مدت بھی شمسی سال کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اگر اس میں قمری سال کے لحاظ سے ستائیس سال اور بڑھا دیئے جائیں تو آدم علیہ السلام کی زندگی کی یہ مدت نو سو ستاون سال ہو جاتی ہے اور اگر اس میں ابن جریر کی روایت کے مطابق آدم علیہ السلام کی جنت میں زندگی کے ۴۳ سال اور اضافہ کر دیئے جائیں تو ان کی زندگی کی مجموعی مدت وہی ایک ہزار ہو جاتی ہے جو مذکورہ بالا حدیث کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔

عطاء الخراسانی کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی وفات پر ساری مخلوق خداوندی سات دن تک گریہ وزاری میں مبتلا رہی۔

ابن عساکر سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیث علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے اور ایک

باب ۸

قصہ حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام لامک بن متوشلخ بن خنوخ کے فرزند تھے جب کہ خنوخ تاریخ میں عموماً ادریس بن یرد بن مہلاییل بن قینن بن انوش ابن شیث بن ابوالبشر آدم علیہ السلام کے نام سے مشہور ہیں۔

جیسا کہ ابن جریر نے بیان کیا ہے حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد ہوئی تھی لیکن قدیم اہل کتاب کے مطابق وہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھیالیس سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ تاہم حافظ ابو حاتم بن حبان نے اپنی تاریخ صحیح میں حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت میں درمیانی فصل کے بارے میں محمد بن عمر بن یوسف وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آیا حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام دونوں نبی تھے اور جب آپؐ نے اس کے سوال کا اثبات میں جواب دیا تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش کے درمیانی وقفے کے بارے میں آپؐ سے سوال کیا تو آپؐ نے دس قرون فرمایا۔ یہ حدیث مسلم نے پیش کی ہے لیکن اس کا کہیں سے اخراج نہیں کیا۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہی حدیث آئی ہے اور اس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک قرن سے یہاں مراد سو سال ہیں۔ اس طرح وفات حضرت آدم علیہ السلام اور ولادت حضرت ادریس علیہ السلام کا درمیانی فصل ایک ہزار سال قرار پاتا ہے نیز یہ کہ اس دوران میں حضرت آدم علیہ السلام کی جملہ اولاد کا مذہب اسلام تھا۔ البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے صحیح بخاری میں جو روایت بیان کی گئی ہے اس پر تمام اہل اسلام متفق ہیں اس سے جو بات متبادر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کی اولاد کا مذہب اسلام نہیں تھا۔ اس طرح کچھ مؤرخین اور اہل کتاب کی اس بارے میں روایات صحیح قرار پاتی ہیں یعنی حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اسلام پر قائم نہیں رہی۔ تاہم ابن امامہؓ کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم مؤرخین اور اہل کتاب کا یہ بیان کہ قابیل اور اس کے بعد ہی سے آدم علیہ السلام کی اولاد اسلام کے دائرے سے خارج ہو گئی تھی غلط ہے۔

اگر قرن سے مراد بنی آدم کا ایک زمانہ یا ان کی ایک نسل لیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''ہم نے نوح کے بعد کئی قرنوں کے لوگوں کو بلا کر کہا اور قرن آخر میں ان کی نشاۃ ثانیہ کی اور یہ بھی فرمایا کہ اس دوران میں ان کی کئی قرون یعنی نسلیں گزریں اور یہ بھی کہ اس سے قبل ان کی کئی نسلیں گزر چکی تھیں اور اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کو کہ ''میرا زمانہ خیر القرون ہے'' پیش نظر رکھا جائے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہی بنی آدم کی کئی نسلیں دنیا میں رہ چکی تھیں اور اس طرح حضرت ادریس علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک ہزاروں سال ہو جاتے ہیں اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے

فرمائی ہے کہ ''اس دوران میں کئی قرون یعنی نسلیں تھیں''۔ واللہ اعلم

بہر کیف نوح علیہ السلام وہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس وقت نبوت عطا فرمائی جب اس زمانے کے لوگ اصنام پرستی اور حد درجہ گمراہی میں مبتلا تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کے پہلے پیغمبر تھے جنہیں اس نے زمین پر نبوت کے عہدۂ جلیلہ سے سرفراز فرمایا جیسا کہ اہل موقف قیامت کے دن بھی کہیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا نام جیسا کہ ابن جبیر وغیرہ نے بیان کیا ہے بنو راسب تھا اور وہ اسی نام سے مشہور تھی۔

البتہ اس روایت میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو پچاس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت تین سو پچاس سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور بعض راویوں کے بیان کے مطابق وہ اس وقت چار سو اسی سال کے ہو چکے تھے۔ یہ روایات ابن جبیر نے بیان کی ہیں اور انہیں حوالہ بحوالہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تک پہنچایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کا قصہ اور یہ کہ ان کی قوم میں جن لوگوں نے ان کی ہدایات پر عمل کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ انہیں کاذب اور گمراہ ٹھہرایا اور ان سے معجزات طلب کیے اور تا آخر اسی کفر و ضلالت میں مبتلا رہے تا آنکہ ان پر طوفان عظیم کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوا اور وہ لوگ جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کا اتباع کیا تھا اور ان پر اور خدائے تعالیٰ پر ایمان لا چکے تھے کس طرح ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر اس طوفان عظیم اور دردناک عذاب سے بچ نکلے تھے سورہ ہائے اعراف' یونس' ہود' انبیاء' مومنون' شعراء' عنکبوت' صافات' اقترب میں تفصیلاً بیان فرمایا ہے بلکہ اس قصے کی مکمل تفصیل کے ایک پوری سورت (سورہ نوح) بھی نازل فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سورت سورۂ براۃ اور سورۂ ابراہیم میں بھی حضرت نوحؑ اور عاد و ثمود کی قوموں پر عذاب انہی کے نزول کا ذکر فرمایا ہے تاہم ہم نے حضرت نوحؑ اور ان کی قوم کے حالات تمام کے تمام کتاب و سنت اور دوسری دینی کتب سے لیے ہیں اور ان میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات کو مقدم سمجھا ہے اور انہی کو ترجیح دی ہے جیسا کہ ہم نے اس سے قبل حضرت ادریس علیہ السلام کی وفات اور حضرت نوحؑ کی ولادت کے درمیانی فصل کے بارے میں قرون کا ذکر کرتے ہوئے انہی کی روایات کا حوالہ دیا ہے اور وہی روایات بخاریؒ نے بھی پیش کی ہیں۔ ویسے بخاریؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایات قوم نوحؑ کے بعد دیگر اقوام کے بارے میں ابن جریج اور عطاء کے حوالے سے پیش کی ہیں اور ''کلھم علی الاسلام'' کے الفاظ یعنی وہ سب اسلام پر تھیں استعمال کیے ہیں ان میں یہ بھی بتایا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وہ روایات احادیث نبویؐ کے علاوہ متعلقہ قرآنی آیات کے حوالے سے بیان کی ہیں اور ان اقوام کے بعد عرب کی دوسری اقوام جو زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نسلاً بعد نسل اصنام پرستی میں مبتلا ہوئیں اس کے اسباب بھی تفصیل سے بیان کیے ہیں اور ان سے قبل قوم نوحؑ کے رجال صالحین کا بھی ذکر کیا ہے۔

یہ روایات عکرمہ' ضحاک' قتادہ اور محمد بن اسحٰق نے بھی مذکورہ بالا حوالوں ہی سے پیش کی ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے متبعین کی نسلوں کے جو افراد عرصہ بعید و مدت مدید تک اسلام پر قائم رہے ان کی اصنام پرستی کے آغاز کے اسباب میں سے ابی حاتم نے متعدد حوالوں سے ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس زمانے کے کچھ لوگ اپنے کسی عزیز کی

وفات کے بعد اس کی قبر پر اظہار افسوس اور گریہ وزاری کر رہے تھے کہ اس وقت شیطان انسانی شکل میں ان کے سامنے آ کر بولا کہ وہ خواہ مخواہ اس شخص کی موت پر نوحہ کناں ہیں جب کہ وہ اسے زندہ سلامت ان کے روبرو لا سکتا ہے۔ شیطان سے یہ سن کر وہ لوگ بولے کہ اگر وہ ایسا کر سکتا ہے تو کر کے دکھائے۔ چنانچہ شیطان فوراً اس مردہ شخص کی شکل اختیار کر کے ان کے سامنے آ گیا۔ پھر بولا کہ اگر وہ چاہیں تو وہ ان کے بہت سے دوسرے مردہ افراد کو بھی زندہ کر کے دکھا سکتا ہے۔ پھر ان کی درخواست پر شیطان نے ایسا ہی کیا اور ان کے متعدد افراد کی شکل اختیار کر کے ان کے سامنے آ گیا۔ پھر بولا کہ اگر وہ چاہیں تو وہ ان کے بہت سے دوسرے مردہ افراد کو بھی زندہ کر کے دکھا سکتا ہے۔ پھر ان کی درخواست پر شیطان نے ایسا ہی کیا اور ان کے متعدد افراد کی شکل اختیار کر کے یکے بعد دیگرے ان کے سامنے آتا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ حیرت میں رہ گئے اور پھر شیطان کے اس مظاہرۂ قدرت و اختیار کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد خدائے واحد کی پرستش ترک کر کے شیطان کے کہنے پر اس راستے پر یعنی اصنام پرستی کے راستے پر چلنے لگے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک اقوام عرب اولاد در اولاد اس کفر وضلالت میں مبتلا رہیں جس کا ذکر ہم نے حسب موقع اپنی کتاب تفسیر میں بالتفصیل کیا ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ درج کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ جب آپؐ سے ام سلمہ وام حبیبہ نے حبشہ کے ایک تبکدے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں بڑی خوب صورت تصاویر اور بتوں کے مجسمے رکھے گئے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ ازمنہ قدیم میں جب کوئی مرد صالح وفات پا تا تھا۔ تو اس کی قوم کے افراد اس کی قبر پر ایک مسجد تعمیر کر دیتے تھے لیکن رفتہ رفتہ وہی مساجد اب تبکدوں میں تبدیل ہوگئی ہیں جہاں لوگ اپنے اپنے مردہ افراد کے مجسمے بنا کر انہی کی پرستش کرنے لگے ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک اس کے بندوں کا شر ہے۔

ان روایات کے اندراج کا یہاں اصل مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جب دنیا میں بت پرستی کی وبا عام ہوئی اور اس سے ہر طرف انتشار کی کیفیت پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت نوح علیہ السلام کو زمین پر اپنے بندوں کی اصلاح اور صرف اپنی پرستش کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ مخلوق خداوندی اس شر آمیز وبا سے بچ سکے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے جو متفق علیہ اللہ تعالیٰ کے زمین پر پہلے پیغمبر تھے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بت پرستی سے باز آنے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن ان کے کچھ متبعین کے علاوہ سب کے سب اسی وبا میں مبتلا رہے بلکہ ان کے متبعین کی اولاد در اولاد بھی آگے چل کر جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے اس بلا کا شکار ہوگئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث شفاعت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق قوم نوح کے بت پرست جنہیں انہوں نے خدائے واحد کی پرستش کی ہدایت فرمائی تھی لیکن وہ اس ہدایت پر عمل پیرا ہونے کے بجائے آپ کو کاذب ٹھہراتے ہوئے اصنام پرستی پر بضد رہے تھے روز قیامت پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں گروہ در گروہ پہنچیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا اور آپ میں اپنی روح پھونکی تھی' پھر آپ کو جنت میں قیام کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری شفاعت فرما دیجیے تاکہ وہ ہمارے گناہ معاف فرما دے لیکن

ان کے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہیں کہ وہ جنت میں رہتے ہوئے اس کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے تھے۔ اس لیے تم اپنے نبی حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔

اس کے بعد وہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر وہی درخواست ان سے بھی کریں گے لیکن وہ فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ آج اس قدر حالتِ غضب میں ہے کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا اور آج کے بعد شاید پھر کبھی نہ ہو' یہ کہہ کر وہ ان سے اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی شفاعت سے اپنی معذرت کا اظہار فرمائیں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث شفاعت کو جو کافی طویل ہے بخاری نے قصہ نوحؑ کے تحت بہ تمام وکمال روایت کیا ہے۔ بہر کیف حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے حتی الامکان وہ تمام ہدایات کی تھیں جو اللہ تعالیٰ کے ایک رسول کے شایان شان ہو سکتی تھیں۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے وہی تمام باتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے سامنے بیان کی تھیں اپنی قوم سے بیان کی تھیں اور جیسا کہ سورۂ انعام اور سورۂ کہف میں آیا ہے وہ اپنی قوم کو ایک ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل کرنے اور اس سلسلے میں ان سے متواتر بحث کرتے رہے تھے جس کے بعد ان کی قوم پر طوفان عظیم کی صورت میں عذاب الٰہی نازل ہوا تھا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بعد کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کو مذکورہ بالا طوفانِ عظیم میں غرقابی سے بچالیا تھا اور ان متعدد مستند روایات کے باوصف کہ ان کی کشتی کوہ جودی تک جا پہنچی تھی جو ارضِ جزیرہ کا مشہور پہاڑ ہے اور جس کے باشندوں کا ذکر ہم "مخلوق الجبال" (پہاڑی باشندے) کے ضمن میں کر چکے ہیں کچھ لوگ یہ (احمقانہ) سوال کرتے ہیں کہ جب طوفانِ نوح میں سب کچھ اور تمام مخلوق غرق ہو گئی تھی تو پھر روئے زمین پر اتنی کثرت سے انسان کہاں سے آ گئے؟ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا ارشاد کے علاوہ اس کے یہ ارشادات کہ: ① "ہم نے اس کی ذریت کے کچھ لوگوں کو باقی رکھا تھا"۔ ② "وہ ہمارے رحم وکرم کی وجہ سے بچ گئے تھے"۔ بھول جاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں تین افراد سام' حام اور یافث بہت مشہور ہیں اور روئے زمین پر خصوصاً حبشہ اور روم وغیرہ میں تمام اجناس انہی تینوں کے نام سے مشہور چلی آتی ہیں۔

امام احمدؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مروی ہے کہ سام کی اولاد میں عرب' اہل فارس اور اہل روم ہیں' یافث کی اولاد میں ترک' سقالبہ اور یاجوج ماجوج ہوئے اور حام کی اولاد میں قبط' بربر اور سوڈان کے لوگ ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث نبویؐ کے مطابق آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "سام کی اولاد میں قبط' بربر اور سودان کے لوگ ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث نبوی کے مطابق آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "سام کی اولاد میں اچھے لوگ پیدا ہوئے جب کہ یافث اور حام کی اولاد میں برے لوگ ہیں"۔

حافظ ابوبکر البزارؒ کہتے ہیں کہ "اس حدیث نبوی کے علاوہ ایسی دوسری کوئی مستند روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔ لہٰذا ہم

نے حضرت نوح علیہ السلام کی ان اولادوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث نبوی کی بنیاد پر لکھا ہے۔ واللہ اعلم

ویسے کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے یہ تینوں بیٹے ان کے ساتھ تھے جب کہ ان کا بیٹا کنعان طوفان میں غرق ہوا اور دوسرا بیٹا عابر طوفان سے قبل فوت ہو چکا تھا اور یہی روایت صحیح ہے۔

مستند خبروں کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی سیرت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے: ﴿کان عبداً شکورا﴾ یعنی وہ شکر گزار بندہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب بھی کچھ کھاتے پیتے یا پہنتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ضرور ادا کرتے تھے اور وہ اپنی شانِ نبوت پر بھی ہمیشہ اپنے پروردگار کے شکر گزار رہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے ابواسامہ اور زکریا بن ابی زائدہ نے سعید بن ابی بردہ اور انس بن مالک کے حوالے سے یہ حدیث نبوی روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو کھائے تو اس کا شکر ادا کرے، پیئے تو اس کا شکر ادا کرے''۔ یہ حدیث نبوی مسلمؒ، ترمذیؒ اور نسائی نے بھی ابواسامہ ہی کے حوالے سے روایت کی ہے۔

ظاہر ہے کہ شکر گزار وہی ہو سکتا ہے جو اپنے قول وعمل اور دل سے اپنی تمام عبادات میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا رہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

شکر فائدہ مند تب ہی ہوتا ہے — کہ شکر زبان، عمل اور ضمیر سے ادا ہوتا رہے

حضرت نوح علیہ السلام کا روزہ:

بابِ صیام نوحؑ میں ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ ان سے سہل بن ابی سہل اور سعید بن ابی مریم نے ابن ابی لہیہ، جعفر بن ربیعہ اور ابی فراس کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''نوح (علیہ السلام) روز عید الفطر اور روز عید الاضحیٰ کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے''۔

یہی حدیث نبوی ابن ماجہؒ نے عبداللہ بن لہیہ کے ذریعہ سے انہی کی سند اور الفاظ میں روایت کی ہے۔

طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے ابواثر نباع روح بن فرج، عمرو بن خالد حرانی اور ابن لہیہ نے ابی قتادہ اور یزید بن رباح کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے عبداللہ بن عمرو سے سنا اور عبداللہ بن عمرو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''نوح (علیہ السلام) عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ کے دن کے علاوہ ہمیشہ روزے سے رہتے تھے جب کہ داؤد علیہ السلام آدھے سال کے روزے رکھا کرتے تھے اور ابراہیم (علیہ السلام) ہر مہینے میں تین دن روزے سے رہتے تھے اور ان میں تین دنوں میں کبھی روزہ چھوڑ بھی دیتے تھے''۔

حضرت نوح علیہ السلام کے حج کا ذکر:

حافظ ابویعلیٰ فرماتے ہیں کہ ان سے سفیان بن وکیع اور خود ان کے والد نے زمعہ یعنی ابن ابی صالح، سلمہ بن وہرام، عکرمہ

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ (مدینے سے مکے) حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کے راستے میں وادی عسفان پڑی۔ جب آپ اس وادی سے گزر رہے تھے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے دریافت فرمایا: ''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کون سی وادی ہے؟''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) یہ وادی عسفان ہے''۔

حضرت ابوبکر سے یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''جب نوح' ہود اور ابراہیم (علیہم السلام) بیت العتیق (قدیم خانہ کعبہ) کے حج کے لیے آئے تھے تو وہ اسی وادی سے گزرے تھے' ان کے اونٹ سرخ رنگ کے تھے جن کی نکیلیں کھجور کی چھال کی بنی ہوئی تھیں' ان کا اپنا لباس تہمدوں' اور عباؤں پر مشتمل تھا اور ان کی عبائیں چیتے کی کھال کی طرح تھیں''۔

اس حدیث میں بڑی غرابت پائی جاتی ہے۔ (مؤلف)

حضرت نوحؑ کی اپنے بیٹے کو وصیت:

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے سلیمان بن حرب اور حماد بن زید نے صقعب بن زہیر اور زید بن اسلم کے حوالے سے بیان کیا جب کہ حماد کو جہاں تک یاد تھا انہوں نے عطاء بن یسار اور عبداللہ بن عمرو سے سنا تھا کہ ایک روز جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو وہاں ایک صحرا نشین شخص یعنی بدو آیا جس نے بڑا قیمتی جبہ پہنا ہوا تھا جس میں دیبا کا کام تھا۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے اس بدو سے فرمایا کہ آیا اس کا ساتھی وہی لباس تھا جو اہل فارس اور اہل روم بطور نمائش استعمال کرتے ہیں اور کیا اہل عرب بھی اب اہل فارس اور اہل روم کی طرح کبر و نخوت میں مبتلا ہو گئے ہیں؟ پھر آپؐ نے اس کا جبہ ایک طرف سے پکڑ کر فرمایا:

''یہ لباس تم پر نہیں سجتا کیونکہ اس سے عقل میں اضافہ نہیں ہوتا''

اس کے بعد آپؐ نے جملہ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''جب اللہ کے نبی حضرت نوح (علیہ السلام) کی وفات کا وقت قریب تھا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلا کر فرمایا تھا: میں بطور وصیت تمہیں دو باتوں کا حکم دینا اور دو باتوں سے روکنا چاہتا ہوں۔ جن دو باتوں کا میں تمہیں حکم دینا چاہتا ہوں ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں اور دوسری یہ کہ ہمیشہ اس کی تحمید و تمجید بیان کرتے رہنا۔ زمین اور آسمان کے سات سات طبقات ہیں اگر زمین کے ساتوں طبقات اور آسمان کے ساتوں طبقات کسی ایک جگہ جمع ہو کر مبہم شکل میں بھی کسی کے سامنے آ جائیں تو وہ ان سب کو لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ وبحمدہ کہتا ہوا پائے گا کیونکہ اللہ ہی ہے جو تمام زمینوں اور آسمانوں کی مخلوقات کو رزق دیتا ہے اور انہیں شرک اور کبر سے روکتا ہے۔ لہٰذا میں بھی تمہیں ان دو باتوں سے اجتناب کی وصیت کرتا ہوں''۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس نے یا تمام حاضرین نے آپؐ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) کیا اچھا لباس زیب تن کرنا شرک میں داخل ہوگا؟'' آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر دریافت کیا گیا: ''کیا اچھی سواری پر سوار ہونا شرک سمجھا جائے گا؟''۔

جب آخر میں آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ آیا کسی کی مجلس میں لوگوں کا آ کر بیٹھنا اس شخص یا دوسروں کے لیے شرک سمجھا

جائے گا؟ تو آپ نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ اس لیے آپ سے دریافت کیا گیا کہ پھر کبر وتکبر میں فرق کیا ہے اور شرک کیا ہے؟ اس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ ''حق کو نہ ماننا اور لوگوں کو بڑا سمجھنا شرک ہے''۔

یہ اسناد صحیح ہیں لیکن ان سے کسی (محدث) نے استخراج نہیں کیا۔ (مؤلف)

ابوالقاسم طبرانی نے عبدالرحیم بن سلیمان کی روایت محمد ابن اسحٰق عمرو بن دینار اور عبداللہ بن عمرو کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت نوح علیہ السلام کی وصیت کے بارے میں فرمایا تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو دو خصائل سے پیوستگی اور دو خصائل سے اجتناب کی وصیت کی تھی۔ اس کے بعد آپؐ نے وہ باتیں بھی بیان فرمائی تھیں جن کا ذکر حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے سطور بالا میں آ چکا ہے۔

یہی حدیث ابوبکر بزار سے بھی ابراہیم بن سعید' ابی معاویہ الضریر' محمد ابن اسحٰق' عمرو بن دینار' عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے حوالے سے اسی طرح مروی ہے جیسا اسے طبرانی نے روایت کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کے آخری حوالے میں بھی عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی جگہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ہوگا جیسا کہ طبرانی کی روایت کے آخری حوالے میں بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

اہل کتاب کا گمان یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر شریف چھ سو سال تھی لیکن اہل کتاب کا یہ گمان یا خیال محل نظر ہے کیونکہ اگر قرآنی بیانات سے اہل کتاب کے اس قیاس کا مقابلہ کیا جائے تو اہل کتاب کا یہ قیاس صریحاً غلط ٹھہرے گا۔ قرآن کا پہلا بیان یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر بعثت سے قبل اور طوفان تک کا زمانہ ملا کر نو سو پچاس سال ہو چکی تھی۔ طوفان کے بعد وہ کتنے سال اور زندہ رہے یہ خدا بہتر جانتا ہے۔ قرآن کا دوسرا بیان جسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے استخراجاً پیش کیا ہے اور اب تک محفوظ ہے یہ ہے کہ وقت بعثت حضرت نوح علیہ السلام کی عمر چار سو اسی سال تھی اور طوفان کے بعد وہ تین سو پچاس سال اور زندہ رہے تو اس حساب سے ان کی پوری عمر ایک ہزار سات سو اسی سال قرار پاتی ہے۔

جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کی قبر کے محل وقوع کا سوال ہے تو جیسا کہ ابن جریر اور ازرقی نے عبدالرحمٰن بن سابط یا کسی دوسرے تابعی کے حوالے سے مرسلاً بیان کیا ہے ان کی قبر مسجد حرام میں ہے۔ یہ بیان قوی ہے اور یقیناً صحیح بھی ہے کیونکہ اکثر متاخرین نے حضرت نوح علیہ السلام کا قیام علاقہ بقاع کے کسی شہر میں بتایا ہے جسے آج کل بکرک نوح علیہ السلام کہا جاتا ہے جہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مسجد بکرک نوح علیہ السلام کی نسبت سے تعمیر کی گئی ہوگی۔ واللہ اعلم

باب ۹

قصہ ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام کا پورا نام ہود بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح تھا۔ انہیں ہود کے علاوہ عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بھی کہا جاتا تھا جب کہ کچھ لوگ انہیں ہود بن عبداللہ بن رباح بن جارود بن عاد بن عوض بن ارم' ابن سام بن نوح (علیہ السلام) بھی کہتے تھے اور کچھ دوسرے لوگ انہیں یکے بعد دیگرے وقتاً فوقتاً پہلے دونوں ناموں سے پکارتے تھے۔

ابن جبیر نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا قبیلہ عاد بن عوص بن سام بن نوح کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ عرب تھے اور ان کی سکونت یمن کے پہاڑی علاقے رمل میں تھی جو عمان وحضرموت کے سمندری ساحل پر واقع تھا جسے شحر کہا جاتا تھا اور ان کی وادی کا نام مغیث تھا۔

حضرت ہود علیہ السلام کے قبیلے والے خس سے تیار کردہ خیموں میں رہتے تھے لیکن ان کی بناوٹ اتنی عمدہ ہوتی تھی کہ خود اللہ تعالیٰ نے قوم عاد پر عذاب الٰہی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اس کے خیموں کی خوب صورتی اور عمدگی کی طرف بھی اشارہ کیا جو عذاب خداوندی کے بعد یکسر تباہ و برباد ہو گئے تھے ﴿اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ یہی عاد اوّل کی وہ قوم تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس جیسی قوم پھر دنیا کے کسی علاقے میں نہیں پیدا کی گئی ﴿اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ﴾ اس آیت قرآنی میں عاد ارم سے ظاہر ہے کہ عاد اولی کی قوم مراد ہے۔ کچھ لوگ اس آیہ قرآنی میں عاد ارم یعنی قوم عاد پر زور سمجھتے ہیں جب کہ کچھ دوسرے لوگ ذات العماد یعنی ان کے خیموں کی عمدگی اور خوبصورتی کی طرف اشارہ بتاتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس آیہ قرآنی میں قوم عاد ہی پر زور دیا گیا ہے جو اپنے رہن سہن کے لحاظ اس قدیم ترین زمانے میں بھی عروج پر تھی لیکن اپنے کبر وغرور اور کفر و الحاد کی بناء پر اسے عذاب الٰہی سے دوچار ہونا پڑا جس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے کیا ہے۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ارم ایک شہر تھا جو سطح ارضی پر دائرے کی شکل میں تھا اور جس کا ایک حصہ یمن' ایک حصہ شام اور ایک حصہ حجاز میں تھا وہ بعید از قیاس ہے اس قیاس کا کوئی ثبوت اب تک سامنے آیا ہے نہ کوئی دلیل حتیٰ کہ کوئی ایسی روایت بھی مؤرخین کی نظر سے اب تک نہیں گزری جو اس قیاس کی بنیاد ٹھہرتی ہو۔

ابن حبان کی کتاب ''صحیح'' میں ابوذر کی طویل روایت میں جس میں انبیاء ومرسلین کا ذکر کیا گیا ہے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان چاروں انبیاء یعنی ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ اور ایک صاحب صحیفہ نبی یا اباذر کا تعلق عرب کی سرزمین سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام پہلے شخص تھے جو عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے جب کہ وہب ابن منبہ نے بتایا ہے کہ عربی زبان میں پہلی بار گفتگو کرنے کا سہرا حضرت ہود علیہ السلام کے والد کے سر تھا۔ کچھ لوگوں نے یہ بات حضرت نوحؑ کی بابت کہی ہے اور کچھ دوسروں نے یہی بات

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں بتائی ہے لیکن یہ دونوں باتیں بڑی مشتبہ ہیں' کچھ لوگوں نے اس سلسلے میں اور بہت کچھ کہا ہے۔

جہاں تک عرب مستعبرہ کا تعلق ہے تو اس کا اطلاق حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد پر ہوتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے شخص تھے جو فصیح و بلیغ عربی میں گفتگو فرماتے تھے۔ تاہم حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین حرم پر ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو جن انعامات سے سرفراز فرمایا ان میں عربی زبان بھی شامل تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی عربی زبان میں حد درجہ فصاحت کے ساتھ مخاطب فرمایا تھا جس کا ذکر ہم حسب موقع ان شاء اللہ آگے چل کر کریں گے۔

ویسے یہاں اتنا عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصیح البیانی بھی خداداد تھی۔

بہر کیف اس باب میں ہمیں یہ بیان کرنا ہے کہ عاد کی قوم اور عاد کے زمانے سے طوفان کے بعد عرب میں بت پرستی شروع ہوئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں انہی کے ایک بھائی حضرت ہود علیہ السلام کو بہ حیثیت نبی مبعوث فرمایا تا کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو خدائے واحد کی پرستش کی ہدایت فرمائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں بیان فرمایا ہے اور قوم نوح علیہ السلام کے بعد سورۂ ''قد افلح المومنون'' میں بھی قوم عاد کا ذکر فرماتے ہوئے بتایا ہے کہ حضرت ہودؑ نے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن وہ پھر بھی بت پرستی کی عادت قبیحہ میں مبتلا رہے اللہ تعالیٰ نے سورۂ حم سجدہ میں بھی قوم عاد کی شدت سے اصنام پرستی کے علاوہ ان کے انتہائی کبر و نخوت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی سورہ الحاقہ میں ارشاد فرمایا کہ قوم عاد پر ہوائے تند کی طوفانی شکل میں عذاب الٰہی کس طرح نازل ہوا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود اور فرعون پر عذاب الٰہی کے نزول کی طرف اشارے فرمائے ہیں جن کا ذکر ہم نے بحمد اللہ اپنی کتاب تفسیر میں جگہ جگہ حسب موقع تفصیلاً کیا ہے۔

عاد اور اس کی قوم کی پہلی شان و شوکت اور صرصر کے ذریعہ ان کی تباہی و بربادی کے بارے میں مذکورہ بالا قصے سے ملتا جلتا ایک قصہ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں زید بن حباب' ابو منذر سلام بن سلیمان نحوی اور عاصم بن ابی النجود کی زبانی اور ابی وائل اور حارث یعنی ابن حسان کے حوالے سے جو ابن یزید البکری بھی کہلاتا تھا بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آخر الذکر ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے ربذہ سے گزر رہا تھا کہ اسے بنی تمیم کی ایک بہت ہی بوڑھی عورت ملی۔ اس نے اس ضعیفہ کی منزل مقصود دریافت کی تو اس نے آگے کی طرف اشارہ کر دیا۔ چونکہ وہ ضعیفہ بہت کمزور تھی اور چلنے میں دشواری محسوس کر رہی تھی اس لیے اس نے اسے اپنی پیٹھ پر اٹھا لیا۔ کافی دور چلنے کے بعد ایک مسجد نظر آئی جہاں اس ضعیفہ کے کہنے پر اس نے اسے اپنی پشت سے اتار دیا۔ بوڑھی نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے مدینے جا رہا ہے اور اس سے پوچھا کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتی ہو تو اسے بتا دے وہ آپ کی خدمت میں اس کی طرف سے اسے پیش کر دے گا۔ بوڑھی نے جواب دیا کہ اس نے اپنی قوم کے بزرگوں کی زبانی قوم عاد کے بارے میں وہ قصہ سنا ہے جو اس کی قوم کے بڑے بوڑھے یکے بعد دیگرے انہیں سناتے آئے تھے۔ پھر وہ بولی کہ میں وہ قصہ آپ کو سنانا چاہتی تھی لیکن میں اتنی دور خود چلنے سے قاصر ہوں اور تمہیں بھی تکلیف دینا نہیں چاہتی۔ اس لیے تم میرے

حوالے سے آپ کو وہ قصہ سنا دینا۔ اس نے اس کا اقرار کیا تو اس ضعیفہ نے قوم عاد کا قصہ جو اس کے بزرگ اپنے قبیلے کے بزرگوں سے سنتے چلے آرہے تھے اور اس نے بھی سنا تھا اسے سنایا۔ چنانچہ اس نے سب وعدہ قوم عاد کے بارے میں تمام قصہ جو اس قوم کی پہلی شان وشوکت اور آخر میں اس کی تباہی کا قصہ آپ کی خدمت میں عرض کر دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ راوی اس ضعیفہ کو آپ کی خدمت میں لایا تھا اور اسی نے آپ کو قوم عاد کا قصہ اپنی زبان سے سنایا تھا۔ اس نے آپ کو یہ بھی بتایا تھا قوم عاد کی تباہی کے بعد ان کی عمارات کے کھنڈرات کی زمین بوس دیواروں کی دراڑوں سے بے شمار خزانے بھی نکلے تھے۔ اس بوڑھی عورت نے آپؐ سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ وہی خزائن قبل اسلام بنو تمیم اور بنو عاص کی باہمی مخاصمت کا سبب بنے تھے۔ اس روایت کے بارے میں راویوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ویسے بھی یہ روایت غریب اور محل نظر ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کے حج کے بارے میں جو قصہ بیان کیا جاتا ہے اسے ہم پہلے ہی حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ حج کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضرت ہود علیہ السلام کی قبر کا یمن میں پایا جانا ثابت ہوتا ہے لیکن بعض متاخرین نے اس کا محل وقوع دمشق میں بتایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دمشق کی جامع مسجد کے احاطے میں سمت قبلہ جو قبر پائی جاتی ہے وہ حضرت ہود علیہ السلام کی ہے۔ واللہ اعلم

قوم ثمود کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ

ثمود وہی قبیلہ ہے جو اپنے جد ثمود اور اپنے بھائی جدیس کے نام سے مشہور ہے اس قبیلے کا جد اور اس کا بھائی جدیس دونوں عابر بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ یہ قبیلہ عرب العاربہ میں شامل اور عرب ہی کا مشہور قبیلہ تھا جو وادی حجر میں سکونت رکھتا تھا یہ وادی تبوک اور حجاز کے درمیان واقع ہے۔

رسول اللہ ﷺ وادی حجر سے مسلمانوں کے ساتھ تبوک جاتے ہوئے گزرے تھے۔ اسی زمانے میں غزوۂ تبوک وقوع پذیر ہوا تھا۔ ہم اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع جلد کریں گے۔

قوم ثمود بت پرست تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا ایک شخص صالح بن عبد بن ماسح بن عبید[1] بن حاجر ابن ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اس قوم کی ہدایت و اصلاح کے لیے بحیثیت نبی مبعوث فرمایا جس نے انہیں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی۔ اور اصنام پرستی سے روکنے کی کوشش کی مگر اس کی قوم کے کچھ لوگ تو اس پر اور اس کے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے۔ البتہ ان میں سے اکثر لوگ کفر پر قائم رہے بلکہ اپنے قول و فعل سے حد درجہ ان کی مخالفت کرنے لگے بلکہ حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کی کوشش کرنے لگے بلکہ اس اونٹنی کو مار ڈالا جو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اتمام حجت کے لیے دلیل حق بنا کر ان پر اتاری تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں گھیر لیا اور ان پر وہ عذاب نازل کیا جس کا ذکر اس نے سورۂ اعراف میں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا ذکر سورہ ہود، سورۂ حجر، سورۂ سبحان (سبحان الذی) سورۂ شعراء، سورۂ نمل میں بھی فرمایا ہے اور وہ تمام ہدایات بھی ارشاد فرمائی ہیں جو اس نے اپنے بندے اور نبی حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعہ ان کو پہنچائیں لیکن جب وہ بت پرستی اور احکام الٰہی سے روگردانی سے باز نہ آئے تو ان پر بطور سزا عذاب عظیم نازل فرمایا لیکن ان لوگوں کو محفوظ رکھا جو اس پر اور اس کے بندے اور نبی حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا کر خدائے بزرگ و برتر و واحد کی طرف مائل ہو گئے تھے

﴿وَ نَجَّیْنَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ﴾ (سورۂ حم سجدہ)

اللہ تعالیٰ نے اس قوم اور اس پر عذاب الٰہی کا ذکر سورۂ براۃ، سورۂ ابراہیم، سورۂ فرقان، سورۂ (ق)، سورۂ نجم والفجر میں بھی فرمایا ہے۔ ان تمام قرآنی سورتوں میں اگرچہ انبیائے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ کے ذریعہ ان کی قوم پر توریت و زبور میں جو ہدایات بھیجی گئی تھیں اور اسے خدائے واحد پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ بطور خاص انہی کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی قوم ثمود کی نافرمانی و سرکشی کا ذکر اس کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ہم نے ان قرآنی آیات کی تفصیلی تفسیر بحمد اللہ اپنی کتاب تفسیر میں

---

[1] ایک نسخے میں عبید بن ماشخ لکھا ہے جو دراصل صالح بن عبید بن ماسح بن آصف الخ تھا۔ (محمود الامام)

کی ہے۔ یہاں ہم نے عنوانِ بالا کے تحت قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود کا ذکر' اس پر عذابِ الٰہی کا اور حضرت صالح علیہ السلام کو محفوظ رکھنے نیز ان کے متبعین کو اس عذاب سے بچا لینے کا ذکر کیا ہے۔ قومِ ثمود پر عذابِ الٰہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

﴿ وَ آتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ﴾

مذکورہ بالا ناقہ کے قتل کا مرتکب اگرچہ قومِ ثمود کا رئیس قدار بن سلف بن جندع ہوا تھا لیکن اس کی سزا اس کی ساری قوم نے جو کفر و سرکشی میں اس سے کم نہ تھی بھگتی۔ قدار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک زانیہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا لیکن چونکہ اس نے سالف کے بستر پر جنم پایا تھا' اس لیے اسے قدار بن سالف بن جندع کہا جاتا تھا ویسے' جیسا کہ کہا جاتا ہے' اس کے باپ کا نام صیبان تھا۔ قومِ ثمود کے رئیس قدار کی رنگت سرخ بتائی گئی ہے لیکن یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے جسم اور چہرے پر گہرے نیلے دھبے تھے۔

امام احمدؒ نے عبداللہ بن نمیر اور ہاشم یعنی ابوعزرہ کی زبانی اور ہاشم کے والد عبداللہ بن زمعہ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کے ایک خطبے کا ذکر کیا ہے جس میں آپؐ نے حضرت صالحؑ' ان کی قوم ثمود اور اس پر وجود باری تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کی دلیل ثابتہ کے طور پر نزولِ ناقہ کا ذکر فرما کر اس کی سرکشی اور ناقہ صالح علیہ السلام پر ظلم اور اس کے قتل کا تذکرہ بھی فرمایا تھا نیز اس قدم پر بالآخر عذاب الٰہی کا قصہ بیان فرمایا تھا اور آیتِ قرآنی ﴿أَلَا إِنَّ ثَمُوْدَ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ﴾ بھی تلاوت فرمائی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قومِ ثمود اپنے جداعلیٰ کے بعد عرصہ تک کفر میں مبتلا ہوئی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی ایک خطبہ غزوۂ بدر کے بعد کسی شب کو مدینے واپس ہوتے ہوئے اہل قلیب کے سامنے اس وقت فرمایا جب آپ سواری پر سوار ہو کر اپنے ہمراہیوں کو وہاں سے کوچ کا حکم دے چکے تھے۔ آپؐ نے اہلِ قلیب سے فرمایا تھا:

''تم نے اپنا ہوتے ہوئے اپنے نبی کو یعنی مجھے ہزار ہا تکلیفیں پہنچائیں جبکہ غیروں (اہل مدینہ) نے میرا ساتھ دیا' تم نے میرے قتل کی سازش کی جب کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے غیروں نے مجھے بچانے کی کوشش کی' میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اس کے احکام پہنچائے لیکن تم لوگوں نے میری ایک نہ سنی بلکہ ہمیشہ میری مخالفت اور دشمنی پر کمربستہ رہے اور اب آخر میں مجھے اور میرے ساتھیوں کو کمزور سمجھ کر ہم پر چڑھ دوڑے لیکن تم نے اس کا انجام دیکھ لیا کہ میرے رب نے اپنے فضل و کرم سے تمہاری کثرتِ تعداد کے باوجود ہماری قلیل تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود ہمیں تم پر غالب کیا۔ لیکن کیا یہ میرے رب کی حقانیت اور میری تمہارے نبی کی حیثیت سے صداقت کا ثبوت نہیں ہے؟'' (خطبہ نبوی کا تشریحی ترجمہ)

آنحضرت ﷺ کے اس خطبے کے خاتمے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے عرض کیا کہ ''حضور! آپ ان لوگوں کو قومِ نوح اور اقوام عاد و ثمود کے انجام سے بھی آگاہ فرما دیتے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر آپؐ نے فرمایا: اس کے بارے میں تو میں انہیں آیاتِ قرآنی کے حوالے سے بار بار آگاہ کر چکا ہوں لیکن یہ اپنی حرکات سے کہیں باز آنے والے تھے۔ تاہم یہ بھی اپنا انجام کچھ دیکھ چکے ہیں اور کچھ آگے چل کر دیکھ لیں گے۔ الا ماشاء اللہ''۔ (مفہوم و وضاحتی ترجمہ)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے وکیع اور زمعہ بن صالح نے سلمہ بن وھرامؒ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آنحضرت ﷺ حج کے لیے مدینے سے مکہ جاتے ہوئے وادی عسفان سے گزرے تو آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: ''اے ابا بکر! یہ کونسی وادی ہے''۔ تو انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) یہ وادی عسفان ہے''۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا: ''ہود اور صالح علیہما السلام بھی حج کے لیے جاتے ہوئے اسی وادی سے گزرے تھے۔ الخ''۔

حدیث نبوی کی یہ روایت ہم قصہ نوح علیہ السلام کے ضمن میں طبرانی کے حوالے سے بھی بہ تفصیل بیان کر چکے ہیں۔

غزوۂ تبوک کے سال آنحضرت ﷺ کا وادئ حجر سے گزر:

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالصمد اور صخر بن جویریہ نے نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب غزوۂ تبوک کے سال رسول کریم ﷺ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ارض ثمود کی قریبی وادی حجر سے گزرے تو آپؐ کے ہمراہیوں نے وہاں خیمے نصب کر کے اس چشمے سے پانی پیا جس سے قوم ثمود کے لوگ پانی پیا کرتے تھے اور اپنی سواری کے اونٹوں کو چارہ ڈالا تو آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ اپنے اپنے چولہے کی لکڑیاں جلا کر بھسم کر دو اور اپنے اونٹوں کا باقی ماندہ چارہ بھی جلا ڈالو' پھر آپؐ نے انہیں وہاں سے (جلد) کوچ کا حکم دیا۔ اس کے بعد جب آپ اس کنویں پر پہنچے جہاں (حضرت صالح علیہ السلام کی) اونٹنی پانی پیا کرتی تھی تو آپؐ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ وہ اس زمین میں داخل نہ ہوں جس پر عذاب الٰہی نازل ہو چکا ہے مبادا کہیں انہیں بھی کسی ایسے ہی عذاب سے دو چار ہونا پڑے۔ البتہ وہ اسے دیکھ کر عذاب الٰہی سے خوف کا سبق حاصل کرنا چاہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

امام احمدؒ نے ایسی ہی ایک روایت عفان' عبدالعزیز بن مسلم اور عبداللہ بن دینار کی زبانی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک کے سال سرزمین ثمود کی قریبی وادی وادی حجر سے گزرتے ہوئے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا تھا کہ وہ اس سرزمین میں داخل نہ ہوں جہاں قوم ثمود عذاب الٰہی سے دو چار ہو چکی ہے بلکہ اسے دور سے دیکھ کر عذاب الٰہی سے خوف کا سبق حاصل کریں۔

مذکورہ بالا روایات کے علاوہ قوم ثمود کے بارے میں کچھ ایسی روایات بھی سننے میں آئی ہیں جن پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ مستند نہیں ہیں۔ لہٰذا ایسی روایات پر اعتبار نہ کرنا بہتر ہے۔ البتہ یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ متعلق آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے متضاد تو نہیں اور اگر ہوں تو انہیں مسترد کر دیا جائے۔

باب ۱۰

قصہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا پورا نام اہل کتاب کی کتابوں میں اندراج کے مطابق ابراہیم بن تسارخ ''۲۵۰'' بن ناخور ''۱۴۸'' بن ساروغ ''۲۳'' بن راعو ''۲۳۹'' ابن فالغ ''۴۳۹'' بن عابر ''۴۶۴'' بن شالخ ''۴۳۳'' بن ارفخشد ''۴۳۸'' بن سام ''۶۰۰'' ابن نوح علیہ السلام تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے آباؤ اجداد کے یہ نام جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اہل کتاب کی کتابوں سے لیے گئے ہیں نیز خود میں نے ان کے ناموں کے نیچے ہندی اعداد جو یہاں درج کیے گئے ہیں دیکھے ہیں اور یقیناً انہی کی مدد سے اہل کتاب کی کتابوں میں یہ نام درج کیے گئے ہیں۔[1] چونکہ ہم قصہ نوح کے تحت اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں اس لیے یہاں اس مختصر بیان پر اکتفا کیا گیا ہے۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب تاریخ میں اسحٰق بن بشر الکاہلی صاحب ''المبتدا'' کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام ''اُمیلہ'' بتایا ہے جس کے بعد آپ کی ولادت کے ضمن میں جو طویل گفتگو کی ہے اس میں بھی بار بار یہی نام لکھا ہے لیکن کلبی نے آپ کی والدہ کا نام بونا بنت کربنا بن کرثی لکھا ہے اور انہیں بنی ارفخشد بن سام بن نوحؑ کے خاندان سے بتایا ہے۔

ابن عساکر نے مذکورہ بالا حوالے کے علاوہ عکرمہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم ممکن ہے ''اباضیفان'' ہوں اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب تارخ کی عمر پانچ سو ستر سال تھی تو ان کے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور ناحور و ہاران بھی تارخ ہی کے بیٹے تھے جب کہ ران لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے' اسی روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان بھائیوں میں تارخ کے ''فرزند اوسط'' یعنی درمیان کے بھائی کہلاتے تھے۔ اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہاران اپنے والد کی زندگی اور اپنی جائے ولادت یعنی کلدانیوں کی سرزمین میں جو بابل کے نام سے مشہور ہے وفات پا گئے تھے۔ ابن عساکر کا وہ بیان اہل سیر و تواریخ کے نزدیک درست سمجھا گیا ہے جو انہوں نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت کے بارے میں پیش کیا تھا یعنی انہوں نے جیسا کہ ابن عساکر نے پہلے ہشام ابن عمار کی طرح ولید' سعید ابن عبدالعزیز' مکحولؒ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا تھا بقوطہ دمشق کے ایک قریہ میں جسے برزہ کہا جاتا تھا اور جو اس

---

[1] ہمارا ان ناموں کے متعلق یہ بیان تورات سے ماخوذ ہے لیکن خود تورات میں بھی اکثر جگہوں پر ان ناموں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ان میں کہیں کہیں تسارخ کی جگہ تارخ' ساروغ کی سروج فالغ کی جگہ فالج' ارفخشد کی جگہ ارفکشاد' راعو کی جگہ رعو لکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے ان کے ناموں کے ساتھ ان کے ناموں سے منسوب عمارات پر ان کے ناموں کے نیچے درج ہندی اعداد بھی درج کر [illegible] ہیں۔ (مؤلف)

پہاڑی علاقے میں واقع تھا جسے اس زمانے کے لوگ قاسیون کہتے تھے ولادت پائی تھی لیکن ابن عساکر نے اپنے اس پہلے بیان کی بعد میں تصحیح کر کے ان کی جائے ولادت بابل ہی بتائی ہے۔ بابل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسم گرامی سے اس لیے بھی منسوب ہے کہ جب آپ لوط علیہ السلام کی مدد کے لیے وہاں آئے تھے تو وہیں نماز بھی پڑھی تھی۔

جیسا کہ مؤرخین نے بیان کیا ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ سے شادی کی تھی۔ کہتے ہیں کہ سارہ بانجھ تھیں اور ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ تارخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ اپنی بہو سارہ اپنے بھائی کی بیوی ملکا اور اپنے بھائی کے بیٹے لوط بن باران کو بھی بہت چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ ان تینوں کو لے کر اور کلدانیوں کی سرزمین کو جو بابل کہلاتی تھی چھوڑ کر کنعانیوں کی سرزمین کی طرف چلے گئے تھے۔ مزید بتایا گیا ہے کہ جب یہ لوگ حران پہنچے تو تارخ جن کی عمر اس وقت دوسو پچاس سال تھی وہاں وفات پا گئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حران میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی جائے ولادت کلدانیوں کی سرزمین یعنی بابل ہی تھی۔

بہر کیف باقی لوگ حران سے کنعانیوں کے علاقے قاصدین چلے گئے تھے جہاں بیت المقدس واقع ہے۔ جب یہ لوگ حران میں مقیم تھے اس وقت وہ علاقہ سرزمین کشدانیاں کہلاتا تھا جس میں جزیرہ اور شام بھی شامل تھے۔ حران کے لوگ کواکب سبعہ (سات ستاروں) کا علم رکھتے تھے۔

انہی لوگوں نے شہر دمشق کی بنیاد ڈال کر اسے تعمیر کیا تھا۔ ان کا مذہب یہ تھا کہ وہ قطب شمالی کا احترام اور سات ستاروں کی جن کا انہیں علم تھا پرستش کرتے تھے اور ان کے نام اقوال و اعمال انہی سات ستاروں کی پرستش کے تحت یا زیر اثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دمشق کے سات دروازوں پر جو سات ہیکلیں یا عبادت خانے تھے وہ الگ الگ انہی سات ستاروں کے نام سے منسوب تھے جہاں ان کی تماثیل رکھی گئی تھیں اور بار بار ناقوس بجائے جاتے تھے۔

یاد رہے کہ اس زمانے میں تمام روئے زمین پر کفر کا دور دورہ تھا اور اصنام پرستی رائج تھی الا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ' ان کی بیوی سارہ اور ان کے بھائی کے بیٹے حضرت لوط علیہ السلام اس مرض کفر و ضلالت سے بچے ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام وہی تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین یعنی اسلام کی اشاعت کا آغاز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انہی کو صغرسنی میں رشد و ہدایت اور پھر بعثت نبوت سے سرفراز فرمایا اور آخر کار ان کے عالم پیری میں انہیں اپنا خلیل ٹھہرایا ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ﴾ آیہ قرآنی۔ یعنی وہ اس کے اہل تھے کہ وہ روئے زمین پر خدائے واحد کی پرستش کا آغاز کریں اور اہل عالم کو اس راہ پر ڈالیں۔

اس کے بعد قصہ ابراہیم علیہ السلام کے تحت قرآن شریف کی سورۂ ابراہیم میں ان کے بت پرستوں کے معبد میں جانے اور بتوں کے مختلف اعضاء کی قطع و برید اور اس کے بارے میں ان کا یہ بیان کہ بڑے بت نے دوسرے بتوں کے اعضاء کی شکست و ریخت کر دی ہوگی۔ اس کے بارے میں ان کے اور ان کے والد کے درمیان بحث و تکرار' ان کے والد کا یہ کہنا کہ بت نہ حرکت کر سکتے ہیں۔ نہ ان میں گفتگو کی طاقت ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے یہ کہنا کہ پھر وہ ایسے پتھروں سے تراشیدہ بتوں کی

پرستش کیوں کرتے ہیں اور انہیں خدائے قدوس وواحد اور قادر مطلق کی پرستش پر مائل کرنا اور یہی بحث وتکرار بابل کے حکمران نمرود کے اہلکاران اور حضرت ابراہیم کے درمیان ہونا اور آخر کار نمرود سے بھی ان کی بحث اور اس کا انہیں آگ کے انبار میں پھنکوانا اور وہاں سے بحکم خداوندی ﴿یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ﴾ ان کا صحیح سلامت نکل آنا اور اس سے قبل صغرسنی ہی میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں رشد وہدایت کی دولت میسر آنا یعنی قرآنی الفاظ میں پہلے ان کا ستاروں کو دیکھ کر انہیں اپنا رب سمجھنا اور پھر یکے بعد دیگرے چاند اور سورج کو اپنا رب سمجھنا لیکن پھر ان کا یہ کہہ کر کہ وہ غروب ہونے والی چیزوں کی عبادت نہیں کر سکتے اور آخر میں نہ صرف خود خدائے واحد کی پرستش کرنے لگنا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرنا بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاریؒ سے اسماعیل ابن عبداللہ اور ان کے بھائی عبدالحمید کی زبانی ابن ابی ذئب' سعید المقبری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے یہ حدیث نبوی مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ (روز قیامت ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر کے چہرے پر خجالت کے آثار ہوں گے اور وہ اپنے بیٹے ابراہیمؑ سے کہے گا کہ وہ اپنے پچھلے اعمال پر شرمندہ ہے اور اب ہمیشہ ان کی ہدایت پر عمل کرے گا۔ اپنے باپ کی اپنے پچھلے گناہوں پر خجالت دیکھ کر اور اس کی زبان سے آئندہ راہ ہدایت پر چلنے کا وعدہ سن کر ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ''یا اللہ تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو مجھے روز قیامت رنجیدہ نہیں کرے گا لہٰذا آج میں تجھ سے اپنے باپ کی مغفرت کا طالب ہوں اور میری تجھ سے آج پہلی اور آخری گزارش ہے''۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ ''میں نے کافروں پر جنت حرام کردی ہے''۔ یہ فرما کر اللہ تعالیٰ ابراہیمؑ سے فرمائیں گے کہ ابراہیمؑ اپنے ٹخنوں کے نیچے دیکھو۔ جب ابراہیمؑ نیچے دیکھیں گے تو انہیں وہاں آگ بھڑکتی اور اس سے شعلے اٹھتے نظر آئیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ تمام کافروں کا یہی مقام ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے''۔

بخاریؒ نے قصہ ابراہیم کے تحت یہ حدیث نبوی منفرداً روایت کی ہے۔ البتہ انہوں نے اس کی تفسیر میں ابراہیم بن طہمان وغیرہ کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ قرآن میں سورہ الانبیاء' سورۂ شعراء اور سورۂ الصافات وغیرہ کی قرآنی آیات میں بھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں قصہ ابراہیم کے ضمن میں بہت سے واقعات کا ذکر آیا ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن موسیٰ نے یا ابن سلام نے عبداللہ بن موسیٰ سے سن کر اور ابن جریج نے عبدالحمید بن جبیر' سعید بن مسیّب اور ام شریک کے حوالے سے یہ حدیث نبوی بیان کی کہ آپؐ نے گرگٹ کے مارنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ اس نے اپنی پھونکوں سے اس آگ کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔

مسلمؒ نے یہ روایت ابن جریج کے حوالے سے بیان کی ہے اور نسائی اور ابن ماجہ نے اس کا استخراج سفیان بن عیینہ کی روایت سے کرتے ہوئے دونوں نے عبدالحمید بن جبیر بن شیبہ کا حوالہ دیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان ملاحدہ سے جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے منکر تھے خصوصاً نمرود سے جسے خدائی کا دعویٰ تھا مناظرہ

قرآن پاک میں کلام الٰہی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل کے حکمران نمرود کے حامیوں سے جنہیں نمرود کی خدائی کا اقرار تھا اور اللہ کے خالق کون و مکاں اور قادر مطلق ہونے اور اس کی ربوبیت سے انکار تھا اللہ کی عظمت و ربوبیت کے بارے میں مناظرہ کیا۔ ان میں خود نمرود بھی شامل تھا جسے خدائی کا دعویٰ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شان قدرت اور اس کی ربوبیت کی عظمت بیان کرتے ہوئے نمرود سے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے بادشاہت بخشی ہے لہٰذا اسے خدا پر ایمان لانا اور اس کا شکر گزار ہونا چاہیے نہ یہ کہ وہ خود خدائی کا دعویٰ کرے۔ آپ نے نمرود سے یہ بھی فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندوں کو جلاتا اور مارتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی زبان سے یہ سن کر نمرود بولا کہ ''یہ تو میں بھی کرسکتا ہوں''۔ یہ کہہ کر اس نے ایک شخص کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ شخص نمرود کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ''بتاؤ میں اس شخص کو قتل کرسکتا ہوں یا نہیں؟ تم کہو گے کہ میں اسے قتل کرسکتا ہوں لیکن میں اس کی جاں بخشی کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اس شخص کی موت اور زندگی میرے قبضہ قدرت میں ہے۔ ایک یہی شخص نہیں بلکہ میں روئے زمین کے ہر شخص کو مارسکتا ہوں۔ اگر میں اسی طرح سب کو مارنے یا زندہ رکھنے پر قدرت رکھتا ہوں تو بتاؤ میں تمہارے بقول جلانے اور مارنے والا یعنی خدا ہوا یا نہیں؟''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی اس گفتگو کے جواب میں فرمایا:

''جس شخص کی بھی تو مارنے پر قدرت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اگر تو اسے ماردے تو وہ اس شخص کی طبعی موت نہ ہوگی جس کا اختیار قادر مطلق خدا ہی کو حاصل ہے' اس کے علاوہ تو جو کسی کو مارنے کے بجائے اس کی جاں بخشی کر کے اسے جلانے کا دعویٰ کرتا ہے یعنی اپنے آپ کو خالق ٹھہراتا ہے تو تو ایک مکھی ہی پیدا کر کے دکھادے اور یہ بھی دیکھ کر سورج خدا کے حکم سے مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے' اگر تجھے خدائی کا دعویٰ ہے تو سورج کو مغرب سے نکال کر دکھادے''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مدلل گفتگو سن کر نہ صرف نمرود کے حمایتی بلکہ وہ خود بھی حیران رہ گیا لیکن پھر بھی کفر و ضلالت سے باز نہ آیا۔

اسی لیے اللہ نے قصہ ابراہیم علیہ السلام بیان فرماتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی

ظالم قوم کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔

مفسرین اور مؤرخین کے بیانات اور علماء علم الانساب کی روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بابل کے حکمران کا نام نمرود تھا اور اس کا شجرۂ نسب حسب ذیل بنایا گیا ہے۔

''نمرود ابن کنعان بن کوش بن نوح''۔

نمرود کا یہ شجرۂ نسب مجاہد کا بیان کردہ ہے جب کہ کچھ دوسرے اس کا شجرۂ نسب یہ بتاتے ہیں:

''نمرود بن فالح بن صالح بن ارفخشد ابن سام بن نوح''۔

مجاہد نے نمرود کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ دنیا کے بادشاہوں میں اپنے زمانے کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کے زمانے میں دو مومنوں اور دو کافروں کا ذکر کیا گیا ہے اور مومنوں کے نام ذوالقرنین اور سلیمان جب کہ کافروں کے نام نمرود اور بخت نصر بتائے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس نے اپنے ملک پر چار سو سال حکومت کی' وہ بڑا جابر و ظالم بادشاہ تھا۔ اور اس نے دنیا میں اپنی ان ظالمانہ عادات کے کافی آثار چھوڑے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے حق پرستی کی دعوت دی تو اپنی راہ پر قائم رہا اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک خدائی کا دعویٰ کرتا رہا۔ حضرت ابراہیم نے جب اس سے فرمایا تھا کہ موت و زندگی کا اختیار صرف خدائے واحد کے قبضہ قدرت میں ہے تو اس نے جواب دیا تھا: ''جلانا اور مارنا تو میرے ہاتھ میں بھی ہے''۔

ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ ان سے ابو ہشام الرفاعی اور اسحٰق بن سلیمان نے ابی جعفر الرازی عاصم بن ابی النجود ابی صالح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب نمرود کے حکم سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کو آگ میں پھینکا گیا تو اس وقت ان کی زبان پر یہ تھا کہ ''یا اللہ تو آسمان پر واحد ہے اور تیری عبادت کرنے والا زمین پر صرف میں واحد ہوں''۔

اسلاف صالحین میں سے بعض نے بتایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو جبرئیل علیہ السلام نے انہیں اپنے ہاتھوں پر اوپر اٹھالیا اور ان سے دریافت کیا: ''اگر آپ کو میری کچھ اور ضرورت ہو تو فرمایئے؟'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ''مجھے آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے فرشتے کو حکم دیا تھا کہ وہ آگ کے اس انبار پر پانی برساتا رہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ چنانچہ وہاں صرف ایک دائرے کی شکل میں تماشائیوں کی نظروں کے سامنے آگ کے شعلے اٹھتے رہے لیکن اس کے درمیانی حصے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک گلزار کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس کے علاوہ اس حصے پر سائے کے فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سایہ ابر کیے رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود بعد میں فرمایا کہ انہیں وہاں ایسا آرام و سکون ملا تھا کہ اس جگہ ساری ساری عمر ہی خوشی سے رہ سکتے تھے کیونکہ فرشتوں نے جیسا کہ انہیں حکم دیا گیا تھا اس کی فوری تعمیل کردی تھی اور منشائے الٰہی بھی یہی تھا۔ آیہ شریفہ ﴿یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ﴾ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لفظ سلاماً کی تفسیر فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ آگ سرد ہو کر اتنی سرد نہ ہو

جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کو ضرر پہنچانے لگے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوالعالیہ نے بھی مندرجہ بالا آیہ شریفہ میں لفظ سلاماً کی یہی وضاحت کی ہے۔

کعب الاحبار نے بیان کیا کہ اگر آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بالکل سرد (یخ) ہو جاتی تو اس میں حرارت باقی نہ رہتی اور وہ اپنی فطرت کھو بیٹھتی لہٰذا پھر اس سے نوع انسانی کو ضرورۃً بھی کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔

ضحاک ایک روایت کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ان کے چہرۂ مبارک پر پسینے کے سوا جسے جبرئیل صاف کرتے رہے اور کسی تکلیف کے آثار نہیں پائے گئے تھے۔

چند دوسری روایات کے مطابق آتش نمرود کے گرد کھڑے ہوئے تماشائیوں نے یہ حیرت انگیز منظر تو دیکھا کہ آگ کے حلقے کے اندر ایک پر بہار گلزار ہے اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بالکل مطمئن اور سکون سے تشریف فرما ہیں لیکن وہ اس حلقہ آتش کو عبور کر کے اس گلزار ابراہیمؑ میں جا نہیں سکتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر نے اپنی تمام زندگی میں منہ سے کوئی اچھا کلمہ نکالا تو وہ یہ تھا کہ جب اس نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے کے بعد یہ منظر دیکھا تو بولا:

''اے ابراہیم! تیرا رب واقعی عظیم ہے''۔

منہال بن عمرو سے مروی ہے کہ اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف چالیس یا پچاس سال تھی۔ اس روایت میں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس خوفناک آگ سے باہر آنے کے بعد فرمایا تھا کہ اگر میں تمام عمر بھی اس آگ کے حلقے میں قیام کرتا تو اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرتا رہتا۔

اس روایت کو بخاریؒ نے ابی یمان' شعیب بن ابی حمزہ' ابی زناد اور اعرج نیز ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بحوالہ حدیث نبوی مختصراً بیان کیا ہے۔

ایک حدیث نبوی میں جسے ابن ابی حاتم نے سفیان' علی بن زید اور ابن جدعان کی زبانی ابی نضرہ اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کیا ہے آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ ابراہیم اور ایک دوسرے نبی لوط علیہ السلام نے جو اپنے اور دشمنان خدا کے سامنے اپنی اپنی بیویوں کو اپنی بہنیں بتایا تھا تو وہ ان دونوں کے مومنات اور اپنی ہم مذہب ہونے کے رشتے سے بتایا تھا جس رشتے سے روئے زمین کے تمام مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے بہن بھائی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے اس قول میں بحکم الٰہی کافروں کے مکر کا توڑ بھی مقصود تھا نیز یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آتش نمرود میں جس صبر واستقامت کا ثبوت دیا تھا تو وہ تمام اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ کے عین مطابق تھا کہ ابراہیم اس وقت بھی انتہائی صبر کے ساتھ نماز میں مصروف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انہیں آتش نمرود میں محفوظ رکھا بلکہ ان کی بیویوں کی عصمت کی بھی حفاظت فرمائی۔

بعض علماء نے عورتوں میں زوجہ ابراہیم حضرت سارہ' ام موسیٰ اور حضرت مریم والدہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی طرف بھی

اشارات کیے ہیں۔ خصوصاً حضرت سارہؓ کی طرف کہ ان کے اور ان کے خاوند حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مابین جنہیں وہ بہت چاہتی تھیں اللہ تعالیٰ نے تمام ظاہری و باطنی حجابات اٹھا کر انہیں معصوم قرار دیا تھا۔

بعض روایات میں حضرت سارہؓ کو حضرت حواؑ کے سوا ان کے زمانے تک تمام دنیا کی حسین ترین خاتون بتایا گیا ہے اور یہ بھی کہ وہ بابل کے حکمران کی دختر ہونے کے باوصف اپنے خاوند ابراہیم علیہ السلام کی ہم مذہب تھیں۔ جیسا کہ بعض اہل تواریخ نے بیان کیا ہے کہ بابل کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر میں قیام فرمایا تھا جہاں کا بادشاہ ضحاک کا بھائی تھا جو اپنے ظلم و استبداد کی وجہ سے آج تک ساری دنیا میں مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے کے فرعون مصر کا پورا نام سنان بن علوان بن عبید بن عویج بن عملاق بن لاود بن سام ابن نوح تھا۔ سہیلی نے بھی یہی بتایا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر سے یمن تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ کافی مال و متال کے علاوہ غلام بھی تھے اور ان کے ہمراہ ہاجرہ قبطیہ بھی تھیں جو ان کی بیوی سارہ کی کنیز تھیں۔ وہاں سے حضرت لوط علیہ السلام وہ سامان اور مال و متاع لے کر جو ابراہیمؑ نے انہیں دیا تھا اور انہی کے حکم سے علاقہ غور کی طرف چلے گئے جسے اس زمانے میں غور زغر کہتے تھے۔ پھر وہ وہاں سے شہر سدوم چلے گئے تھے جسے اس زمانے میں ''ام البلاد'' کہا جاتا تھا لیکن وہاں کے باشندے انتہائی شریر و مفسد اور کافر تھے اور بد اعمال بھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ لوط علیہ السلام کی مدد کے لیے بصرہ جائیں اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں ہر طرف نظر رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام حصوں پر انہیں اور ان کی اولاد کو حکمران بنایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کی امت بھی (قریباً) تمام اقصائے عالم پر حکومت کرے گی' ابراہیمؑ پر اس وحی الٰہی پر محمول تھا۔

کہا جاتا ہے کہ تیمن کے ظالم و جابر لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر حد سے زیادہ ظلم کیا' ان کا تمام مال لوٹ لیا اور انہیں قید کر دیا۔ البتہ جب وہ ان کی اسیری سے نجات حاصل کرتے اور کچھ مال واپس لینے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمنوں کو شکست دی اور انہیں کثیر تعداد میں قتل کر کے تیمن سے مشرقی دمشق کی طرف چلے گئے اور وہاں انہوں نے عساکر بھی جمع کر لیے۔ اس تمام عرصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے ہمراہ تھے۔ اسی لیے دمشق کے اس شرقی حصے کو ''جیش ابراہیم کا مسکن'' کہا جاتا ہے اور اب تک وہ جگہ اس نام سے مشہور چلی آتی ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اصل مقام ارض بیت المقدس تشریف لے گئے جہاں کے لوگ ان کے ساتھ شرمندگی کے ساتھ ساتھ بڑے احترام سے پیش آئے۔

حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت:

اہل کتاب کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے نیک و طیب اولاد کی دعا کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی بشارت بھی دی تھی۔ چنانچہ جب وہ سرزمین بیت المقدس میں بیس سال قیام فرما چکے تو ایک روز حضرت سارہؓ نے ان سے عرض کیا کہ ''مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے نہیں نوازا' ممکن ہے ہاجرہ کے بطن ہی سے وہ ہمیں اس نعمت سے سرفراز فرما

دے''۔ یہ کہہ کر انہوں نے ہاجرہؓ کو ابراہیمؑ کے نام ہبہ کر کے انہیں ہاجرہؓ سے خلوت کی اجازت دے دی لیکن جب وہ خدا کی قدرت سے حاملہ ہوگئیں تو جناب سارہؓ جیسا کہ عموماً عورتوں کی فطرت ہے ہاجرہؓ سے حسد اور ان پر رشک کرنے لگیں۔ یہ دیکھ کر حضرت ہاجرہؓ خوف کھا کر ان کے پاس سے چلی گئیں اور وہاں جا پہنچیں جہاں اب ایک چشمہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتے نے ان سے کہا کہ ''بے خوف ہو کر واپس چلی جایئے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بابرکت فرزند عطا فرمانے والا ہے''۔ پھر اس فرشتے نے ان سے کہا کہ ''جب آپ کے بطن سے لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام اسماعیل رکھیے گا' دنیا کے تمام انسان ان کے زیر دست ہوں گے اور ان کے بھائی ساری دنیا پر اقتدار حاصل کریں گے''۔

فرشتے کے اس کہنے پر حضرت ہاجرہؓ خوش ہوگئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (یہاں اہل کتاب کا بیان ختم ہوتا ہے)

اللہ کی طرف سے حضرت ہاجرہؓ کے لیے اس فرشتے کی زبانی جو بشارت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی کہ ان کے اس فرزند کے بھائی دنیا میں حامل سرفرازی واقتدار ہوں گے وہ آنحضرت ﷺ کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے جداعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح نبوت سے سرفراز فرمایا' پھر ساری سرزمین عرب میں آپ کا اقتدار قائم کیا۔ اور آپ کے بعد جیسا کہ آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں فرما دیا تھا آپ کی امت تمام بلاد مشرق ومغرب پر حکمرانوں کی حیثیت سے چھا گئی۔ اس کے علاوہ صرف آنحضرت ﷺ ہی کو اللہ تعالیٰ نے علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی جو اس سے قبل کسی نبی کے حصے میں نہیں آئی تھی اور آپ ہی کو بلا استثناء تمام روئے زمین کے لیے اپنا نبی ورسول مبعوث فرمایا۔ (مؤلف)

بہر کیف جب حضرت ہاجرہؓ فرشتے کی زبانی مذکورہ بالا بشارت خداوندی سن کر خوش ہو کر واپس لوٹیں تو ان کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ تولد ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی سال تھی جس کے تیرہ سال بعد حضرت سارہؓ کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام تولد ہوئے۔

مؤرخین نے متعدد مستند حوالوں سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ تولد ہوئے تو حضرت سارہؓ کے غصے کی انتہا نہ رہی اور انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بلا کر ان سے کہا کہ ہاجرہ کو ان کے سامنے سے کہیں دور بھجوا دیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور اپنے نومولود بچے حضرت اسماعیلؑ کو لے کر مکے کے اس مقام پر چلے آئے جہاں انہوں نے بعد میں بیت العتیق (قدیم خانہ کعبہ) تعمیر کیا۔

جیسا کہ مؤرخین (محدثین) نے احادیث نبویؐ کے حوالے سے روایات پیش کی ہیں۔ جب حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؓ کو اس بے آب وگیاہ خشک پہاڑی پر چھوڑ کر ان سے رخصت ہونے لگے بلکہ پیٹھ موڑ کر چل بھی دیئے تو انہوں نے آپ کا دامن پکڑ کر کہا: ''آپ ہمیں اس چٹیل اور ویران جگہ چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں ہماری دیکھ بھال کون کرے گا اور ہمیں کون کھلائے پلائے گا؟'' لیکن ابراہیمؑ یہ کہہ کر کہ ''اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے''۔ ان سے رخصت ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی بیوی ہاجرہؓ اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مکے کے پہاڑ فاران کی طرف ہجرت اور وہاں ان کے بیت العتیق تعمیر کرنے کا ذکر

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہؓ کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام کی ولادت پر اپنی بیوی سارہؓ کی انتہائی خفگی اور غیض وغضب دیکھ کر اوران کے یہ کہنے کے بعد کہ ہاجرہؓ کو لے کر کہیں اور چلے جاؤ' ہاجرہؓ اور اپنے نومولود بچے اسماعیلؑ کو لے کر جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے سرزمین بیت المقدس سے نکلے تو سفر کرتے ہوئے مکے کے قریبی پہاڑ فاران پر پہنچے اور وہاں ان دونوں کو چھوڑ کر جانے لگے تو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت ہاجرہؓ نے ان کا دامن پکڑ کر ان سے کہا کہ وہ ان دونوں کو اس ویران جگہ پر چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ یہ حکم ہے۔ اس پر حضرت ہاجرہؓ نے کہا کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو وہ ضرور جائیں اور اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں اور ان کے نومولود بچے کی جانیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے رخصت ہو گئے تو ہاجرہ یہ محسوس کر کے کہ ان کا ننھا بچہ پیاسا ہو گا جب کہ خود بھی پیاسی تھیں فاران کی پہاڑی سے صفا کی پہاڑی کی طرف رُخ کیا اور وہاں کھڑے ہو کر نیچے وادی پر نظر ڈالی تو انہیں وہاں چٹیل میدان ہی نظر آیا جہاں دور تک کوئی آدم زاد نہ تھا۔ پھر وہ وہاں سے دوڑتی ہوئی دوسری پہاڑی مروہ پر پہنچیں اور نیچے وادی پر دور تک نظر ڈالی تو وہاں بھی انہیں کوئی انسان نظر نہ آیا۔ اسی طرح انہوں نے صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑتے ہوئے سات چکر لگائے لیکن انہیں کہیں دور تک وہاں کوئی آدمی نظر آیا نہ پانی کے آثار نظر آئے۔ آخر کار وہ تھک کر اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے پاس آ گئیں جنہیں وہ صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑتے ہوئے مڑ مڑ کر دیکھتی بھی جاتی تھیں لیکن جب وہ وہاں سے آخری چکر لگا کر اپنے بیٹے کے پاس پہنچیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہاں قدرتِ الٰہی سے پانی ابل ابل کر پتھروں کے نیچے سے اوپر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے حسبِ وعدہ ان کی اور ان کے بیٹے کی جان بچا لی تھی۔

حضرت ہاجرہؓ نے صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے تھے انہی کی یاد میں اب حجاج ان پہاڑیوں کے درمیان انہی کی طرح دوڑتے ہوئے سات چکر لگاتے ہیں جنہیں ''سعی'' کہا جاتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ خانہ کعبہ کے احاطے کے قریب چاہِ زمزم وہاں حضرت ہاجرہؓ اور ان کے صغرسن بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدوم میمت لزوم کی برکت کا نتیجہ ہے جس سے اہل مکہ کے علاوہ تمام دنیا کے مسلمان سیراب ہوتے ہیں اور تا قیام قیامت ہوتے رہیں گے۔

متعدد مستند روایات کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ حضرت ہاجرہؓ کے زیر سایہ سرزمین مکہ پر پلتے بڑھتے رہے اور وہاں لوگ پانی کی وجہ سے آ آ کر آباد ہوتے چلے گئے' حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی بھی ہو گئی اور انہوں نے اپنی پہلی بیوی کو

طلاق دے کر دوسری شادی کر لی' اس دوران میں قضائے الٰہی سے ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ وفات پا گئیں۔ حضرت اسماعیلؑ کی دوسری شادی کے بعد حضرت ابراہیم بعد مدت اپنے بیوی اور بچے کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے لیے کئی بار سرزمین مکہ کو لوٹے لیکن ہر بار اس وقت حضرت اسماعیلؑ اپنی قیام گاہ پر موجود نہ ہوتے۔ ان کی بیوی نے دریافت کرنے پر انہیں بتایا کہ ایک بہت بوڑھا شخص آپ کے پیچھے آیا تھا اور آپ کی اور ہم سب کی خیریت دریافت کر رہا تھا۔ حضرت اسماعیلؑ نے کہا کہ ''کہیں وہ میرے والد نہ ہوں''۔

آخر کار ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت اسماعیلؑ جب اپنی بکری چرا کر اپنی قیام گاہ کو لوٹے تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام حسبِ معمول ان کی خیریت دریافت کرنے وہاں آئے ہوئے تھے۔ پہلے تو دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کو غور سے دیکھتے رہے پھر ایک دوسرے کو پہچان کر آپس میں بغل گیر ہو گئے۔ باپ بہت بوڑھے ہو چکے تھے لیکن بیٹے میں باپ کی اتنی شباہت تھی کہ ایک دوسرے کو پہچاننا زیادہ دیر تک مشکل نہ ہوا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت عنفوان شباب میں تھے اور حضرت ابراہیم کی طرح لوگ ان کے حسن اور ان کی وجاہت کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔ جہاں تک اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں اپنے بیٹے کو بطور فدیہ راہِ خدا میں ذبح کرنے کا تعلق ہے اس کا ذکر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ عنقریب کریں گے۔

قصہ ذبیح:

یوں اسرائیلیات میں قصہ ذبیح کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے جو سراسر خلاف واقعہ ہے اور تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ وہ صرف من گھڑت باتیں ہیں۔

قرآن شریف کی سورۂ صافات میں اس کا جو ذکر ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح کا ہے جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر فدیہ خداوندی کے طور پر اپنے نزدیک ذبح کر دیا تھا۔

سورۃ الصافات میں قصہ یوں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ وہ اپنے نوجوان بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو راہ خدا میں ذبح کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب دو بار دیکھا اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کے خواب رویائے صادقہ ہوتے ہیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی راہ خدا میں قربانی دینا اپنے لیے فرض عین سمجھا۔

انہوں نے پہلے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اپنا خواب سنایا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ ان کا خواب سچا ہے لیکن انہوں نے امتحاناً اس کے بارے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رائے معلوم کی تو جیسا قرآن پاک سے ثابت ہے انہوں نے یہ جواب دیا کہ آپ اپنے رب کا حکم پورا کیجیے مجھے ان شاء اللہ ہر حال میں صابر و شاکر پائیں گے۔

اپنے بیٹے کی رائے معلوم کرنے کے بعد اور انہیں ثابت پا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ایک پہاڑی کے دامن میں لے گئے اور پیشانی کے بل لٹا کر ان کی گردن پر چھری پھیر دی لیکن کئی بار کوشش کے باوجود وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ کئی مستند روایات کے مطابق ان کی چھری اور ان کے بیٹے کی گردن کے درمیان کوئی تانبے کی پتری آ جاتی تھی۔

آخر کار انہوں نے اپنی کوشش کو اپنے نزدیک کامیاب سمجھ کر جو دیکھا تو قریب ہی ایک مینڈھا ذبح کیا ہوا پڑا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام صحیح و سالم موجود تھے۔ اس کے بعد غیب سے آواز آئی ''ابراہیم علیہ السلام تم اس امتحان میں جو ہمیں منظور تھا کامیاب ہوئے''۔

یہ صدائے غیب سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سربسجدہ ہو گئے اور باپ بیٹے دونوں نے اپنے پروردگار کے اس رحم و کرم کا شکر ادا کیا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر نوے سال سے کافی تجاوز کر چکی تھی۔

جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں بیت العتیق کی تعمیر کا تعلق ہے اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آ چکا ہے۔ اس کی مختصر تفصیل متعدد مستند روایات کے مطابق یہ ہے کہ اس کی بنیادیں کھودنے اور انہیں پتھروں سے پر کرنے کے بعد جب اس کے احاطے کی دیواریں اٹھائی جانے لگیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام دور دور سے مناسب پتھر تلاش کر کے لاتے اور ان کے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں دیواریں اٹھانے کے لیے تہ بہ تہ جماتے جاتے تھے اور ہر درے کے بعد جیسا کہ قرآن کی متعلقہ آیات سے ثابت ہے کہتے جاتے: ''یا اللہ تو ہماری اس محنت کو قبول فرما کہ تو سننے اور جاننے والا ہے''۔

آخر میں جب دونوں باپ بیٹوں کی محنت ٹھکانے لگی تو حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی کہ ''اللہ تعالیٰ تو ہماری اولاد میں (سرزمین عرب سے) ایک ایسا نبی مبعوث فرما جو تیرے اس گھر میں تیری عبادت کی لوگوں کو تلقین کرتا رہے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا جو ان کے دل سے نکلی تھی قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سرزمین عرب پر اپنا آخری نبی فخر الانبیاء بنائے لولاک اور باعثِ تکوین کون و مکان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر دنیا سے کفر و ضلالت کے نشانات مٹا دیئے۔

ذکر مولد حضرت اسحٰق علیہ السلام

قرآن شریف کی سورت ابراہیمؑ کی ایک آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کا شمار بھی انبیائے صالحین میں ہوگا۔

کلام الٰہی سے اس امر کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے تیرہ سال بعد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی تھی نیز جملہ مؤرخین وعلماء اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کے وقت ان کی عمر ننانوے سال تھی اور مؤرخین و علماء کا یہ بیان کلام الٰہی کے عین مطابق ہے جس میں کسی تضاد کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

اس کے علاوہ خود حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور علماء ومؤرخین نے بھی بیان کیا ہے اس بات پر حیرت تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خود ان کی کہن سالی بلکہ بانجھ ہونے کے باوجود ان کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کیسے ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کے ذریعے انہیں بھی براہ راست حضرت مریمؑ کی طرح اپنی قدرت کاملہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے مطمئن فرمادیا تھا۔ ان مدلل وباثبوت بیانات کے بعد اسرائیلات کے دوسرے لغو وباطل روایتی بیانات کی طرح اس کا یہ بیان بھی کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت سے قبل ہوئی تھی جو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے قطعاً باطل ٹھہرتا ہے۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں قرآن شریف کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؓ کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی تھی ﴿وَبَشَّرْنَاهُ بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ﴾ یہ اس امر ثابتہ کی جسے محمد بن کعب القرظی وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے دلیل ہے کہ ''ذبیح'' کا اطلاق صرف حضرت اسماعیلؑ پر ہوسکتا ہے کیونکہ وہی حضرت اسحٰق علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام ہی جیسا کہ مندرجہ بالا آیہ قرآنی سے ثابت ہوتا ہے حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے۔ چنانچہ یوں بھی حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت حضرت اسماعیل علیہ السلام سے قبل جیسا کہ اسرائیلی روایات میں مشہور چلا آتا ہے صریحاً غلط قرار پاتی ہے اور اسی لیے حضرت اسحٰق علیہ السلام پر ''ذبیح'' کا اطلاق بھی باطل ٹھہرتا ہے۔

یہی بات بنائے ''بیت العتیق'' کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی نے اپنے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے' تعمیر کیا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی جسے ابن حبان نے اپنی ''تقاسیم'' میں لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے مابین چالیس سال کا فرق ہے۔ عقل ونقل دونوں طرح سے غلط قرار پاتی ہے۔

بیت العتیق کی بنیاد اور تعمیر کا ذکر

قرآن شریف کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں سرزمین مکہ پر بیت العتیق (قدیم ترین بیت اللہ) کی بنیاد اور اس کی تعمیر کا مختصر حال ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں صرف ان آیاتِ قرآنی کا ذکر کریں گے جس میں بیت العتیق کی تعمیر اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی مکمل دعا کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب (حضرت) ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل (علیہ السلام) بیت العتیق کی بنیادیں بھر کر ان کی کسی قدر دیواریں اٹھا چکے تو (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ 'اے میرے رب ہمیں اپنے اوپر (یعنی خدا پر) ایمان لانے والا بنا' اور ہماری ذریت کو بھی مومن بنانا اور اے ہمارے رب ان میں ایک ایسا رسول مبعوث فرمانا جو لوگوں کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی باتیں بتائے''۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں سرزمین مکہ میں ''بیت العتیق'' کی بنیاد پڑنے کا ذکر فرمایا ہے۔ جو عموماً انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا روئے زمین پر پہلا گھر تھا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے والے ہوں گے اور اس بیت اللہ کے حوالے سے اللہ کی عظمت کا ذکر کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس قدیم بیت اللہ کی تعمیر کی ہدایت خود اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ فرمائی تھی اور جیسا کہ ہم پہلے تخلیق سماوات کے ضمن میں بیان کر چکے اس قدیم بیت اللہ کی مکانیت روئے زمین پر ویسی ہے جیسے آسمان پر ''بیت معمور'' کی ہے۔ صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں بیان کیا گیا کہ روئے زمین پر اس بیت اللہ سے قبل جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سرزمین مکہ میں تعمیر کیا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کوئی عمارت نہ تھی نہ اس کی عبادت کرنے والوں کا کہیں نام ونشان تھا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وَّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّ هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ﴾

یعنی خدا کا پہلا گھر مکے میں تعمیر ہوا جو (بعد میں) بنی آدم کی ہدایت اور ان کے لیے خیر و برکت کا باعث بنا۔

کہا جاتا ہے کہ اوّل کعبۃ اللہ کا محل وقوع (جس کے بارے میں آیات بینہ بھی موجود ہیں) وہی تھا جہاں اب حجر اسود اور مقام ابراہیم ہے اور پہلے اس کی دیواریں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قد کے برابر تھیں۔ اس بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک طویل روایت بیان کی ہے۔

یہ مقام ابراہیمؑ جو احاطہ خانہ کعبہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے تک متصل تھا جہاں اب تک حجر اسود کے گرد مسلمانانِ عالم طواف کرتے ہیں اور وہیں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی طواف کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول آنحضرت ﷺ کے لیے ارشاد فرمایا تھا: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ فانزل اللہ چنانچہ آپ کی امت کے لوگوں نے بھی مقام ابراہیم کو بطور مصلیٰ قائم رکھا ہے۔ اسلام کے اوّلین زمانے تک صخرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدوم میمنت لزوم کے کچھ آثار باقی تھے جن کی مدح میں حضرت ابو طالب نے ''لا امیہ'' کے نام سے ایک قصیدہ بھی کہا تھا جو اب تک مشہور ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کے رسول آنحضرت ﷺ نے بھی بار بار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توصیف فرمائی اور روایت صحیحین کے مطابق آپؐ نے اپنے خطبہ مبارک میں یہ بھی فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں اپنا خلیل بنا کر بھیجا تھا اور ان کے ذریعہ اہل عالم کو ہدایات دی تھیں اسی طرح اس نے آپ کو بھی اپنا خلیل بنا کر دنیا میں بھیجا ہے اور اہل عالم کو ہدایت دینے کا حکم فرمایا ہے۔

جنت میں قصر ابراہیم علیہ السلام کا ذکر:

حافظ ابوبکر البزار کہتے ہیں کہ ان سے احمد بن سنان القطان واسطی اور محمد بن موسیٰ القطان نے بیان کیا کہ ان دونوں کو یزید بن ہارون اور حماد بن سلمہ نے سماک‘ عکرمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث سنائی جس میں آپ نے فرمایا کہ جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے سالم موتی کا ایک ایسا قصر (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) تعمیر کیا گیا ہے جس میں کہیں کوئی جوڑ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی قصر میں انہیں رکھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

البزار نے آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کے بارے میں احمد بن جمیل المروزی‘ نضر بن شمیل اور حماد بن سلمہ کی زبانی سماک‘ عکرمہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس سے ملتی جلتی ایک اور روایت بھی پیش کی ہے۔

اوصاف ابراہیمؑ کے بارے میں روایات:

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یونس وحجین نے بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ان دونوں نے لیث‘ ابی زبیر اور جابر سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب (شب معراج) آپ سے انبیاء کا تعارف کرایا گیا تو آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکل و شباہت میں شنوءۃ کے لوگوں کی طرح پایا‘ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام عروہ بن مسعود سے مشابہ تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دحیہ سے مشابہت رکھتے تھے۔

امام احمدؒ نے اس حدیث کی بنیاد پر اس روایت کو منفرد کر کے پیش کیا ہے۔

امام احمدؒ نے اس بارے میں ایک دوسری روایت پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان سے اسود بن عامر اور اسرائیل نے عثمان لیثی ابن مغیرہ‘ مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپؐ نے (شب معراج) عیسیٰ بن مریم‘ موسیٰ اور ابراہیم (علیہم السلام) کو دیکھا تو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی رنگت سرخ تھی اور ان کے گیسوان کے سینے تک پہنچے ہوئے تھے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فربہ اندام تھے۔

لوگوں نے آپؐ سے دریافت کیا: ''یا رسول اللہ (ﷺ) حضرت ابراہیم علیہ السلام کیسے تھے؟''۔ آپؐ نے فرمایا: ''آپ

لوگ مجھے دیکھ کر ان کی شکل و شباہت کا اندازہ لگا لو''۔

امام بخاریؒ سے مروی ہے کہ ان سے بنان بن عمرو نضر اور ابن عون نے مجاہد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا کہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر بیان کیا کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کفر کا نشان (ک۔ف۔ر) ثبت ہوگا۔ جب ان سے (ابن عباس رضی اللہ عنہما سے) کہا گیا کہ آنحضرت ﷺ سے کچھ لوگوں نے سنا ہے کہ آپ نے (شب معراج) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تھا تو کیا آپ نے بھی آنحضرت ﷺ سے ان کی شکل و شباہت کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ اس کے جواب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب یہ سوال لوگوں نے آپؐ سے کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ ''تم مجھے دیکھ لو'' جس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ شکل و شباہت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہ تھے۔

امام بخاریؒ نے یہ روایت صحیح بخاری میں "کتاب الحج و اللباس" کے عنوان کے تحت بھی بیان کی ہے جب کہ مسلم نے اسے محمد بن مثنیٰ' ابن ابی عدی اور عبداللہ بن عون کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا ذکر اور ان کی عمر کے بارے میں مختلف روایاتؒ

ابن جریر نے اپنی کتاب تاریخ میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود بن کنعان کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے جو ایران کے ایک زمانہ قدیم کے بادشاہ ضحاک کی طرح ظلم وستم میں مشہور تھا اور اس نے بابل پر ایک ہزار سال تک حکومت کی تھی۔

بعض دوسرے مؤرخین کی روایات کے مطابق نمرود بنی راہب میں سے تھا جن پر حضرت نوح علیہ السلام نبی کی حیثیت سے مبعوث ہوئے تھے اور یہ کہ نمرود اپنے زمانے میں قریب قریب ساری دنیا پر حکومت کر رہا تھا۔

بعض مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نمرود نے آسمان پر ایک ستارہ طلوع ہوتے دیکھا تھا جو سورج اور چاند سے روشنی میں کچھ ہی کم ہوگا۔ اس ستارے کو دیکھ کر نمرود پر ہیبت طاری ہوگئی تھی اس نے اپنے زمانے کے بہترین مشہور نجومیوں اور کاہنوں کو طلب کر کے اس ستارے کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ ستارہ اس بات کی علامت تھا کہ اس کی رعایا میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس کی سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا۔ چنانچہ اس نے اس کے سدباب کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اپنی رعایا کے مردوں کو ان کی بیویوں سے خلوت کی ممانعت کر دی تھی اور اس کے بعد بھی اگر کسی کے ہاں کسی لڑکے کی ولادت کی اسے خبر ملتی تھی تو وہ اس نومولود لڑکے کو فوراً قتل کرا دیتا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو جو اسی کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے اس کے اس بہیمانہ طرز عمل سے محفوظ رکھا۔

اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسن و جمال بخشا تھا کہ اس سے قبل کوئی بچہ اس حسن و جمال کے ساتھ پیدا نہیں ہوا تھا۔ پھر صغر سنی ہی میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' انہوں نے وہ کرشمہ دکھایا کہ اس کی مثال بھی آج تک دنیا میں کوئی دوسرا شخص نہیں دے سکا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں' بعض روایات میں ان کی جائے ولادت سوس میں بتائی گئی ہے' بعض میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے بابل میں ولادت پائی تھی اور کچھ روایات میں آپ کی جائے ولادت کوثی [1] بتائی گئی ہے جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق وہ دمشق کے شرقی علاقے برزہ میں پیدا ہوئے تھے' نمرود انہی کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا' وہاں سے وہ ارض شام میں شہر حران چلے گئے جہاں پہلے حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ان کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے تھے' حضرت سارہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات سے قبل سرزمین کنعان کے قریہ حبرون میں اس وقت وفات پا گئی تھیں جب ان کی عمر ایک سو ستائیس سال تھی۔

---

[1] معجم البلدان کے مطابق کوثی نام کی بستی تین جگہ پائی جاتی تھی یعنی ایک سواد عراق میں' دوسری سواد بابل میں اور تیسری سواد مکہ میں۔ اس سلسلے میں معجم البلدان کی آخری روایت یہ ہے کہ ابراہیم کی ولادت جس کوثی میں ابراہیمؑ نے ولادت پائی تھی وہ ارض بابل میں تھی وہیں آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور وہیں انہوں نے وفات پائی۔ (محمود الامام)

اہل کتاب کے بیانات کے مطابق حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت رنج ہوا تھا' انہوں نے بنی حیث کے ایک شخص سے جس کا نام عفرون بن صحر بتایا گیا ہے ایک قطعہ اراضی چار سو مثقال میں خرید کر وہاں حضرت سارہؓ کو دفن کیا۔ جہاں ان کی قبر ابھی تک موجود ہے۔ حضرت سارہؓ کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسحٰق علیہ السلام سے بات کی اور ان کی شادی رفقا بنت بتوئیل بن ناحور بن تارخ سے کر کے انہیں وہاں سے ان کے ساز و سامان کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قنطورا سے شادی کی جن کے بعد سے زمران' یقشان' مادان و مدین اور شیاق وشوح پیدا ہوئے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سب قنطورا کی اولاد نہیں تھے۔

ابن عساکر نے کچھ متقدمین کے علاوہ کچھ دوسرے اہل کتاب کے بیانات کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بارے میں روایات اتنی کثرت سے بیان کی گئی ہیں کہ ان کی صداقت وصحت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کے بارے میں اللہ ہی کو علم ہے۔

اہل کتاب کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فجات میں وفات پائی تھی۔ انہوں نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی وفات کے بارے میں یہی بتایا ہے کہ انہوں نے بھی وہیں وفات پائی تھی جب کہ کچھ دوسروں کو اس سے اختلاف ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے حبرون حیثی میں وفات پائی تھی اور انہیں عفرون بن صحر کے اس قطعہ زمین میں دفن کیا گیا تھا جہاں ان کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا مدفون تھیں نیز یہ کہ ان کے دونوں بیٹے اسماعیل و اسحٰق علیہما السلام ان کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں شریک تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ختنہ کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ کسی میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے جوانی ہی میں ختنہ کرا لی تھیں جب کہ اکثر روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی ختنہ سو سال کی عمر کے بعد ہوئی تھی۔ واللہ اعلم

مالک یحییٰ بن سعید اور سعید بن میسّب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے مہمانداری کی ابتدا کی' ختنوں کی بنیاد رکھی۔ پانی پلانے کی رسم کا قصہ بیان کیا اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قابل ذکر طویل عمر پائی اور اس کے بعد حیرت سے اپنے پروردگار سے عرض کیا کہ ''یارب یہ کیا ہے؟'' جواب ملا: ''وقار'' یہ جواب سن کر پھر عرض کیا: ''اگر یہ وقار ہے تو اس میں اضافہ فرما اور اس کے علاوہ اور (دوسری باتوں میں) وقار عطا فرما''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی دنیا کے وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ہر چیز کی ایک حد متعین کی اس میں توازن قائم کیا اور اس کی تلقین بھی کی نیز انہی نے دنیا میں لباس کے طور پر چوغہ اور دستار استعمال کیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر اور ان کے بیٹے اسحٰقؑ اور اسحٰقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کی قبریں بھی شہر حبرون کے اسی احاطے میں ہیں جو سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) نے وہاں بنوایا تھا۔ خود شہر حبرون اب شہر خلیل کے نام سے مشہور ہے۔

یہ بات اُمت بعد اُمت' نسلاً بعد نسل زمانہ بنی اسرائیل سے ہمارے زمانے تک مسلسل چلی آتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر حبرون کے اسی احاطے میں ہے جس کا ذکر ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں اور اب محقق ہو چکی ہے۔ ویسے بھی اس احاطے بلکہ اس

کے قرب و جوار میں بھی لوگ اب تک زراعت کے لیے ہل چلاتے ڈرتے ہیں کہ شاید کہیں وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام یا ان کی اولاد میں سے کسی کی قبر ہو۔

ابن عساکر نے وہب بن منبہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حبرون میں مذکورہ بالا شکستہ احاطے کے قرب و جوار میں ایک سنگی کتبہ پایا گیا ہے جس پر درج ذیل عربی اشعار کندہ ہیں: ترجمہ اشعار:

الٰہی! کون نادان سمجھ سکتا ہے	کہ وہ وقت معین پر نہیں مرے گا؟
جب اس کی موت آئے گی	تو کسی حیلے سے نہیں ٹلے گی
آخری شخص کیسے بچے گا	جب اس سے پہلے لوگ مر چکے ہیں
کسی شخص کے ساتھ قبر میں	اس کے اعمال کے سوا کچھ نہ جائے گا

اولادِ ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے پہلے ان کی دوسری بیوی حضرت ہاجرہؓ قبطیہ مصریہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر ان کی پہلی بیوی حضرت سارہؓ کے بطن سے جو ان کی چچازاد بہن تھیں حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قنطورا بنت یقطن کنعانیہ سے شادی کی جن کے بطن سے ان کی چھ اولادیں مدین' زمران' سرج' یقشان' نشق اور ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اب تک معلوم نہیں ہو سکا۔

قنطورا کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حجون بنت امین سے عقد کیا جن کے بطن سے ان کے پانچ لڑکے کیسان' سورج' امیم' لوطان اور نافس پیدا ہوئے۔

یہ روایت ابوالقاسم سہیلی نے اپنی کتاب ''التعریف والاعلام'' میں بیان کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات میں لوط علیہ السلام کا قصہ ہے جو ان کے چچازاد بھائی تھے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی ہدایت کے لیے بحیثیت نبی مبعوث فرمایا تھا' لیکن ان کی قوم اپنے قبیح اعمال سے باز نہ آئی۔ ان کی قوم لواطت یعنی امرد پرستی کے علاوہ لوٹ مار' قتل و غارت گری اور رہزنی میں مبتلا رہی' انہی کی قوم میں ایک عورت فاحشہ بھی نکلی حالانکہ اس سے قبل (غالباً) دنیا میں کوئی روایتی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت کے پاس حرام کاری کی نیت سے نہیں گیا تھا۔ چنانچہ' جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' اس پر عذابِ الٰہی نازل ہوا اور وہ قوم اپنے کیفرکردار کو پہنچی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بدخصلت بیوی کے سوا ان کے دوسرے اہل خانہ کو جیسا کہ سورۃ اعراف سے ظاہر ہوتا ہے اس عذاب سے محفوظ رکھا:

﴿ فَاَنْجَیْنَاهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِیْنَ ○ وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴾

اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ السلام کا ذکر ان کے کرتوتوں کا حال اور ان پر عذاب الٰہی کی کیفیات کو سورۂ ہود وغیرہ میں بھی بیان فرمایا ہے تاکہ دوسری اقوام اس سے عبرت پکڑیں مثلاً: ﴿ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ﴾ اور فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ تَّرَكْنَاهَا اٰیَةً بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴾

مدین میں قوم شعیبؑ علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں قصہ قوم لوط کے بعد قوم مدین اور اس پر اس کے بھائی بند حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت کا قصہ یوں بیان فرمایا ہے:

''اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اے قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آ چکی ہے تو تم ماپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور ہر رستے پر مت بیٹھا کرو کہ جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے اسے تم ڈراتے اور راہِ خدا سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو۔ اور اس وقت کو یاد کرو۔ جب تم تھوڑے سے تھے تو تم کو خدا نے جماعت کثیر بنا دیا۔ اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کیے رہو یہاں تک کہ خدا ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (تو) ان کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب (یا تو) ہم تم کو اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ انہوں نے کہا خواہ ہم تمہارے دین سے بیزار ہی ہوں (تو بھی) اگر ہم اس کے بعد کہ خدا ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے خدا پر جھوٹ افترا باندھا۔ اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں ہاں خدا جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا خدا ہی پر بھروسہ ہے۔ اے پروردگار ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو) اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے' تو ان کو بھونچال نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے' (یہ لوگ) جنہوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہوئے کہ وہ گویا ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے (غرض) جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے۔ تو شعیبؑ ان میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے ہیں اور تمہاری خیر خواہی کی تھی تو میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے رنج و غم کیوں کروں)''۔ (۷:۸۵۔۹۳)

اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود سورۂ حجر اور سورۂ شعراء میں بھی قوم لوط علیہ السلام کے ذکر کے بعد یہی قصہ بیان فرمایا ہے۔ اہل مدین

عرب تھے جو قریہ مدین میں جو اطراف شام میں علاقہ معان سے قریب اور سرحد حجاز سے ملے ہوئے بحیرۂ قوم لوط علیہ السلام کے بھی قریب تھا رہتے تھے اور اس کے بعد بھی کچھ عرصے تک وہاں مقیم رہے۔ مدین کی بستی اس قبیلے مدین کے نام سے مشہور ہوئی جو وہاں آباد تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے نسب کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ کسی میں انہیں بنی مدین بن مدیان بن ابراہیم بتایا گیا ہے اور کسی میں انہیں ابن مکیل بن یشجن بتایا گیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سریانی زبان میں انہیں نبزون کے نام سے پکارا جاتا تھا' لیکن یہ روایت محل نظر ہے۔

بہر کیف بعض دوسری روایات میں ان کا نسب نامہ ''شعیب بن یسحر بن لادی بن یعقوب'' بیان کیا گیا ہے جب کہ کچھ روایات میں ''شعیب بن نویب بن عیقا بن مدین بن ابراہیمؑ بھی پایا جاتا ہے۔

ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے انہیں ''خطیب الانبیاء'' فرمایا تھا۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ شعیب' یوسف علیہ السلام کے بعد ہوئے تھے۔

وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ شعیب علیہ السلام کی وفات مکے میں ہوئی اس وقت ان کے ساتھ دوسرے مومنین بھی تھے' حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ مومنین کی قبور بقول وہب بن منبہ خانہ کعبہ کے غربی حصے میں دارالندوہ اور دار بنی سہم کے درمیان واقع ہیں۔

باب ۱۱

ذریتِ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر

ہم نے اب تک یعنی پچھلے باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام' ان کی قوم اور انہیں اپنی زندگی میں جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر کیا ہے نیز اس کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام' ان کی قوم اور اس پر عذاب الٰہی نازل ہونے کا ذکر ضمناً کر دیا ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کس طرح ان کی مدد کے لیے پہنچے تھے بیان کر چکے ہیں بلکہ اس کے ساتھ بتقاضائے محل وقرینہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کی قوم اور اس پر عذابِ الٰہی کا ذکر بھی کر دیا ہے اور اسے قرآنِ پاک کے حوالے سے پیش کیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ قوم مدین کو اصحاب ایکہ بھی کہتے تھے۔

اب ہم اسی باب میں ذریت ابراہیم یعنی ان کی اولاد کا ذکر کریں گے جن میں اللہ تعالیٰ نے نسلاً بعد نسل انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔

ذکر اسماعیل علیہ السلام:

یوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت سے بیٹے تھے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں لیکن ان میں سے دو جلیل القدر نبی ہوئے۔ ان میں سے پہلے اسماعیل علیہ السلام تھے اور جیسا کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے ''ذبیح'' بھی وہی تھے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے انہی کو شیر خواری کے زمانے میں اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؓ کو ساتھ لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام مکے کے قریبی پہاڑ فاران پر پہنچے اور اسی ویران اور لق و دق مقام پر ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے تھے جب کہ ان کے پاس کھانے پینے کی چیزوں کی مقدار بہت ہی قلیل تھی لیکن حضرت ہاجرہ علیہا السلام توکل بخدا وہاں ٹھہری رہیں جس کے بعد کا قصہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اہل کتاب کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ''ذبیح'' بتانا اور یہ دلیل دینا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے چونکہ وہ جب پیدا ہوئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے چند سال بعد پیدا ہوئے۔ اس کی وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے حضرت اسحٰق ان کی کبرسنی میں کیسے پیدا ہو سکتے تھے یعنی جب ان کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ خود ان کی کتابوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کا دوسرا بیٹا پہلے بیٹے کے تیرہ سال بعد پیدا ہوا تھا تو کیا وہ دوسرا بیٹا حضرت اسحٰق علیہ السلام نہیں ہو سکتے۔ رہا کبرسنی کا سوال تو کیا توریت وانجیل اور قرآن کی نصوص قطعی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت اسحٰق جب حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے تو انہیں اپنے بانجھ پن اور کبرسنی نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کبرسنی کے باوجود ان کی پیدائش پر سخت حیرت ہوئی تھی۔ نیز کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے واقعات سے جو مستند تاریخی کتب میں اب تک ثبت چلے آ رہے ہیں یہ

ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت ہاجرہؑ اور حضرت سارہؑ کے علاوہ دو دوسری بیویوں کے بطن سے ان کے کئی بیٹے پیدا ہوئے تھے جن کے نام ہم گذشتہ باب میں بتا چکے ہیں اور ان میں آخری بیٹے کی پیدائش کے وقت تو جیسا کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف سو سال سے بہت زیادہ تجاوز کر چکی تھی۔

قرآن شریف میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اپنا دو بار دیکھا ہوا خواب سنایا کہ وہ انہیں بحکم الٰہی ذبح کر رہے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ ان کا وہ خواب غلط نہیں ہو سکتا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے دیکھے ہوئے خواب بلا استثنا رویائے صادقہ (سچے خواب) ہوتے ہیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان سے عرض کیا کہ وہ اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کریں اور وہ انہیں ثابت قدم اور صابر و شاکر پائیں گے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوصاف میں اللہ تعالیٰ کا مزید ارشاد ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَوٰةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴾

علمائے علم الانساب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی نے گھوڑے کو سدھا کر اس پر سواری کی ورنہ ان سے قبل گھوڑے جنگلی و وحشی ہوا کرتے تھے۔ تواریخ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے اوصاف کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اہل اسلام کو حکم دیا ''کہو کہ ہم اللہ پر اس کی نازل کردہ کتاب پر اور ان کتابوں پر جو ابراہیم و اسماعیل اور یعقوب و اسباط (علیہم السلام) پر نازل ہوئی تھیں ایمان لے آئے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ارشاد فرمایا (اگر یہ لوگ (یعنی یہود و نصاریٰ) یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم و اسماعیل' اسحٰق و یعقوب اور اسباط (علیہم السلام) یہودی یا نصرانی تھے تو آپؐ ان سے دریافت کیجیے کہ آیا خدا بہتر جانتا ہے یا تم؟) اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صفات جمیلہ بیان فرماتے ہوئے انہیں ان تمام باتوں سے بری الذمہ ٹھہرایا ہے جو جاہل لوگ ان سے منسوب کرتے ہیں۔

سعید بن یحییٰ اموی نے اپنی کتاب ''مغازی'' میں لکھا ہے کہ ان سے قریش کے ایک بزرگ (شیخ) اور عبدالملک بن عبدالعزیز نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ ''گھوڑوں کو سدھا کر ان پر سواری کیا کرو' یہ تمہارے باپ (جد' مورثِ اعلیٰ) کی میراث ہیں''۔ کیونکہ اس وقت تک یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے تک عرب میں گھوڑے' جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' جنگلی و وحشی تھے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب میں پہلے شخص تھے جنہوں نے فصیح و بلیغ عربی زبان میں گفتگو فرمائی بلکہ دوسرے قبائل کے جو لوگ یمن وغیرہ سے یا ان قبائل کے لوگ جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ ماسبق سے تعلق رکھتے تھے اور مکہ آتے تھے انہیں بھی صحیح عربی بولنا سکھایا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس مختصر ذکر کے بعد ہم ان شاء اللہ بنی اسرائیل کے دیگر انبیاء (علیہم السلام) اور لوگوں کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک کے جملہ حالات تفصیلاً بیان کریں گے۔

ذکر اسحٰق علیہ السلام:

ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ جب حضرت اسحٰق علیہ السلام اپنے بڑے بھائی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے تیرہ یا چودہ سال کے بعد پیدا ہوئے تو ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال سے متجاوز اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی عمر نوے سال ہو چکی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا (قرآن میں) ارشاد ہے کہ (ہم نے اسے (ابراہیم کو) اسحٰق علیہ السلام کی انبیائے صالحین میں سے ولادت کی بشارت دی اور ہم نے انہیں اور ان کے بیٹے اسحٰق علیہ السلام پر برکات نازل کیں (نیز) ان کی ذریت کو محسن اور اپنے نفس پر مکمل طور پر قابو رکھنے والی بنایا) اس آیت قرآنی کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کئی دوسری آیاتِ قرآنی میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی صفات حسنہ کی تعریف فرمائی ہے۔

ہم اس سے قبل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے حوالے سے بھی حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام) کے اوصاف حسنہ کا ذکر کر چکے ہیں۔

اہل کتاب کے بیانات کے مطابق جب حضرت اسحٰق علیہ السلام نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حین حیات میں رفقا بنت تبوایبل سے شادی کی تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور ان کی بیوی بانجھ تھیں۔ تاہم جب حضرت اسحٰق علیہ السلام نے اپنی مذکورہ بالا بانجھ بیوی کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے بطن سے دو جڑواں لڑکے پیدا ہوئے جن میں سے ایک کا نام جو ان دونوں میں کچھ بڑے تھے حضرت اسحٰق علیہ السلام نے عیصو رکھا جنہیں اہل عرب عیص کہتے ہیں اور وہی روم کے والد تھے۔ دوسری مشہور روایت حضرت اسحٰق علیہ السلام کے دوسرے بیٹے یعقوب علیہ السلام کا نام یعقوب ہونے کے بارے میں یہ ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام نے ان کا یہ نام اس لیے رکھا تھا کہ وہ اپنے توام بھائی کے عقب میں بطن مادر سے تولد ہوئے تھے۔ ان کا ایک اور نام جو تاریخ میں مشہور ہے اسرائیل تھا اور قوم اسرائیل یعنی بنو اسرائیل ان کے اسی نام کی وجہ سے مشہور ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت اسحٰق، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بھائی کو پیار سے عیصو کہہ کر پکارا کرتے تھے اور انہیں بہت چاہتے تھے کیونکہ وہ ان کی دعا کے نتیجے میں ان کی بانجھ بیوی رفقا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور ان کی پہلی اولاد تھے۔

تاہم حضرت یعقوب علیہ السلام کی والدہ انہی کو چھوٹا بیٹا ہونے کی وجہ سے زیادہ چاہتی تھیں۔ ویسے بھی جب حضرت اسحٰق علیہ السلام کبرسنی کو پہنچے اور ضعف بصارت میں مبتلا ہو گئے تو وہ اپنے اسی بیٹے کو اکثر اپنے کھانے کے لیے چیزیں لانے کو کہا کرتے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو شکار کا بہت شوق تھا اور وہ بہت اچھے شکاری بھی تھے اس لیے حضرت اسحٰق علیہ السلام اکثر انہی کو شکار

کے لیے جانے اور ان کے لیے شکار کا گوشت فراہم کرنے کی فرمائش کیا کرتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام بڑے شوق اور صدق دل سے اپنے ضعیف باپ کی اس فرمائش کو پورا کیا کرتے تھے یا کبھی کبھی ان کی والدہ ان سے کہہ کر اپنے شوہر حضرت اسحٰق علیہ السلام کے لیے کوئی بکرا بکری ذبح کرالیا کرتی تھیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دوسرے بھائی عیصو یا عیص جسامت میں ان سے کہیں زیادہ تھے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی خدمت کی ان سے زیادہ کوشش کرتے لیکن وہی ہمیشہ ان پر سبقت لے جاتے بلکہ ان کے بھائی کی زرعی زمینیں اکثر بنجر ہونے کی وجہ سے وہی انہیں غلہ اور پھل پھلار بھی فراہم کرتے رہتے تھے۔

چونکہ حضرت یعقوب کے مذکورہ بالا بھائی عیصو یا عیص انہی وجوہات کی بناء پر ان کا شکر گزار ہونے کی بجائے ان سے حسد کرنے لگے تھے اس لیے ان کی والدہ رفقا نے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی وفات کے بعد انہیں مشورہ دیا کہ وہ حران سے کنعان چلے جائیں کیونکہ ان کے بھائی ان کی کسی بیٹی کو اپنی زوجیت میں لانے کا ارادہ بھی کر بیٹھے تھے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام حران سے چلے جو ان کے والد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی وصیت بھی تھی تو راستے میں ایک پتھر کا تکیہ بنا کر لیٹے اور سو گئے جہاں انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے فرشتے نازل ہو رہے ہیں جب کہ ایک فرشتے نے انہیں خدا کی طرف سے وحی پہنچائی اور نہ صرف انہیں نبوت اور برکت کی بشارت دی بلکہ ان کی اولاد میں سلسلہ نبوت جاری رہنے کی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی۔ اس جگہ کا نام حجر بھی اس واقعہ کی وجہ سے پڑا تھا لیکن جب حضرت یعقوب علیہ السلام آگے جا کر وہاں واپس آئے تھے تو انہوں نے اس جگہ کا نام حجر کی بجائے ایل رکھا تھا جس کے معنی بیت اللہ ہوتا ہے اور انہوں نے وہاں ایک عمارت بطور معبد تعمیر کی تھی اور اس کا نام بھی بیت اللہ یا معبد خدا رکھا تھا جو آج کل بیت المقدس کے نام سے مشہور ہے جس کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام ہی نے ڈالی تھی جیسا کہ ہم آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے بیان کریں گے۔

بہرکیف جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں لابان کے پاس حران واپس آئے تو اس وقت ان کے مذکورہ بالا ماموں کی دو بیٹیاں جوان تھیں جن میں سے بڑی بیٹی کا نام لیا اور چھوٹی کا راحیل تھا جو بہت حسین و جمیل تھیں جب کہ لیا نہ صرف ضعف بصارت کی مریض تھیں بلکہ کریہہ النظر بھی تھیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں لابان سے درخواست کی کہ وہ راحیل سے ان کی شادی کر دیں لیکن ان کے ماموں نے اس کی یہ شرط رکھی کہ وہ سات سال تک ان کے مویشی چراتے رہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی یہ شرط قبول کر کے اسے پورا کیا۔ چنانچہ لابان نے اپنی برادری کے لوگوں کو جمع کیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے بڑے شان دار طریقے پر اپنی بڑی لڑکی کی شادی کر دی۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں سے اس کی شکایت کی تو وہ بولے کہ بڑی بیٹی کے ہوتے ہوئے ان کی شادی چھوٹی بیٹی سے کس طرح کر سکتے تھے کیونکہ یہ بات نہ صرف ان کی برادری بلکہ دنیاوی روایات کے بھی خلاف تھی۔ البتہ ان کے ماموں نے ان سے کہا کہ اگر وہ مزید سات سال تک ان کے مویشی چرائیں تو وہ اپنی چھوٹی بیٹی راحیل سے بھی ان کی شادی کر دیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں کی یہ شرط منظور کر کے مزید سات سال تک ان کے مویشی چرانا شروع کر دیا جس

کے اختتام پر ان کے ماموں نے راحیل سے بھی ان کی شادی کر دی جو ان کی ملت میں اس وقت جائز تھا لیکن بعد میں شریعت تورات کے مطابق اسے منسوخ کر دیا گیا۔ تورات میں اس کی تنسیخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے قبل اس کی اباحت درست تھی اور اس سلسلے میں حضرت یعقوب علیہ السلام قطعاً معصوم تھے۔ لابان نے اپنی بڑی بیٹی لیا کو ایک کنیز دی تھی جس کا نام زلفی تھا اور ایک کنیز راحیل کو دی تھی۔ جس کا نام بلہی تھا۔ لیا کے جب کوئی اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے اپنی کنیز زلفی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی جس کے بطن سے ان کے پہلے بیٹے روبیل، پھر شمعون پھر لادی اور پھر یہودا پیدا ہوئے۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کے صلے میں کہ لیا نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونے کے لیے اپنی کنیز زلفی انہیں ہبہ کر دی تھی ان کا ضعف بصارت دور فرما دیا تھا۔

جب راحیل نے یہ دیکھا کہ لیا کی طرح ان کے بھی کوئی اولاد نہیں ہوتی تو انہوں نے بھی اپنی کنیز بلہی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ جس کے بطن سے ان کے دو بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے پہلے کا نام دان اور دوسرے کا نیفتالی تھا۔ پھر اللہ کی قدرت سے لیا بھی حاملہ ہو گئیں۔ اس سے قبل زلفی کے بطن سے دو اور بیٹے جاد اور اشیر پیدا ہو چکے تھے۔ لیا کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹے ایساخر اور زابون پیدا ہوئے پھر ایک بیٹی دینا پیدا ہوئی۔

اس دوران میں راحیل نے جو اس وقت تک لاولد تھیں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ ان کے بطن سے بھی اس کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کی کوئی اولاد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرماتے ہوئے انہیں بھی اولاد سے نوازا اور ان کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دنیا میں حسین ترین بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اس وقت تک حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے ماموں لابان کے مویشی چراتے ہوئے پورے چودہ سال ہو چکے تھے اور ان میں مختلف چوپاؤں کے ریوڑوں میں بے حساب اضافہ ہو چکا تھا۔ اس لیے انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ چونکہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے مویشیوں میں اتنی برکت دی ہے تو وہ بھی ان میں سے جتنے مویشی چاہیں لے لیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی یہ پیشکش قبول کر لی اور ان سے اجازت لے کر اپنی بیوی راحیل ...... اپنے بیٹوں اور بھیڑوں، بکریوں، بیلوں، گائیوں اور مینڈھوں دنبوں کے ایک بڑے ریوڑ اور کافی مال و متاع کے ساتھ اپنے آبائی وطن حبرون روانہ ہوئے اور وہاں جا کر بیت المقدس کی از سر نو تعمیر کی جس کی تعمیر مزید حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی۔ بیت الحم بنایا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ وہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری بیوی راحیل دوبارہ حاملہ ہوئیں اور ان کے بطن سے حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بنیامین پیدا ہوئے لیکن ان کی ولادت کے ساتھ ہی شدت تکلیف کی وجہ سے ان کی ماں راحیل بھی فوت ہو گئیں انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیت لحم میں دفن کیا اور ان کی قبر پر ایک سنگی کتبہ نصب کیا جو اب تک موجود ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد اسحٰق کے پاس کچھ عرصہ رہے جہاں ان کے دادا حضرت ابراہیم مقیم رہے تھے۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی وفات ایک سو اسی سال کی عمر میں ہوئی اور انہیں ان کے بیٹوں عیصو اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہیں دفن کیا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر تھی اور جس جگہ کو وہ خرید چکے تھے جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اسرائیل کی زندگی میں امورِ عجیبہ کا ذکر

ان امورِ عجیبہ میں حضرت یوسف بن راحیل (علیہ السلام) کا قصہ بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ یوسف میں بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جس میں لوگوں کے لیے مواعظ حسنہ کے علاوہ اخلاق و آداب اور تہذیب و تمدن قدیم' حکمت اور کچھ عبرت انگیز باتیں ہیں۔ سورۂ یوسف علیہ السلام کی تفسیر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیلاً پیش کی ہے۔ اس قصے میں ہم یہاں بالاختصار پیش کریں گے۔

یاد رہے کہ قرآن پاک میں جو قصص الانبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اہل اسلام کی درس گیری و سبق آموزی کے لیے فصیح و بلیغ عربی میں بیان کیے گئے ہیں وہ حرف بحرف مبنی برصداقت ہیں کیونکہ انہیں خود اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون جان سکتا تھا۔ اس کے بارے میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو حدیث قدسی مروی ہے اس میں ارشاد باری تعالیٰ کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ ''من ابتغی الھدی لغیرہ اضلہ اللّٰہ'' یعنی جو شخص قرآن کے علاوہ دوسری ہدایات پر بھروسہ کرے گا وہ (گویا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہ کن ہوگا۔

یہ حدیث مسند امام احمدؒ کے علاوہ صحیح ترمذی میں بھی موجود ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کتاب لائے جو انہیں اہل کتاب میں سے کسی سے ملی تھی۔ اسے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میرے پاس ایسی کتاب کیوں لائے ہو جس میں (اکثر و بیشتر) تحریفات کی گئی ہیں۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے ہی تھے جیسا اس کتاب میں لکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے انہیں وہ قصہ بھی بالاختصار سنایا جو قرآن شریف میں بیان ہوا ہے۔ اس میں پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس خواب کا ذکر ہے جس میں انہوں نے دیکھا تھا اور اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا تھا کہ انہیں گیارہ ستارے اور چاند سورج سجدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کو حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے سن کر ان کے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہ اپنا وہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنائیں کہ وہ اسے سن کر ان سے حسد کرنے لگیں گے کیونکہ شیطان انسانوں کو بہکا سکتا ہے۔ (سورۂ یوسف)

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام بھی پہلے گنا چکے ہیں جن سے نسل اسباط کے ذریعہ بنی اسرائیل کی قوم وجود میں آئی جن میں عظیم ترین شخصیت کے مالک اور شریف ترین انسان حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ ان کے کسی بھائی کی نسل سے کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔ البتہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے اسرائیل سے جو زلفی یا بلہی کے بطن سے تھے اسرائیل کی نسل بڑھی جو بنی اسرائیل کہلائی اور اس میں نبی

بھی پیدا ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ قرآن پاک کے علاوہ احادیث قدسی کے حوالے سے کتب احادیث صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ جیسا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے عزیز ترین بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو تاکید کی تھی کہ وہ اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے یا کسی اور سے بیان نہ کریں تو انہوں نے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا لیکن چونکہ حضرت یعقوب حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے دوسرے تمام بھائیوں سے زیادہ چاہتے تھے جس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ ان کی محبوب مرحومہ بیوی راحیل کے بطن سے ان کے پہلے فرزند تھے۔ بہر کیف کوئی وجہ ہو ان کے بھائی ان کی دشمنی پر اتر آئے اور انہوں نے آپس میں طے کیا کہ وہ سب مل کر انہیں شکار کے بہانے جنگل میں لے جا کر انہیں ٹھکانے لگا دیں۔

اس سازش کے تحت انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا کہ وہ اس دفعہ یوسف علیہ السلام کو بھی شکار پر لے جانا چاہتے ہیں لیکن چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے خبث باطنی سے واقف تھے اس لیے انہوں نے اس کی اجازت نہ دی لیکن ان کے حد سے زیادہ اصرار پر اجازت دے دی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے شکار پر جانے سے قبل انہیں تاکید کی تھی کہ اپنے چھوٹے بھائی کی حفاظت کا خیال رکھنا کہ کہیں اسے بھیڑیا اٹھا کر نہ لے جائے اور وہ ادھر ادھر شکار میں مشغول رہیں لیکن جب انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو قسم کھا کر یقین دلایا کہ وہ ان کی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھیں گے تو انہیں ان کو مجبوراً دوسرے بھائیوں کے ساتھ بھیجنا پڑا۔

جنگل میں پہنچ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آیا انہیں قتل کر دیا جائے اور ان کے خون آلود کپڑے دکھا کر اپنے والد سے کہہ دیا جائے کہ انہیں بھیڑیا اٹھا لے گیا تھا۔ اور ان کے وہ خون آلود کپڑے انہیں بڑی تلاش کے بعد ملے ہیں اس لیے ظاہر ہے کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا لیکن پھر ان کی اکثریت اس بات پر متفق ہوئی کہ انہیں اس کنویں میں پھینک دیا جائے جو جنگل کے کنارے راستے میں تھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہہ دیا جائے کہ وہ ان کی تاکید کے باوجود کہ ایک جگہ بیٹھے رہیں ادھر ادھر کہیں چلے گئے تو انہیں بھیڑیا چیر پھاڑ کر کھا گیا۔

خون آلود کرتہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو دکھانے کے بارے میں انہوں نے یہ اسکیم کی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں دھکا دینے سے قبل کسی بہانے سے ان کا کرتہ اتر والیا جائے۔ کنوئیں میں پھینکنے سے ان کی قسم بھی نہیں ٹوٹے گی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہ انہیں کنوئیں میں دھکا دینے سے قبل ان کا کرتہ کسی بہانے سے اتر والیا اور پھر انہیں کنویں میں دھکا دے دیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو یقین دلانے کے لیے انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے پر اپنے شکار کردہ جانور کا خون لگا دیا اور قسم کھا کر ان سے کہہ دیا کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹوں کا یقین تو نہ آیا لیکن وہ صبر کے سوا اور کیا کر سکتے تھے اس لیے رو دھو کر چپ ہو گئے لیکن اپنے چہیتے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو یاد کر کے اکثر روتے رہتے تھے۔

ادھر خدا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں گرنے کے باوجود محفوظ تو رکھا۔ پھر اس کا کرنا ایسا ہوا کہ جس کنویں میں

انہیں پھینکا گیا تھا وہاں ایک قافلہ آ کر ٹھہرا لیکن اہل قافلہ میں سے کسی نے اس کنویں سے پانی نکالنا چاہا تو اسے اندر سے آواز آئی جسے سن کر وہ ڈر گیا اور میر کارواں سے کہا کہ کنویں میں ضرور کوئی آدمی ہے جو اس کے اندر سے بول رہا ہے۔ چنانچہ اس نے کسی دوسرے آدمی کو بھیج کر اس کی تصدیق کرائی اور رسی ڈال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو باہر نکال لیا گیا۔

اس قافلے کا سالار تاجر تھا لیکن بڑا لالچی۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو بڑی حیرت سے دیکھا پھر سوچا کہ اگر وہ انہیں مصر کے بازار میں غلام کہہ کر فروخت کرے تو اسے ان کی کافی قیمت مل جائے گی۔ چنانچہ وہ انہیں وہیں لے گیا اور وہ اس کی منزل بھی تھی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر لے جا کر غلاموں کی منڈی میں جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا' غلاموں کی منڈی میں کھڑا کیا گیا تو ان کا حسن و جمال دیکھ کر لوگ حیرت زدہ رہ گئے اور خریداروں کی اتنی بھیڑ لگی کہ منڈی کے علاوہ ادھر ادھر کے راستے بھی لوگوں سے پٹ گئے اور کہیں تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔

یہ خبر شدہ شدہ عزیز مصر (مصر کے حکمران) تک بھی پہنچی تو اس نے دریافتِ حال کے لیے اپنے کسی درباری کو بھیجا اور تصدیق کے بعد اس نے جیسا کہ بعض مستند روایات سے ظاہر ہوتا ہے' حضرت یوسف علیہ السلام کو اس تاجر سے دس مثقال سونے اور بہت سے دیباو حریر اور دوسرے ریشمی پارچہ جات دے کر خرید لیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھ کر عزیز مصر بھی بہت حیران ہوا اور پھر اس نے اپنی خدمت سے انہیں اپنی منکوحہ بیوی زلیخا کی خدمت میں بھیج دیا جہاں وہ ایک مدت تک رہے کہ جب عنفوان شباب کو پہنچے تو زلیخا بھی ان کے حسن و جمال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی بلکہ جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے ان کے عشق میں مبتلا ہو گئی۔

کہا جاتا ہے کہ زلیخا کی راز دار سہیلیوں نے اسے ٹوکا تو اس نے کہا کہ اگر وہ اسے دیکھیں گی تو دل پر قابو رکھنا دشوار ہو جائے۔ اس کی سہیلیوں نے جب اس کا حد سے زیادہ مذاق اڑایا تو اس نے ایک دن ان سب کو جمع کر کے ایک ایک لیموں اور چاقو ان کے ہاتھ میں دے کر انہیں منتظر رہنے کے لیے کہا۔ اس کے بعد اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے درمیان سے گزرنے کو کہا۔ پھر جونہی حضرت یوسف علیہ السلام ان عورتوں کے درمیان سے گزرے تو اسی وقت اس نے انہیں لیموں کاٹنے کا حکم دیا۔ ان عورتوں کی نگاہیں پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے روئے مبارک پر پڑیں تو وہیں گڑی رہ گئیں۔ زلیخا نے انہیں دوسری بار حکم دیا ''لیموں کاٹو'' تو ان بیچاریوں نے محویت کے عالم میں لیموؤں کی جگہ اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ واللہ اعلم

زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی لاکھ کوششیں کیں لیکن وہ جو فطرۃً معصوم اور پاکیزگی کا مجسمہ تھے خدا کے خوف سے اس کی باتوں میں نہ آئے۔ پھر جیسا کہ سورۂ یوسف کی متعلقہ آیات شریفہ اور روایات احادیث سے ظاہر ہوتا ہے ایک دن زلیخا کے سر پر نفس کا ایسا بھوت سوار ہوا کہ اس نے حضرت کو اپنی خواب گاہ میں طلب کر کے اس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور بتوں کی تصاویر اور مجسموں پر پردہ ڈالنے لگی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس کا مقصد سمجھ گئے اور یہ دیکھ کر اس سے بولے:

''خدا تو یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے''۔

لیکن چونکہ زلیخا پر نفس کا بھوت سوار تھا اس لیے اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بستر پر لے جانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک کر دروازے کا رخ کیا تو اس نے ان کے کرتے کا دامن پکڑ لیا جو اس کشمکش میں پھٹ گیا۔ تاہم حضرت یوسف علیہ السلام اپنا دریدہ دامن کسی نہ کسی طرح اس سے چھڑوا کر اس کی خواب گاہ سے نکل آئے تو اس نے شور مچانا شروع کر دیا اور خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے اپنی کنیزوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر سارا الزام حضرت یوسف علیہ السلام کے سر تھوپنے کی کوشش کی۔

عزیز مصر کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ انتہائی غضب ناک ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن کچھ خاص خاص لوگوں نے اس سے کہا کہ ایسا کرنا آدابِ حکمرانی کے خلاف ہے اور اسے مشورہ دیا کہ پہلے اس واقعے کی تحقیق کی جائے اب سوال یہ تھا کہ زلیخا اور یوسف علیہ السلام میں سے اصل خطاوار کی پہچان کیسے ہو تو کسی دانشمند نے عزیز مصر سے کہا کہ اگر یوسف علیہ السلام کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہو تو وہ خطاوار ہیں اور اگر پیچھے سے پھٹا ہو تو یقیناً ملکہ مصر زلیخا ہی کو یقیناً خطاوار ٹھہرایا جائے گا۔

یہ سن کر عزیز مصر سوچ میں پڑ گیا لیکن اس دانش مند کی بات اس کے دل کو ایسی لگی کہ اس نے فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے سامنے طلب کیا لیکن جب دیکھا گیا تو ان کا کرتا پیچھے سے دریدہ پایا گیا۔ پھر بھی عزیز مصر زلیخا کو سزاوار ٹھہرانے اور اسے سزا دینے پر تیار نہ ہوا بلکہ اپنے قریب ترین سرکاری حکام کے مشورے کے علی الرغم حضرت یوسف علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام زنداں میں صبر وشکر کے ساتھ قید و بند کے مصائب جھیل رہے تھے تو عزیز مصر نے ایک شب کو خواب میں سات دبلی پتلی گائیں دیکھیں اور صبح کو کاہنوں کو طلب کر کے اپنے اس خواب کی تعبیر معلوم کرنا چاہی لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کے اس خواب کی تعبیر نہ بتا سکا۔

اتفاق سے عزیز مصر کے دربار میں اس وقت ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جسے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا یقین تھا اور اس نے یہ بھی سنا تھا کہ وہ زندان میں قیدیوں کی اصلاح کے لیے کوشاں ہیں اور بہت سے قیدی صرف رو بہ اصلاح ہی نہیں ہوئے ہیں بلکہ حضرت یوسف کی پارسائی کے قائل بھی ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس نے عزیز مصر کو یہ واقعات سنا کر اسے مشورہ دیا کہ اس کے خواب کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کی جائے اور اسے یقین دلایا کہ ان کی بتائی ہوئی تعبیر یقیناً صحیح ہو گی۔

چنانچہ جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے' عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زندان سے طلب کر کے اپنے خواب کی ان سے تعبیر بتانے کے لیے کہا تو انہوں نے اسے بتایا کہ سات دبلی پتلی گائیں خواب میں دیکھنے کی تعبیر یہ ہے کہ مصر آئندہ سات سال تک قحط میں مبتلا رہے گا۔

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو امتحاناً قید سے رہا تو کر دیا لیکن انہیں نظر بند رکھا یعنی انہیں کہیں آنے جانے کی اجازت نہ تھی۔

پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر خواب سچ نکلی اور اگلے سال مصر میں قحط پڑ گیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے مشورے سے اس سال مصر کے علاوہ اِدھر اُدھر سے اتنا غلہ جمع کر لیا گیا کہ سارے گودام بھر گئے اور جیسا کہ حضرت یوسف

نے فرمایا تھا تو اگلے سال سے لے کر آئندہ سات سال تک مصر میں غلے کی کمی محسوس نہ ہو سکی۔

اللہ تعالیٰ نے اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی مدد فرمائی تو عزیز مصر بھی ان کی بے گناہی اور راست بازی کا قائل ہو گیا اور انہیں اپنی زندگی ہی میں اپنا نائب السلطنت اور ولی عہد مقرر کر دیا۔ چنانچہ جب عزیز مصر فوت ہوا تو وہی عزیز مصر کی جگہ مصر کے بادشاہ ہوئے اور اس سے ہر کس و ناکس کو بے حد خوشی ہوئی اور وہ مدت تک ان کی دیانت، سخاوت اور عدل وانصاف کے گن گاتے رہے۔

ادھر حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے دوران حکومت میں کنعان شدید قحط کا شکار ہو گیا اور لوگ وہاں سے عزیز مصر کی داد و دہش اور سخاوت کے قصوں کے علاوہ یہ سن کر کہ وہ اطراف و جوانب کے قحط زدہ علاقوں کے حاجت مندوں کو بھی غلہ تقسیم کر رہا ہے جوق در جوق مصر کی طرف روانہ ہونے لگے۔

یہ دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائی جو ان کی دشمنی میں حد سے گزر گئے تھے اور بد طینتی اور خبث باطنی میں بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے قحط کے ہاتھوں مجبور ہو کر حضرت یعقوب علیہ السلام سے اجازت کے طالب ہوئے تا کہ وہ بھی مصر سے کچھ غلہ لانے کے لیے وہاں جائیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جو اپنے عزیز ترین بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی اور ان کی یاد میں روتے روتے بینائی کھو چکے تھے بولے: جاؤ لیکن جلد لوٹ آنا کیونکہ میں یہاں تنہا رہ جاؤں گا' بس تم ہی یا یہ تمہارا چھوٹا بھائی بنیامین ہی میری زندگی کا سہارا رہ گئے ہو۔ ویسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا سب سے بڑا سہارا ہے مگر اسی نے تو تمہیں میرا سہارا بنا رکھا ہے۔ (روایت)

ادھر حضرت یوسف علیہ السلام جو عزیز مصر کی وفات کے سال ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ صرف مصر کی بادشاہت بلکہ نبوت سے بھی سرفراز فرما دیئے گئے تھے اب اس کی ہدایات کے مطابق نہ صرف لوگوں کو خدا پرستی کی دعوت دے رہے تھے اور قحط زدہ علاقوں کے لوگوں میں حسبِ ضرورت روزانہ غلہ بھی تقسیم فرما رہے ہیں بلکہ اپنی رعایا کی ہر ضرورت کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھ رہے تھے جس کی وجہ سے ان کی نرم دلی اور سخاوت کی خبر دور دور جا پہنچی تھی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لینے کنعان سے مصر پہنچے تو آپ نے انہیں فوراً پہچان لیا لیکن ان کے اونٹوں پر غلہ اپنے سامنے بار کراتے وقت ان سے کنعان کے حالات اور ان کے والد کے بارے میں بھی دریافت کیا تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی ضعیفی' بصارت سے محرومی اور اپنے بھائی یعنی خود حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں ان کی شب و روز گریہ وزاری کا حال سنایا لیکن یہ نہ بتایا کہ اس کا سبب وہ خود تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ آیا اپنے والد کے صرف وہی بیٹے تھے یا ان کا کوئی اور بھائی بھی ہے تو انہوں نے بتایا کہ ان کا سب سے چھوٹا ایک اور بھائی ہے لیکن ان کے والد اسے کبھی جدا نہیں کرتے۔ اس لیے وہ اسے ساتھ نہیں لائے ان سے یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کا دل تڑپنے لگا اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن ضبط کرتے ہوئے بولے:

''تم اب کے آؤ تو اپنے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی لانا تا کہ اس کے حصے کا اناج بھی تمہیں مل سکے۔ لیکن جب وہ دوسری بار غلہ لینے مصر آئے تو بنیامین یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے حقیقی بھائی ان کے ساتھ نہ تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام

کے دریافت فرمانے پر انہوں نے بتایا کہ ان کے والد نے اُسے ان کے ساتھ آنے کی اجازت نہیں دی۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے حسبِ معمول انہیں غلہ دے کر ان سے یہ بھی فرمایا کہ اگر اب کے وہ اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو انہیں مزید غلہ نہیں ملے گا۔ چنانچہ اگلی بار جب وہ غلہ لانے کے لیے کنعان سے مصر آنے لگے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی اپنے ساتھ لے چلنے پر زور دیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اگر وہ بھی ان کے ساتھ ہوئے تو ان کے حصے کا غلہ بھی انہیں مل جائے گا جسے ملا کر ان کے کچھ مزید دن آرام سے بسر ہو جائیں گے۔ تاہم حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے سے صاف انکار کر دیا تو انہوں نے انہیں بتایا کہ اگر وہ ہمارے ساتھ نہ گئے تو عزیزِ مصر کی شرط کے مطابق خود انہیں بھی اب کے غلہ نہیں ملے گا تو حضرت یعقوب علیہ السلام انہیں ساتھ بھیجنے پر مجبور ہو گئے لیکن ساتھ ہی چلتے وقت انہیں ان کی حفاظت کی خاص طور سے سخت تاکید کر دی اور جب انہوں نے ان کی حفاظت کی پہلے کی طرح قسم کھائی تو انہوں نے گویا دل پر صبر کی سل رکھ کر انہیں ان کے ساتھ کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح اپنے چھوٹے حقیقی بھائی بنیامین کو بھی دیکھتے ہی پہچان لیا لیکن اب بھی مصلحتاً انجان بنے رہے تاہم جب وہ اپنے اونٹ پر غلہ بار کر رہے تھے تو انہیں پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر جب وہ اپنے اونٹ پر حسبِ ضرورت اپنے حصے کا غلہ لاد کر اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ روانہ ہو گئے تو ایک دم شور مچ گیا کہ کسی نے اپنے غلے میں سونے کا وہ پیمانہ بھی جس سے غلہ ماپ کر دیا جاتا تھا چرا کر رکھ لیا ہے۔ وہاں سے سب سے آخر میں روانہ ہونے والے چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہی تھے لہٰذا انہیں راستے سے لوٹا کر لایا گیا اور ان کے اونٹوں کی تلاشی لی گئی تو بنیامین کے غلے میں چھپا ہوا سونے کا وہ پیمانہ برآمد کر لیا گیا جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے وہاں انہیں روکنے کے لیے رکھ دیا تھا۔ پھر ان کے بھائیوں کو جانے کی اجازت دے دی گئی اور جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود چاہتے تھے بنیامین کو روک کر ان کے بھائیوں سے کہا گیا کہ انہیں قانون کے مطابق سزا دی جائے گی کیونکہ ان پر چوری کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے دوسرے بھائی رونے لگے اور گڑگڑا کر حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ ''بنیامین کا سگا بھائی پہلے ہی بھیڑیئے کا شکار ہو چکا ہے جس کے غم میں روتے روتے ان کے والد یعقوب علیہ السلام بصارت کھو بیٹھے ہیں' اس لیے اگر ہم بنیامین کو جسے ہم حفاظت کے ساتھ واپس لانے کی قسم کھا کر آئے ہیں اپنے ساتھ نہ لے گئے تو ہمارے والد اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکیں گے''۔

اپنے بھائیوں سے یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں لیکن انہوں نے ضبط کرتے ہوئے ان سے کہا:

''اچھا تم انہیں یہاں چھوڑ جاؤ اور اپنے والد سے ہماری طرف سے جا کر کہنا کہ ہم انہیں بھی بہت جلد ان کے پاس پہنچا دیں گے اور اس کی ضمانت میں تم ہمارا ایک کرتہ لے جاؤ''۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد ان کے بھائی ان کا کرتہ لے کر روانہ ہو گئے۔ اس کے سوا وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے لیکن راستے میں اپنی اپنی جگہ سب سوچتے جا رہے تھے کہ بنیامین کو ان کے ساتھ نہ پا کر ان کے والد حضرت

یعقوب علیہ السلام واقعی تڑپ کر مر جائیں گے لیکن جب کنعان پہنچ کر انہوں نے سارا واقعہ سنا کر انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ یہ کہہ کر دیا کہ عزیز مصر نے ان کے بھائی کو جلد ان کے پاس بھیجنے کی ضمانت کے طور پر اپنا کرتہ دیا ہے تو انہوں نے ہاتھ بڑھا کر وہ کرتہ لے لیا اور تڑپ کر بولے: ''یہ تو یوسفؑ کا کرتہ ہے' مجھے اس سے اس کے بدن کی خوشبو آ رہی ہے''۔

یہ کہہ کر انہوں نے وہ کرتہ اپنی آنکھوں سے لگایا تو خدا کی قدرت سے ان کی آنکھوں کی بینائی فوراً لوٹ آئی اور خوشی سے بولے: ''میں نہ کہتا تھا کہ یہ یوسفؑ کا کرتہ ہے' چلو تم مجھے اس کے پاس لے چلو''۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ان سے لاکھ کہتے رہے کہ ''یہ تو واقعی مصر کے بادشاہ کا کرتہ ہے۔ البتہ اسے آپ اپنے پروردگار کی قدرت یا رحمت سمجھئے کہ اسے آنکھوں سے لگانے سے آپ کی بصارت لوٹ آئی ہے جسے آپ اپنے جذبے کی انتہا قرار دے سکتے ہیں'' لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے گویا ان کی بات سنی ہی نہیں اور وہ ان سے انہیں مصر پہنچانے پر اصرار کرتے رہے اور آخر کار ان کے بیٹے انہیں لے کر دو روز بعد ہی مصر روانہ ہو گئے۔

اُدھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دوسرے بھائیوں کی روانگی کے بعد اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو خلوت میں طلب کیا اور انہیں گلے لگا کر سارا قصہ انہیں سنا دیا جسے سن کر وہ روتے ہوئے اپنے بڑے بھائی کی قدموسی کے لیے جھک گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کا قصہ بھی بڑا اثر انگیز ہے وہ ایک دوسرے کو بالکل اسی طرح دیکھتے رہے اور پھر یک دم بغلگیر ہو گئے درآں حالیکہ دونوں کی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تادیر دیکھتے رہے تھے اور پھر یک دم باہم بغلگیر ہو کر دونوں رو پڑے تھے۔

ابن اسحٰق علیہ السلام نے اہل کتاب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر آ کر اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سترہ سال مقیم رہے تھے اور اپنی وفات کے وقت انہیں وصیت کی تھی کہ انہیں ان کے والد حضرت اسحٰق اور ان کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبروں کے پاس دفن کیا جائے۔

السدی کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی میت مصر سے شام لے جا کر انہیں حضرت اسحٰق و حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کے پاس المنارہ میں دفن کیا تھا۔

اہل کتاب کے نزدیک حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر جب وہ کنعان سے مصر تشریف لائے تھے ایک سو تیس سال تھی اور انہوں نے وہاں سترہ سال قیام فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی پوری عمر ایک سو چالیس سال ہوئی جو بظاہر غلط ہے تاہم ایک نسخے میں یہی لکھا ہے۔ ممکن ہے ان سے یہ حسابی غلطی سہواً ہو گئی ہو لیکن یہ تضاد ان کے ہاں اکثر و بیشتر پایا جاتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے ذکر کے ساتھ متعلقہ قرآنی آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے:

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے دریافت کیا:

''تم میرے بعد کس کی پرستش کرو گے؟ تو وہ بولے ''ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء اسماعیل و اسحٰق اور ابراہیم

(علیہ السلام) کے معبود کی پرستش کریں گے اور ہم اسی پر ایمان لائے ہیں''۔

گویا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو خدا کی پرستش کی بالا خلاص وصیت کی تھی جو درحقیقت اسلام تھا اور ہے جس کے لیے از ابتدا تا انتہا انبیاء علیہم السلام مبعوث کیے گئے تھے۔

اہل کتاب نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ''حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو الگ الگ وصیت کی تھی اور اپنے بیٹے یہودا (عربی تلفظ یہوذا) سے فرمایا تھا کہ ان کی نسل سے ایک عظیم نبی پیدا ہوں گے جن کی تمام شعوب وقبائل اطاعت کریں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہی نبی تھے (یعنی جن کی ولادت کا یہودا کی نسل سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا۔ واللہ اعلم

یہ بھی اہل کتاب کا بیان ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات پائی تو اہل مصر نے ستر دن تک ان کا سوگ منایا' حضرت یوسف علیہ السلام نے اطباء کو حکم دیا تھا کہ ان کی لاش کو خوشبویات سے غسل دیا جائے اور انہیں اسی طرح چالیس دن تک خوشبوؤں میں رکھا جائے۔ اس کے بعد اہل مصر نے ان سے اجازت لی کہ انہیں ان کے آبائی قبرستان میں جس کی زمین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عفرون بن صحر حیثی سے خریدی تھی دفن کیا جائے اور ان سے اجازت ملنے پر مصر کے اکابرین وشیوخ ان کی میت لے کر مصر سے حبرون روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر انہیں اسی مقارہ میں دفن کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خریدا تھا۔ اس کے بعد وہ وہیں ان کی عزاداری میں مصروف رہے اور پھر مصر لوٹ آئے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے ساتھ مل کر کچھ روز اپنے والد کا سوگ مناتے رہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم وتکریم بھی کرتے رہے۔ جس کے بعد وہ سب کے سب مصر ہی میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ انہیں بھی مصر سے لے جا کر حبرون میں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا جائے لیکن ان کی لاش اس وقت تک حنوط کر کے محفوظ رکھی گئی جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے خروج نہ کیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے روانگی کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی حنوط شدہ لاش بھی ان کے ساتھ کر دی گئی اور انہیں بھی ان کی وصیت کے مطابق ان کے آبائی قبرستان میں حبرون ہی میں دفن کیا گیا۔ اس کی تفصیل ہم بھی ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع پیش کریں گے۔

اہل کتاب کے مطابق حضرت علیہ السلام کی عمر ایک سو دس سال ہوئی۔ یہی ابن جریر نے بھی بیان کیا ہے جب کہ مبارک بن فضالہ نے حسن کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا گیا تھا اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی اور وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے اسی سال تک جدا رہے جس کے بعد وہ تیئس سال تک اور زندہ رہے اور اس طرح ان کی عمر مبارک ایک سو بیس سال ہوئی۔

مبارک بن فضالہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے وصیت اپنے بھائی یہودا (عربی تلفظ یہوذا) کو کی تھی۔ واللہ اعلم

باب ۱۲

قصہ حضرت ایوب علیہ السلام

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ ایک شخص جن کا تعلق روم سے بتایا جاتا ہے درحقیقت وہی ایوب بن موص بن زراح بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تھے لیکن کچھ لوگ انہیں ایوب بن موص بن رعویل بن عیص بن اسحٰق بن یعقوب بتاتے ہیں جب کہ کچھ دوسرے لوگوں نے اس کے علاوہ اور کچھ بھی بتایا ہے۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ ان کی ماں لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے والد ان لوگوں میں شامل تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے سے قبل ان کے ساتھ ایمان لا چکے تھے۔ سب سے زیادہ مشہور بات یہ ہے کہ ان کا تعلق بھی ذریت ابراہیم علیہ السلام سے تھا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴾

اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس آیت میں جو ضمیر ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اس کے علاوہ یہ صحیح بات ہے کہ وہ (حضرت ایوب علیہ السلام) بھی ان انبیاء میں سے ہیں جن پر وحی الٰہی نازل ہوئی جیسا کہ قرآن پاک کی سورہ النساء میں ہے:

﴿ اِنَّـآ اَوْحَيْنَـآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَـآ اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ ﴾

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایوب عیص بن اسحٰق اور ان کی بیوی کے جن کا نام لیا بتایا جاتا ہے بیٹے تھے لیکن کچھ لوگوں نے انہیں رحمہ بنت افرائیم کا بیٹا بتایا ہے نیز انہیں منشا بن یوسف بن یعقوب بتایا گیا ہے جو صحیح ترین بات بھی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان کا یہاں ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد ہم ان شاء اللہ پھر انبیائے بنی اسرائیل کے ذکر کی طرف آئیں گے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا (جب ایوب علیہ السلام نے ہمیں پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار کہ مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے تو ہم نے ان کی فریاد سنی اور انہیں بتایا کہ انہیں کیا بیماری ہے اور ان کے ساتھ ان کے اہل کر دیئے اور انہی جیسے اور بھی جن میں ہماری رحمت بھی شامل تھی اور ہمارا ذکر عابدین کے لیے ہے) نیز سورۂ (ص) میں بھی ارشاد ہوا:

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوْبَ الخ ﴾

کلبی کی طرح ابن عساکر سے بھی مروی ہے کہ مبعوث ہونے والے انبیاء میں پہلے ادریس ہیں' پھر نوح ہیں' پھر ابراہیم ہیں' پھر

اسماعیل' پھر اسحٰق' پھر یعقوب' پھر یوسف' پھر لوط' پھر ہود' پھر صالح' پھر شعیب' پھر موسیٰ اور ہارون' پھر الیاس' پھر یسع پھر عرفی[1]' پھر سویلیخ بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب' پھر یونس بن متی جو بنی یعقوب میں سے ہیں' پھر ایوب بن زراح[2] بن آموص بن لیفر ز' بن عیض بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام) ہیں۔

بہرکیف یہ ترتیب بعض جگہ محل نظر ہے کیونکہ ہود اور صالح کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل مبعوث ہوئے تھے۔ واللہ اعلم

علمائے تفسیر و تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت ایوب بڑے صاحب ثروت شخص تھے ان کے پاس حوران کے علاقے بثینہ میں بڑا مال و زر' غلام' زرعی زمینیں اور دوسری بہت سی چیزیں تھیں۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ ان کے پاس کثیر مال و متاع کے علاوہ ان کے اہل و عیال اور قرابت دار بھی کثیر تعداد میں تھے لیکن پھر ان کے پاس سے یہ سب کچھ یک لخت جاتا رہا اور وہ بہت سے جسمانی عوارض میں مبتلا ہو گئے اور یہ حالت ہو گئی کہ ان کے دل اور زبان کے علاوہ ان کے جسم کا کوئی عضو صحیح و سالم نہ رہا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وہ اس حال کے باوجود دن رات اور صبح و شام صبر کرتے اور خدا کا شکر ادا کرتے رہے اور پھر یہاں تک نوبت آ گئی کہ ان کے جسم میں تعفن کی وجہ سے ان کے سب عزیز و اقربا نے ان کے پاس آنا جانا ترک کر دیا' بس صرف ان کی بیوی رہ گئیں جو ان کی ضروریات کا خیال رکھتی تھیں اور ان کے کھانے پینے حتیٰ کہ رفع حاجت کے لیے بھی وہی انہیں اٹھاتی بٹھاتی تھیں۔ سچ یہ ہے انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کے پچھلے احسانات اور زوجیت کا حق ادا کر دیا لیکن پھر ان کی اس سے بھی زیادہ بری حالت ہو گئی اور لوگوں نے انہیں ایک نر بلہ کے کنارے ڈلوا دیا۔ اس زمانے میں بھی ان کی بیوی ہی نے ان کا ساتھ دیا۔ وہی انہیں بھی کھانا کھلاتیں جو اڑوس پڑوس کے لوگ ان کی بیوی کے لیے لے آتے تھے اور وہی ان کے جسم سے نجاست و غلاظت ہٹاتی رہتی تھیں۔

آخر جب لوگوں سے اس شریف خاتون کی یہ حالت نہ دیکھی گئی تو انہوں نے اسے کسی اور جگہ پہنچا دیا لیکن وہاں بھی وہ اپنے خاوند حضرت ایوب علیہ السلام کو یاد کرتی اور روتی رہتی تھیں۔

وہب بن منبہ نے یہ سب باتیں بنی اسرائیل کے اکثر ثقہ لوگوں کے حوالے سے تفصیلاً بیان کی ہیں جن کی صحت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جب کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''دنیا میں سب سے زیادہ مصائب انبیاء علیہم السلام کو برداشت کرنے پڑے نیز یہ کہ جو اپنے دین و ایمان پر جتنا ثابت قدم رہا اسی نسبت سے اسے بلاؤں کا سامنا بھی کرنا پڑا''۔

اس روایت کے آخر میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے سب سے زیادہ مصداق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ

---

[1] ایک نسخے میں عربی لکھا ہے۔ [2] ایک نسخے میں راذح لکھا ہے۔

آپؑ نے ہی بعد بعثت کفار کے ہاتھوں سب انبیاء علیہم السلام سے زیادہ مصائب برداشت کیے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے مصائب کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ وہب کے نزدیک وہ ان بلاؤں میں پورے تین سال مبتلا رہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے ان سخت ترین بلاؤں کا شکار رہنے کے باوجود صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کے صلے میں انہیں پھر وہی تمام نعمتیں عطا فرما دیں جن سے انہیں اس سے قبل سرفراز فرمایا تھا۔

ابن حاتم اور ابن جریر نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام ان بلاؤں میں پورے اٹھارہ سال مبتلا رہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کی بیوی کے علاوہ جن کا نام کلام الٰہی میں رحمہ بتایا گیا ہے ان کے دو دوسرے قریبی عزیز بھی ان کی خبر گیری کرتے رہے تھے اور ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا تھا کہ حضرت ایوب علیہ السلام جیسی مصیبت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں کسی کو اتنی مدت تک مبتلا نہ رکھا ہوگا۔ پھر دوسرے کے سوال کے جواب میں پہلے نے بڑے وثوق سے اس کا حساب لگا کر اس مدت کا تعین اٹھارہ سال کیا تھا۔

اس روایت میں یہاں سب کے سب ابن جریر کے الفاظ پیش کیے گئے ہیں جب کہ اس روایت کو اور زیادہ تفصیل سے ابن حبان نے اپنی کتاب ''صحیح'' میں محمد بن حسن بن قتیبہ بن حرملہ اور وہب ہی کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ تاہم یہ روایت جو حضرت ایوب علیہ السلام کی مدت مصائب کے تعین کے بارے میں ہے بڑی عجیب وغریب ہے جسے ان حضرات نے وہب کے حوالے سے بیان کیا ہے لیکن اس پر تاریخی حیثیت سے بمشکل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پہلی عیش و آرام کی زندگی پر لوٹا دیا تو جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر سونے کی بارش فرمائی تھی اور وہ اس سونے کو اپنے کپڑوں میں چھپا لیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگوں نے ان سے دریافت کیا تھا کہ وہ اپنے کپڑوں میں اس طرح کیا چھپایا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ وہ ان کے پروردگار کی رحمت تھی جسے کوئی نہیں چھپا سکتا۔

یہ روایت ابن حاتم نے بھی بیان کی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے نام کے بارے میں جو مختلف روایات ہیں انہیں قرآن شریف میں ان کا نام خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''رحمہ'' بتائے جانے کے بعد ختم سمجھنا چاہیے۔

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر مصائب کے اختتام اور ان کے صبر وشکر کے صلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ان کی اصلی جسمانی حالت اور امیرانہ زندگی کی طرف لوٹائے جانے کے بعد ان کی بیوی رحمہ کے بطن سے ان کے ستائیس بیٹے پیدا ہوئے تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام نے ان مصائب کے بعد روم میں ستر سال گزارے تھے لیکن اس دوران میں ان کے پیروکار دین ابراہیمی پر قائم نہیں رہے تھے اور انہوں نے اس میں بہت سی نئی نئی باتیں داخل کر لی تھیں۔

علمائے تاریخ میں ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی عمر ان کی وفات کے وقت ترانوے سال تھی۔

لیث نے مجاہد کے حوالے یہ روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت انبیاء میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام زوال سے حصول کمال میں حضرت یوسف علیہ السلام کا نام اور اہل بلاء میں حضرت ایوب علیہ السلام کا نام بطور حجت اپنے بندوں کے سامنے بتائیں گے۔

ابن عساکر نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے اس کے مفہوم پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے جوبل کو وصیت کی تھی لیکن اس پر عمل ان کے دوسرے بیٹے بشر بن ایوب علیہ السلام نے کیا۔ اور انہی کو اکثر لوگ ذوالکفل بتاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ انہی کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہی بشر بن ایوب نے پچھتر سال عمر پائی۔

بہرکیف ہم ان بشر ابن ایوبؑ کا ذکر جنہیں اکثر لوگ نبی اور ''ذوالکفل'' بتاتے ہیں سطور ذیل میں کر رہے ہیں۔

قصہ ذی الکفل

ذی الکفل وہی ہیں جنہیں سب لوگوں نے ابن ایوب علیہ السلام بتایا ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے سورہ انبیاء میں دوسرے انبیاء کے ساتھ ان کا ذکر فرماتے ہوئے انہیں بھی صالحین میں شمار فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سورہ ص میں بھی ان کا اس طرح ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا کہ جیسا مختلف روایات میں ذکر ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نبی تھے (علیہ السلام) اور ان کی نبوت کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں وہ غلط نہیں ہیں۔ البتہ کچھ متاخرین نے ان کا شمار صالحین میں کرتے ہوئے ان کے اوصاف میں عدل وحکمت اور دیانت وغیرہ کو شامل کیا ہے۔ ابن جریر نے بھی صرف اتنا ہی کہا ہے۔ واللہ اعلم

ابن جریر اور ابن ابی نجیح نے مجاہد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ چونکہ بشر ابن ایوب علیہ السلام ایک مرد صالح تھے اپنی قوم کے مسائل عدل وانصاف سے نمٹایا کرتے تھے اور اس کی موقع بموقع کفالت بھی کرتے تھے اس لیے وہ ذی الکفل کے نام سے مشہور ہوئے اور اب تک اس نام سے مشہور چلے آتے ہیں۔

یہی روایت ابن ابی حاتم سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قریباً اسی سیاق کے ساتھ مروی ہے۔

ذی الکفل کے بارے میں عبداللہ ابن الحارث، محمد بن قیس اور حجیرہ الاکبر کی روایات جو انہوں نے کچھ متاخرین کے حوالے سے پیش کی ہیں ان کے انہی احوال پر مبنی ہیں۔

ابن ابی حاتم ایک اور جگہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابوالجماہر سعید بن بشیر اور قتادہ نے کنانہ بن اخنس کے حوالے سے بیان کیا اور آخر الذکر نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے جب وہ منبر سے لوگوں کو خطاب کر رہے تھے فرماتے ہوئے سنا کہ ذی الکفل نبی نہیں تھے بلکہ ایک مرد صالح تھے جو ایک ہی شب وروز میں سات بار نماز پڑھا کرتے تھے اور اکثر لوگوں کی کفالت بھی کرتے تھے اس لیے ذی الکفل کے نام سے مشہور ہوئے۔

یہ روایت بھی ابن جریر نے عبدالرزاق کے توسط اور معمر وقتادہ کے حوالے سے بیان کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قول اس بارے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس سلسلے میں جو حدیث نبوی امام احمدؒ سے مروی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذی الکفل بنی اسرائیل میں سے تھے تاہم ان کے تمام اعمال زہد وورع پر مبنی نہیں تھے اس کے بعد آپؐ نے وہ قصہ جس میں بتایا گیا ہے کہ ذی الکفل نے سو دینار ایک عورت کو کیوں دیئے تھے تفصیل سے بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ذی الکفل کو اس قصے کی وجہ سے کبھی خطا کار نہیں ٹھہرایا تھا بلکہ جب انہوں نے وفات پائی تو صبح کو ان کے دروازے پر لکھا پایا گیا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے ذی الکفل کی مغفرت فرمادی ہے''۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے ساتھ جسے انہوں نے اعمش کے حوالے سے پیش کیا ہے اسے حدیث حسن قرار دیا ہے تاہم دوسرے راویوں نے اسے حدیث غیر مصدقہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ جس ذی الکفل کے بارے میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کی جاتی ہے وہ کوئی دوسرا ذی الکفل ہوگا جس کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں۔ واللہ اعلم

باب ۱۳

ہلاک ہونے والی امتوں کا ذکر

ہلاک ہونے والی امتیں نزول توریت سے قبل ہوئی تھیں جیسا کہ ارشاد ربانی: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى﴾ سے ثابت ہے۔

ابن جریر ابن ابی حاتم اور البزار سے عوف اعرابی کی زبانی اور ابی نضرہ وابی سعید الخدری کے حوالے سے مروی ہے کہ نزول توریت کے بعد کسی ارضی یا سماوی عذاب سے کوئی قوم اس قریہ کے علاوہ جو قطعاً مٹ کر خاک ہوگیا۔ ہلاک نہیں ہوئی۔

اس بیان کے راوی بھی اپنے اس بیان کے ثبوت میں قرآن شریف کی مندرجہ بالا آیہ شریفہ ہی پیش کرتے ہیں بلکہ البزار نے اپنی روایت میں زیادہ زور اسی آیہ کریمہ پر دیا ہے تاہم اس آیت قرآنی سے بہ تمام وکمال یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نزول توریت سے قبل بنی اسرائیل کے سوا دوسری قومیں ہلاک کر دی گئی تھیں۔

اس کے علاوہ نزولِ توریت سے قبل جن قوموں کی ہلاکت کا ذکر سورۂ ''ق'' میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ بھی صرف قوم نوح علیہ السلام' اصحاب الرس' ثمود و عاد' فرعون' اخوان لوط' اصحاب ایکہ اور ان کا کفر میں اتباع کرنے والی قومیں تھیں۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے علاوہ باقی پچھلی قومیں سب کی سب ہلاک کر دی گئی تھیں۔

اس گفتگو کے بعد سورۃ البروج سے استناد کرتے ہوئے ابن جریر کا یہ بیان کہ اصحاب الاخدود کا زمانہ اسحٰق علیہ السلام کے بعد اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا محل نظر اور قابل تردید ٹھہرتا ہے۔

پھر ابن جریر نے خود ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اصحاب الرس اہالیان قریہ ثمود میں شامل تھے۔

اس کے علاوہ حافظ کبیر ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی تاریخ کی ابتدا ہی میں بنائے دمشق کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ ابی القاسم بن عبداللہ بن جرداد کے حوالے سے کہ اس شہر کی بنیاد ڈالنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا تھا ان کا نام حنظلہ بن صفوان تھا جنہیں ان لوگوں نے (معاذ اللہ) کاذب ٹھہرا کر قتل کر دیا تھا جس کے بعد عاد ابن عوص بن ارم بن سام بن نوح اپنے بیٹے کو لے کر قریہ رس سے لوٹ آئے تھے جب کہ سورۂ احقاف کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قریہ مذکور کے اشرار کو ہلاک کر دیا تھا اور باقی سب لوگ منتشر ہو کر وہاں سے پہلے یمن چلے گئے تھے اور پھر روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیل گئے تھے آخر کار جبرون بن سعد بن عاد بن عوص بن ارم بن سام ابن نوحؑ پھر علاقہ دمشق میں وارد ہوئے اور وہاں ایک شہر بسا کر اس کا نام جیرون رکھا۔ جو بعد میں ارم ذات العماد کہلایا کیونکہ اس وقت دمشق کی عمارات کا تو ایک پتھر بھی سالم نہ رہا تھا۔ بہر کیف جیرون ہی کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے ہود بن عبداللہ بن رباح بن خالد بن خلود بن عاد کو عاد یعنی قوم عاد پر احقاف میں مبعوث فرمایا لیکن انہوں نے چونکہ انہیں کاذب ٹھہرا کر ان کی نبوت کی تردید کی اور کفر پر قائم رہے بلکہ اس سلسلے میں حد سے گزر گئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے

انہیں ہلاک کر دیا۔ یہ روایت اس بات کی مقتضی ہے کہ اصحاب الرس قوم عاد سے قبل دنیا کے مختلف شہروں میں پھیل کر مدت تک وہاں قیام کرتے رہے تھے۔ واللہ اعلم

ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق اصحاب الرس کا تعلق آذربائیجان سے تھا' وہیں ان پر نبی مبعوث ہوئے تھے اور انہوں نے انہیں ہلاک کیا تھا جہاں وہ مدفون ہیں جب کہ ثوری ابی بکر اور عکرمہ کے حوالے سے ان کی جائے فلج بتاتے ہیں نیز کہتے ہیں کہ وہی اصحاب یاسین تھے۔

ابن جریر اپنے مذکورہ بالا بیان کی آگے چل کر خود تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جن اصحاب الرس کا قرآن شریف میں ذکر ہے یہ وہ اصحاب الرس نہیں تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا تھا اور پھر انہی میں سے وہ لوگ پیدا کیے تھے جو اپنے نبی پر ایمان لائے تھے۔ اب یہ کہاں تک ممکن ہے کہ اصحاب الرس ہی اپنے آباؤ اجداد کی ہلاکت کے بعد اسی زمانے کے نبی پر ایمان لائے ہوں۔ واللہ اعلم

پھر ابن جریر نے انہی کو اصحاب الاخدود بتایا ہے۔ یہ روایت بھی اس کا پہلا بیان پیش نظر رکھتے ہوئے ضعیف ٹھہرتی ہے کیونکہ اصحاب اخدود کے لیے تو قرآن شریف کے مطابق عذابِ آخرت کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ان کی ہلاکت کا کہیں ذکر نہیں ہے جب کہ اصحاب الرس کی ہلاکت کا صریحی ذکر قرآن میں موجود ہے۔ واللہ اعلم
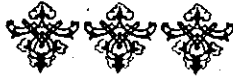
قصہ قوم یٰسین جو اصحابُ القریہ واصحابِ یٰسین تھے

ان اصحاب قریہ کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ''ہم نے ان پر پہلے اپنے دو رسول اتارے لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی۔ پھر ہم نے ان پر اپنا تیسرا رسول اتارا لیکن انہوں نے انہیں بھی (معاذ اللہ) کاذب ٹھہراتے ہوئے کہا کہ تم ہماری طرح کے انسان ہو۔ وہ لاکھ کہتے رہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے لیکن ہماری ذمہ داری صرف تمہیں اس کا صرف صاف صاف پیغام پہنچانا ہے''۔

اس کے بعد جیسا کہ قرآن شریف کی آیاتِ متعلقہ سے ظاہر ہوتا ہے کسی اور شہر سے ایک شخص آیا اور انہیں بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہاں بھیجے ہوئے نبی کی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انعاماتِ خداوندی کا مستحق ٹھہرا ہے لیکن ان اصحاب قریہ نے اس کی بھی ایک نہ سنی اور کفر وضلالت میں مبتلا رہے۔ اس لیے آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل وخوار اور تباہ کر دیا۔

اکثر اسلاف واخلاف کے بیانات کے مطابق قریہ انطاکیہ تھا۔ ابن اسحٰق سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کعب الاحبار اور وہب بن منبہ کے حوالے سے یہی مروی ہے۔

ابن اسحٰق نے بریدہ بن الحصیب، عکرمہ، قتادہ اور زہری وغیرہ کے حوالے سے بھی یہی اس قریہ کا نام یہی بتا کر مزید بتایا ہے کہ اس قریہ کے حکمران کا نام انطیخس بن انطیخس تھا، وہ بتوں کو پوجتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے اور اس کی قوم کے لیے یکے بعد دیگرے تین انبیاء صادق وصدوق[1] اور شلوم مبعوث فرمائے لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ تینوں حضرات اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نبی ہی تھے لیکن قتادہ کا خیال ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام کے حواری تھے۔ یہی بات ابن جریر نے وہب بن سلیمان اور شعیب جبائی کے حوالے سے بتائی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان حواریوں کے نام شمعون ویوحنا اور بولس بتائے ہیں لیکن قریہ کا نام انطاکیہ ہی لکھا ہے تاہم یہ قول قطعاً ضعیف ہے کیونکہ اہل انطاکیہ کی طرف مسیح علیہ السلام نے اپنے جو تین حواری بھیجے تھے وہ ان کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے اور انطاکیہ اس وقت ان چار قریوں میں سے ایک تھا جہاں نصاریٰ آباد تھے۔ یہ چار قریے انطاکیہ، قوس، اسکندریہ اور رومیہ تھے اور نصرانی پہلے ان چاروں قریوں میں آباد تھے جس کے بعد وہ قسطنطنیہ منتقل ہو گئے تھے لیکن ان چار قصبوں کے مکینوں میں سے کوئی بھی ہلاک نہیں ہوا تھا جب کہ قرآن میں جس قریہ کا ذکر آیا ہے اس کے تمام باشندے ہلاک ہو گئے تھے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس بھیجے

---

[1] ایک نسخے میں مصدوق لکھا ہے۔ (مرتب)

ہے ان تینوں سچے پیغمبروں کو قتل کر دیا تھا۔

بہر کیف اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جن اہل انطاکیہ کا قرآن میں ذکر ہے وہ قدیم انطاکیہ تھا جس کے باشندے ہلاک کر دیئے تھے اور اس کے بعد ظہور مسیح علیہ السلام کے وقت وہ قریہ پھر آباد ہو گیا تھا اور اس کے باشندے مسیح علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے تو ان راویوں کی بیان کردہ روایات کو تسلیم کرنے میں بھی کوئی ہرج نہیں کیونکہ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے۔ واللہ اعلم

البتہ ان روایات میں جن مذکورہ بالا اصحاب کو بھی مسیح علیہ السلام کا حواری بتایا گیا وہ اس لیے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ انہیں قرآن شریف میں صاف صاف انبیائے مرسلین بیان کیا گیا ہے ﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا الخ ﴾ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے (ان) اہل قریہ پر یکے بعد دیگرے تین انبیائے مرسلین اتارے تھے۔ الخ

ابن اسحٰق نے اپنے بعض معاصرین کے علاوہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہی لوگوں نے خود حضرت مسیح علیہ السلام کو رجم کیا تھا یا صلیب پر چڑھایا تھا اور پھر اس قصبے سے نکل بھاگے تھے۔

اس کے علاوہ طبرانی نے حسین اشقری کی زبانی سفیان بن عیینہ ابن ابی نجیح مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے جو حدیث نبوی روایت کی ہے اور اس میں بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے حواری یوشع کو عیسیٰ علیہ السلام کے حواری صاحب یٰسین کو اور خود اپنے حواری حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بیان فرمایا صرف محل نظر ہی نہیں بلکہ صریحاً بعید از قیاس ہے۔

قصہ یونس علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا:

''تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا' ہاں یونس کی قوم کہ جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیاوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا''۔(۱۰:۹۸)

پھر سورۂ انبیاء میں ارشاد ہوا:

''اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر غصے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پا سکیں گے آخر اندھیرے میں (خدا کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں' تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات بخشی۔ اور ایمان والوں کو ہم اس طرح نجات دیا کرتے ہیں''۔(۲۱:۸۶۔۸۷)

سورۂ والصافات میں ارشاد ہوا:

''اور یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے۔ اس وقت قرعہ ڈالا تو انہوں نے زک اٹھائی۔ پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ (قابل) ملامت (کام) کرنے والے تھے۔ پھر اگر وہ (خدا کی) پاکی بیان نہ کرتے تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے (اسی کے پیٹ میں رہتے) پھر ہم نے ان کو جب کہ وہ بیمار تھے فراخ میدان میں ڈال دیا۔ اور ان پر کدو کا درخت لگایا۔ اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا۔ تو وہ ایمان لے آئے سو ہم بھی ان کو (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدے دیتے رہے''۔(۳۷:۱۳۹۔۱۴۸)

پھر سورۂ نون (قلم) میں ارشاد ہوا:

''تو اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیے رہو اور مچھلی (کا لقمہ ہونے) والے (یونس) کی طرح نہ ہونا کہ انہوں نے (خدا کو) پکارا اور (غم و) غصے میں بھرے ہوئے تھے' اگر تمہارے پروردگار کی مہربانی ان کی یاوری نہ کرتی تو وہ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا۔ پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کر کے نیکوکاروں میں شامل کر لیا''۔(۶۸:۴۸۔۵۰)

اہل تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو سرزمین موصل میں اہل نینوا کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا لیکن وہ

اپنے کفر و سرکشی پر ڈٹے رہے۔ البتہ جب ان کے ان اعمالِ قبیحہ کو مدت گزر گئی تو (آخر کار) ان پر عیب سے عذاب نازل کیا گیا۔ یونس نے بھی انہیں تین سال بعد نزول عذاب کے بارے میں تنبیہاً اطلاع دی تھی۔

ابن مسعودؓ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، قتادہ اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے اسلاف و اخلاف نے بیان کیا ہے کہ جب ان لوگوں کو غیب کے عذاب نے آ گھیرا اور انہیں اس کا یقین ہو گیا تو وہ توبہ تلا کرنے لگے اور جو سلوک انہوں نے اپنے نبی کے ساتھ کیا تھا اس پر نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنے تمام مویشیوں کی قربانی دے ڈالی اور ان کے مرد و زن سب خدا کے حضور رونے گڑگڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان پر سے وہ عذاب دور فرما دیا اور ارشاد فرمایا:

﴿ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا ﴾

پھر ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴾

پھر ارشاد ہوا:

﴿ إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴾

یعنی جب قوم یونس ایمان لے آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ذلت کا وہ عذاب دور فرما کر انہیں ان کی دنیاوی زندگی میں پھر مال و منال عطا فرما دیا۔

بہرکیف اس کے بارے میں اہل تفاسیر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس آیہ کریمہ میں اس قوم پر اس کے ایمان لانے پر جو اسے نعمتیں عطا فرمائیں اور اس سے انعام مزید کا وعدہ فرمایا تو اس میں انعام اخروی شامل ہے یا نہیں۔ تاہم ہمارے نزدیک اس آیت قرآنی میں ''لما آمنوا'' کے بعد متاع الی حین سے مراد دنیا میں انہیں انعام و اکرام سے سرفرازی کے علاوہ عذاب اخروی سے بھی ان کی نجات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

اہل تفاسیر میں اس بارے میں بھی باہم اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کتنے دن تک رہے تھے۔

سعید بن ابوالحسن اور ابو مالک نے اس سلسلے میں چالیس دن کی تعداد متعین کی ہے لیکن واللہ اعلم کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں پورے چالیس دن رہے یا اس سے کچھ کم و بیش عرصے تک رہے بہرکیف اس بات پر سب متفق ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے غم و غصہ کی معافی طلب کرتے ہوئے یہ قرآنی آیت:

﴿ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴾

بار بار پڑھ کر اس سے دعا کی تھی۔

ابو خالد نے کہا ہے کہ غالباً انہوں نے مصعب یعنی ابن سعد سے سعد کے حوالے سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے یونس کی طرح دعا کی اس کی دعا (ضرور) قبول ہوئی''۔

یونس علیہ السلام کے فضائل:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یونس کی تصدیق یوں فرمائی: ﴿وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء اور سورۂ انعام میں جن دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرماتے ہوئے ان پر اپنے انعام کا ذکر فرمایا ہے ان میں حضرت یونس علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے وکیع اور سفیان نے اعمش، ابی وائل اور عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''کسی بندے کے لیے یہ مناسب نہیں ہے (یعنی اس کا یہ منصب نہیں ہے) کہ وہ اپنے آپ کو یونس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر بتائے''۔

یہ روایت حدیث بخاریؒ نے بھی سفیان ثوری کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر متعدد ثقہ راویوں سے یہ حدیث نبوی مروی ہے۔

بخاریؒ نے اپنے ہاں یہ بھی کہا ہے کہ ''میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی فرد واحد یونس بن متی سے بہتر ہے''۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی شخص کے لیے یہ بات اچھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اپنی ذات کو یونس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر قرار دے۔ تاہم حرف آخر اس سلسلے میں مندرجہ بالا حدیث نبوی (ﷺ) ہی ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے بعض احادیث نبوی کے مطابق انبیاء پر اپنی ذات کو فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے تاہم یہ تمام احادیث نبوی آپ کی منکسر المزاجی اور اخلاق حسنہ کی بین دلیل ہیں۔

قصہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام کا پورا نام موسیٰ بن عمران بن قاہث بن عارز بن لاوی بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام) ہے۔ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی کئی سورتوں میں کہیں تفصیل سے اور کہیں مختصراً ارشاد فرمایا ہے۔ہم ان کا قصہ قرآن وسنت اوران کے بارے میں اسرائیلات میں جو کچھ منقول ہے اس کے حوالے اور دیگر اسلاف واخلاف کے بیانات کے حوالوں سے آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ قصص میں ارشاد فرمایا: ﴿بسم الله الرحمن الرحيم طسم﴾ ''یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں (اے محمدؐ) ہم تمہیں موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات مومن لوگوں کو سنانے کے لیے صحیح صحیح سناتے ہیں کہ فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا بے شک وہ مفسدوں میں تھا۔اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں۔اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھادیں جس سے وہ ڈرتے تھے''۔(۲۸:۱-۶)

اللہ تعالیٰ نے قصہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ ملخص بیان فرمانے کے بعد اسے مفصلاً بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نے اپنے نبی (محمدؐ) کو فرعون و موسیٰ کا قصہ (تفصیل سے) اس لیے سنایا ہے تا کہ دوسرے سننے والوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔جن لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ''اس نے انہیں اس حد تک کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا''۔وہ بنی اسرائیل یعنی اللہ کے نبی یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ (علیہم السلام) کے سلسلہ نسب سے تعلق رکھتے تھے اور اس زمانے میں دنیا کے ممتاز ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے لیکن فرعون نے انہیں ملک کے ادنیٰ ترین لوگ بنانے کی کوشش میں ان کے بیٹوں کو قتل کرنا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھنا شروع کر دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بنی اسرائیل کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ نسب سے ہے اور اسے خدشہ تھا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی اٹھ کر اسے ہلاک کر کے اس کے ملک واقتدار کو اس سے چھین لے گا اور خدا بہتر جانتا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو اس سے قبل مصر سے شاید اسی وجہ سے نکالا ہو' بہر کیف اللہ تعالیٰ نے ان کی آبرو کی حفاظت فرمائی تھی۔اس کے علاوہ خود بنی اسرائیل میں یہ بشارت خداوندی مشہور چلی آ رہی تھی کہ انہی میں سے کوئی فرعون کا تختہ اُلٹے گا اور یہی بات فرعون کے امراء اور اس کے قرابتداروں نے اس کے دل میں بٹھا دی تھی جس کی وجہ سے اس نے بنی اسرائیل کے مردوں اور بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

السدی نے ابی صالح' ابی مالک' ابن عباس' مرہ' ابن مسعود اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کئی لوگوں کے حوالے سے بیان کیا ہے

کہ فرعون نے خواب میں بیت المقدس کی طرف سے آ گ آتے دیکھی تھی جس نے قبط سمیت سارے مصر کو جلا کر بھسم کر ڈالا تھا لیکن اس آ گ سے محفوظ رہنے والے اگر کوئی تھے تو وہ بنی اسرائیل تھے۔

اس خواب کو دیکھنے کے بعد اس نے اپنے کاہنوں' نجومیوں اور جادوگروں کو طلب کر کے ان سے اس بلائے عظیم سے محفوظ رہنے کی کوئی تدبیر جاننا چاہی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ بنی اسرائیل ہی میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو اس کے ملک اور تخت و تاج کو تہس نہس کر دے گا۔ اس کے بعد ہی فرعون نے بنی اسرائیل کی ساری اولا دنرینہ اور نومولود لڑکوں تک کو قتل کرانا شروع کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ قصہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ اس لیے اس نے چاہا وہ کمزوروں کو زبردستوں کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر انہی کو ان پر غالب کر دے اور ان ستم گروں اور ظالموں کے جنت نما باغ و عمارات اور خزانے وغیرہ ان سے چھین کر کے سب بنی اسرائیل کے قبضے میں دے دے۔

ہم ان واقعات کو آگے چل کر ان شاء اللہ حسب موقع تفصیل سے بیان کریں گے۔ بہر کیف جیسا کہ کچھ اہل تفسیر وغیرہ نے بیان کیا ہے' جب کچھ اہل قبط نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کی تعداد مصر میں کم سے کمتر ہوتی چلی جارہی ہے تو انہیں شک گزرا کہ فرعون ان کے لڑکوں اور بچوں کو قتل کرا رہا ہے چنانچہ انہوں نے مخفی طور پر بنی اسرائیل کو مشورہ دیا کہ آئندہ ان کے ہاں جب کوئی لڑکا پیدا ہو تو اس کو تابوت نما کسی ٹوکری میں لٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا کریں لیکن اس کے ساتھ ایک لمبی رسی باندھ دیا کریں تا کہ وہ (قبطی) اس رسی کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے اپنی طرف لے آیا کریں اور ان کے بچوں کی حفاظت کیا کریں۔ اس طرح ان کے نومولود لڑکے فرعون کے ہاتھوں قتل سے بچ جایا کریں گے اور فرعون کو شبہ بھی نہیں گزرے گا۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے شکریے کے ساتھ ان اہل قبط کے اس مشورے پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا اور اسی زمانے میں بنی اسرائیل میں موسیٰ و ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی پیدائش کا خدا کی قدرت سے فرعون کو علم نہ ہو سکا اور اہل قبط انہیں مذکورہ مد سے اپنے ہاں لے گئے۔

ادھر چونکہ فرعون کے خود کوئی اولا دنرینہ نہیں تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوی کو القا فرمایا کہ وہ فرعون سے کہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ کہیں اور سے کوئی نومولود لڑکا حاصل کر کے اسے لا دے تا کہ وہ اولاد کی محرومی سے نجات پا سکے۔ چنانچہ فرعون جب اس بات پر رضامند ہو گیا کہ اس کی بیوی اہل قبط کے کسی بچے کو گود لے سکتی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جو اس زمانے میں فرعون کی بیوی کی خدمت پر مامور تھیں اس سے کہا کہ وہ قبطیوں میں سے کوئی نومولود بچہ اسے لا کر دے سکتی ہیں یا خود فرعون کی بیوی نے ان سے اس بات کی خواہش کی اور اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل ہی میں آغوش مادر میں پہنچ گئے کیونکہ اس کی بیوی نے اس گود لیے ہوئے نومولود بچے کو دودھ پلانے کا کام بھی انہی کے سپرد کر دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انہیں مذکورہ طریقے سے دریائے نیل میں ڈالا تھا تو ان کی تابوت نما ٹوکری دریائے نیل میں قدرت خداوندی سے اس طرف پلٹ آئی جہاں سے دریا نیل سے نکالی گئی ایک نہر فرعون کے محل میں آتی تھی اور وہ اس نہر میں بہتی ہوئی فرعون کے محل میں پہنچی جس پر سب سے پہلے فرعون کی بیوی ہی کی نظر پڑی اور جب اس نے اسے کھول کر دیکھا تو اسے اس میں ایک جیتا جاگتا بچہ نظر آیا جسے دیکھ کر وہ نہال ہو گئی اور اسے اپنے معبودوں کی عطا سمجھا اور فرعون سے

اس کی پرورش کی اجازت طلب کی۔

فرعون نے سینکڑوں شبہات ظاہر کر کے اپنی بیوی کو ہر چند منع کیا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہی اس لیے فرعون کو چارو ناچار اس کے سامنے سپر انداز ہونا پڑا نیز یہ کہ اسے اس بات پر بھی کچھ زیادہ اعتراض نہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہی جنہیں وہ اپنی بیوی کی پیش خدمت ہی سمجھتا تھا انہیں دودھ پلائیں یعنی ان کی قابلہ مقرر کی جائیں۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہر وقت اس اندیشے میں گھری رہتی تھیں کہ کہیں ان کا راز فاش نہ ہو جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ اطمینان دلایا اور انہیں بتایا کہ ان کے بیٹے کو اس نے نبوت سے سرفراز فرمانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ہی بچے کو بطور قابلہ دودھ پلانے لگیں۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان تھا۔

کچھ دوسروں کے علاوہ یہ روایت ابن الحسن اشعری کی ہے۔

سہیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ایارخا بتایا ہے جب کہ کچھ دوسرے راوی ان کا نام ایاذخت[1] بتاتے ہیں اور فرعون کی بیوی کا پورا نام آسیہ بنت مزاحم بن عبید بن ریان بن ولید بتاتے ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں فرعون مصر تھا۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل ہی سے تھی بلکہ کچھ لوگ تو اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی تک بتاتے ہیں یہ حکایت سہیلی کی بیان کردہ ہے۔ واللہ اعلم

فرعون کی بیوی آسیہ کا مزید قصہ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حضرت مریم بنت عمران والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے کے ساتھ بیان کریں گے۔ ویسے وہ دونوں معتبر روایات کے مطابق جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ ہوں گی۔

کئی دیگر آیاتِ قرآنی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انہیں دریا میں ڈالا تھا اور وہ اس لیے خوفزدہ تھیں کہ کہیں وہ کسی دشمن کے ہاتھ نہ پڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تب ہی وحی کے ذریعہ ان کی سلامتی کی اطلاع دی تاکہ وہ رنجیدہ نہ ہوں نیز ان کی رسالت کی خبر بھی دے دی تھی اور پھر انہیں ان کی آغوش میں پہنچا دیا تھا تاکہ ان کے دل کو قرار آ جائے اور وہ مایوس نہ ہوں۔ یہ آیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی بشارت پر دلالت کرتی ہیں۔ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر اس سلسلے میں حسب موقع حدیثِ فتون بھی پیش کریں گے۔

بہر کیف حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پل بڑھ کر جوان ہوئے تو ان کی شکل وصورت اور وجاہت قابل دید تھی اور تمام اہل مصر ان کی عزت وحرمت کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کو معلوم تھا کہ وہ انہیں میں سے ہیں۔ اس لیے ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور انہیں حد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ دوسرے لوگ اس وجہ سے ان کی عزت کرتے تھے کہ وہ فرعون کے متبنّیٰ تھے اور ان

---

[1] تفسیر قرطبی میں ان کا نام ثعلبی کے حوالے سے لوخا بنت هانذ بن لاوا بن یعقوب بتایا گیا ہے جب کہ بعض تفاسیر میں یوحانذ (عربی تلفظ یوحانذ) بتایا گیا ہے۔

کے قصر میں مقیم تھے۔

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ جیسا قرآن واحادیث اور مؤرخین کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی زمانے میں کہیں تشریف لیے جا رہے تھے تو انہوں نے دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے دیکھا۔ ان میں سے ایک قبطی اور دوسرا بنی اسرائیل میں سے تھا۔ انہوں نے انہیں سمجھانے اور لڑائی سے باز آنے کے لیے کہا لیکن وہ نہ مانے بلکہ اور تیزی سے لڑنے لگے۔ چونکہ وہ شخص جس کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا کمزور پڑ رہا تھا اور قبطی اس پر حاوی آنے والا تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کے ایک مکہ مار کر اسے دوسرے کمزور شخص سے الگ ہٹانا چاہا لیکن جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے' ان کا مکہ کچھ ایسا سخت تھا کہ وہ شخص یعنی وہ قبطی اس وقت زمین پر گر کر مر گیا۔

چونکہ اس واقعے کے بارے میں سارے شہر میں شور مچ گیا اور شدہ شدہ اس کی خبر فرعون کو بھی ہوگئی بلکہ تمام قبطی اس کے پاس فریاد لے کر پہنچنے لگے اور ان کے ساتھ دوسرے کفار بھی ہو گئے بلکہ فرعون کے اہل دربار بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا کر کہنے لگے کہ انہوں نے پہلے ہی فرعون کو آگاہ کر دیا تھا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر مصر کی تباہی کا باعث ہوگا جس کی تصدیق بڑے بڑے کاہنوں' نجومیوں اور جادوگروں نے بھی کی۔ لیکن انہوں نے ان کا کہنا نہ مان کر سخت غلطی کی تھی اور اسے قتل نہ کیا تھا اسی لیے اب یہ حادثہ پیش آیا ہے اور ابھی کیا ہے آگے چل کر یہ نوجوان نہ جانے کیا غضب ڈھائے گا۔ اس لیے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش کے لیے اِدھر اُدھر لوگ دوڑا دیئے۔

اُدھر جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون جیسے ظالم کے خوف سے جو پہلے ہی ان سے خوش نہ تھا اپنی جان بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اپنی اس بلا ارادہ خطا پر معافی چاہنے اور اس سے دعا کرنے لگے تو اس نے انہیں تسلی دی جس کے بعد وہ مصر سے جدھر منہ اٹھا چل دیئے اور چلتے چلتے مدین جا پہنچے وہاں انہوں نے لوگوں کو ایک کنویں سے پانی نکالتے دیکھا لیکن دو لڑکیاں ان سے الگ ایک طرف ملول کھڑی تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں سے اس کا سبب پوچھا تو وہ بولیں کہ ان کا باپ ضعیف ہے اس لیے کنویں تک آ نہیں سکتا اور لوگ انہیں پانی بھرنے نہیں دیتے۔

ان لڑکیوں سے یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے کنویں سے پانی نکالنا چاہا تو دوسرے لوگ ان سے لڑنے جھگڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قریب سے ایک پتھر اٹھا کر جسے' جیسا کہ کہا جاتا ہے' دس افراد بھی مل کر مشکل سے اٹھا سکتے تھے کنویں کے منہ پر رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ بہت حیران ہوئے اور انہیں ان لڑکیوں کے لیے کنویں سے پانی نکالنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ پتھر کنویں سے اٹھا کر ان دونوں لڑکیوں سے کہا کہ وہ پانی کنویں سے نکال لیں بلکہ خود ان کی ضرورت کے مطابق کنویں سے پانی نکال کر انہیں دے دیا اور خود ایک سایہ دار درخت کے نیچے جا بیٹھے۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین تک آتے آتے صرف کھیتوں سے پھلیاں لے کر یا درختوں کے پتوں پر گزارہ

کرتے آئے تھے اس لیے حد درجہ نڈھال اور کمزور ہو گئے تھے اس لیے اس درخت کے نیچے لیٹ گئے۔

ادھر مذکورہ بالا لڑکیوں نے اپنے ضعیف باپ کو سارا قصہ سنا کر کہا کہ جس نوجوان نے انہیں کنویں سے پانی نکال کر دیا ہے کیوں نہ اسے پانی لانے اور ان کے بھیڑ بکریوں کے گلے کو چرانے پر نوکر رکھ لیا جائے کیونکہ ان کا کوئی بھائی نہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ دقت پیش آ رہی تھی۔

باپ سے اس گفتگو کے بعد اور اسے اس پر رضامند دیکھ کر وہ لڑکیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں اور انہیں بلا کر اپنے باپ کے پاس لے گئیں۔ اس نے ان سے اپنے مذکورہ کام کی ماہانہ اجرت پوچھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام سوچ میں پڑ گئے تو اس بزرگ نے خود ہی ان سے کہا کہ اگر وہ چاہیں تو وہ ان سے ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کی شادی کر دے گا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے۔

بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ایک لڑکی سے شادی کر کے اس مرد بزرگ کی دس سال تک جیسا کہ معاہدہ ہوا تھا' طے شدہ خدمت انجام دی۔ بعض دوسری روایات میں اس مدت کو بیس سال بتایا گیا ہے۔

روایات میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بزرگ کی کس لڑکی سے شادی کی تھی۔ بعض روایات میں اسے ''بڑی لڑکی'' اور وفادار و خدمت گزار بتایا ہے جب کہ کچھ دوسرے راوی اسے چھوٹی لڑکی بتاتے ہیں بلکہ اسے سب سے چھوٹی لڑکی بتا کر یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس مرد کی سات لڑکیاں تھیں لیکن یہ روایات اس لیے محل نظر ہیں کہ اگر وہ سب سات بہنیں تھیں تو ان دو لڑکیوں کے علاوہ جوان کی پانچ بہنیں اور تھیں تو وہ ان کے ساتھ پانی بھرنے کیوں نہیں آئی تھیں۔

بعض روایات میں بتایا گیا ہے کہ ان لڑکیوں کے باپ درحقیقت حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جنہوں نے بہت طویل عمر پائی تھی جب کہ کچھ دوسری روایات میں اس مرد بزرگ کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھتیجا اور کچھ میں انہیں ان کا پھوپھی زاد بھائی بتایا گیا ہے۔

بہرکیف' جیسا کہ قرآن پاک کی مختلف سورتوں کی آیات شریفہ' احادیث نبوی اور متعدد مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے' جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس مرد بزرگ یعنی اپنے خسر سے بیس سال بعد رخصت ہونے لگے تو اس نے انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ماموں اور ان کے خسر لابان کی طرح تو انہوں نے بھی ان کی خدمات' نیکی اور خوش اخلاقی سے خوش ہو کر انہیں اپنی بھیڑ بکریوں کے گلے سے معتدبہ حصہ دے دیا تھا اور وہ مدین سے جب مصر واپسی کے ارادے سے اس طرف چلے تو ان کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی اور جب وہ مصر کے قریب پہنچے تو رات کا وقت تھا' سردی حد درجہ پڑ رہی تھی اور رات بھی اندھیری تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے باہر پڑاؤ ڈالا تو انہیں آگ کی ضرورت ہوئی۔ انہوں نے دیکھا کہ اس ویران علاقے کے

مغربی جانب اور قبلہ رُخ حصے میں جسے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ''طویٰ'' کے نام سے یاد فرمایا ہے ایک پہاڑی پر جسے طور کہا جاتا ہے آگ روشن ہے انہیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کیونکہ وہاں آبادی کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔ تاہم وہ اللہ کا نام ونشان نہ تھا۔ تاہم وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس طرف چل دیئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس پہاڑی کے جس حصے پر انہیں آگ نظر آئی تھی وہاں ایک سرسبز جھاڑی ہے جو روشنی سے منور ہو رہی ہے۔

ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر اپنی حیرت پر قابو نہ پاسکے تھے کہ اس جھاڑی سے جو بقعہ نور بنی ہوئی تھی آواز آئی:

﴿ يَا مُوْسٰى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ (سورہ نمل)

اس کے علاوہ جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے بعد یہ آواز سنائی دی:

﴿ يَا مُوْسٰى اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى. وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ اِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَتَرْدٰى ﴾

''موسیٰ میں تو تمہارا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دو۔ تم (یہاں) پاک میدان (یعنی) طویٰ میں ہو۔ اور میں نے تم کو انتخاب کر لیا ہے تو جو حکم دیا جائے اسے سنو۔ بے شک میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے۔ تو جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے (کہیں) تم کو اس (کے یقین) سے روک نہ دے تو (اس صورت میں) تم ہلاک ہو جاؤ''۔ (۲۰: ۱۱-۱۶)

متقدمین ومتاخرین مفسرین میں سے اکثر نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس آگ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو اس کے قریب پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ وہ آگ ایک سرسبز درخت کے نیچے جل رہی ہے جس سے وہ سارا درخت بقعہ نور بنا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ حیرت سے وہیں ٹھٹک گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آواز دے کر فرمایا کہ وہ وادیٔ وادی مقدس طویٰ ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام قبلہ رُخ کھڑے تھے اور وہ درخت ان کی داہنی جانب سے مغرب میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جوتیاں اتارنے کا جو حکم دیا تھا وہ اس شجر مبارکہ اور اس میں نور کی تعظیم وتکریم کے لیے تھا کہ اس جیسی آگ اس اندھیری رات میں کہیں دور دور تک نہ تھی۔

اہل کتاب کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو آگ دیکھی تھی وہ اتنی خیرہ کن تھی کہ انہوں نے اپنا چہرہ ایک طرف کر کے اپنی آنکھوں پر اس لیے ہاتھ رکھ لیے تھے کہ کہیں ان کی بصارت زائل نہ ہو جائے۔

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی احدیت ومعبودیت کا اظہار فرما کر انہیں اپنی عبادت اور ذکر کی تاکید فرمائی تھی نیز یہ فرمایا کہ قیامت ضرور آئے گی جس کے لیے بنی آدم کو تیار رہنا چاہیے اور اپنے اعمال حکم الٰہی کے مطابق رکھنے چاہئیں تاکہ انہیں ان کے مطابق ان کی جزا ملے۔

ان بیانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شب کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری کے لیے منتخب کر کے انہیں اس عہدہ جلیلہ سے سرفراز فرما دیا تھا۔

بہر کیف جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچے تو ان کی آمد کی خبر سن کر بنی اسرائیل جوق در جوق ان کے استقبال کے لیے اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور انہیں بڑے تزک و احتشام سے لے گئے۔

ادھر جب فرعون کو یہ اطلاع ہوئی تو وہ سخت پیچ و تاب میں مبتلا ہو گیا لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم دے کر اسے کسی بڑے انقلاب کا اندیشہ تھا اس لیے اس نے ان سے نجات حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ اختیار کیا۔

پہلے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نمرود کی طرح اپنے دربار میں بلا کر حتی الامکان انہیں بھی اصنام و نجوم پرستی پر مائل کرنے کی کوشش کی لیکن جب انہوں نے اسے خدائے واحد و علیم و حکیم و خبیر کی پرستش کی ہدایت کرتے ہوئے اسے بتایا کہ معبود حقیقی صرف وہ خدائے واحد ہے جس نے زمین و آسمان، چاند، ستارے اور ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ ارشادات سن کر فرعون آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے مصر کے ان تمام جادوگروں کو جن کی ساحرانہ صلاحیتوں کا اس زمانے میں بڑا شہرہ تھا بلا کر حکم دیا کہ وہ اس کے زور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کر دیں۔

ان جادوگروں کی تعداد کے بارے میں راویوں میں اختلافات ہیں۔ کسی نے ان کی تعداد اسی ہزار، کسی نے ستر ہزار، کسی نے چالیس ہزار یا تیس ہزار اور کسی نے صرف چند سو بلکہ اس سے بھی کم بتائی ہے۔

بہر کیف جب وہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جمع ہوئے تو انہوں نے پہلے اپنے جادو سے سانپ بنا کر ان کے سامنے چھوڑے لیکن جیسا کہ آیہ قرآنی سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنا عصا ان سانپوں کے سامنے ڈال دیں اور جب انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جادوگروں کے تخلیق کردہ سانپوں کے سامنے اسے زمین پر ڈالا تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک خوفناک اژدھا بن گیا اور پھر وہ ہر طرف مڑ مڑ کر ان جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا۔

غرض اسی طرح ان جادوگروں نے اپنے اپنے جادو کے طرح طرح سے کرشمے دکھائے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس کے بندے اور رسول برحق کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور وہ بے بس ہو کر رہ گئے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا عصا زمین سے اٹھاتے ہوئے ڈر لگا کیونکہ وہ ایک حد درجہ دہشت ناک اژدہے کی شکل میں ہر طرف پھنکار رہا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے دوبارہ زمین سے اٹھا کر ہاتھ میں لیا تو وہ پہلے ہی جیسا پھر عصا بن گیا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنا داہنا ہاتھ جیب میں ڈال کر باہر نکالیں اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں اپنا ہاتھ جیب میں ڈال کر باہر نکالا تو ان کے اس ہاتھ کی ہتھیلی چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا جو ''ید بیضا'' کے نام

سے آج تک مشہور ہے۔ وہ جب چاہے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالتے اور پھر اسے باہر نکالتے تو ان کی ہتھیلی ہمیشہ چاندنی طرح روشن ہوئی تھی۔

فرعون نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو بہت بڑا جادو ٹھہرایا تھا' لیکن جیسا کہ خود قرآنی آیات سے ثابت ہے اس کے تمام جادوگران پر اپنے ہر جادو کو ناکام پا کر اور اپنی جان کے خوف سے سب کے سب بیک وقت سجدے میں گر کر پکارنے لگے تھے کہ ہم ''موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کے خدا پر ایمان لے آئے ہیں''۔

فرعون نے اپنے جادوگروں کو ہر چند ملامت کی اور ڈرایا دھمکایا بھی لیکن اس کے بعد وہ اس کی کسی بات پر عمل کرنے اور اس کے کسی حکم کی تعمیل کے لیے تیار نہ ہوئے بلکہ اس کے کچھ امراء و وزراء بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خائف ہو گئے۔

اس سے قبل جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا اور فرمایا تھا کہ وہ گمراہ ہے ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾ اور اس کی ہدایت کا حکم دیا تھا تو انہیں سات معجزات عطا فرمائے تھے اور ان کی مدد کے لیے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ سبحان میں ذکر فرمایا ہے۔

سعید بن جبیر' عکرمہ' قاسم بن ابی بردہ' اوزاعی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب فرعون کے جادوگروں نے سجدہ میں گر کر خدا کی عظمت و وحدانیت کا اقرار کیا تھا تو انہوں نے سجدے میں رہتے ہوئے جنت میں اپنے اپنے اعلیٰ مقامات دیکھ لیے تھے اس لیے انہوں نے اس کے بعد فرعون کے احکام کی تعمیل سے صاف صاف انکار کر دیا تھا۔ البتہ یہ بات کہ فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم دیا تھا محل نظر اور خلافِ قیاس ہے۔ تاہم اس نے ان پر ظلم کی انتہا کر دی تھی بلکہ ان میں سے بہتوں کو قتل بھی کرا دیا تھا اور جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور عبید بن عمیر سے مروی ہے انہوں نے مرتے وقت صبر و استقامت اور ایمان پر قائم رہنے اور اپنی وفات مسلمانوں کی حیثیت سے ہونے کی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی جیسا کہ آیت قرآنی ﴿رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴾ سے ثابت ہے۔

اس کے علاوہ فرعون نے بنی اسرائیل پر بھی ظلم و ستم کی انتہا کر دی' انہیں رات دن زیادہ سے زیادہ قتل کرنے لگا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو فرعون کے شر سے محفوظ رکھا اور وہ اپنی قوم کو صبر و استقامت کی تلقین فرماتے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

اور ان کی قوم نے بھی ایمان اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے دکھا دیا۔

قارون بنی اسرائیل میں سے تھا اور اس کے پاس مال و زر کی انتہا تھی لیکن وہ اس خوف سے کہ فرعون اس سے اس کا سب کچھ نہ چھین لے فرعون کے ساتھ ملا رہا۔ اس کا حال ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع تفصیل سے بیان کریں گے۔

فرعون جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مصر کا بادشاہ اور ہامان اس کا وزیر تھا۔ یہ دونوں تو اپنی اپنی جگہ ظلم وتشدد کے پہلے تھے ہی فرعون کے درباری اور قرابت دار' ظلم وستم میں فرعون کی بیوی کے سوا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے ان دونوں سے بھی چار قدم آگے تھے کیونکہ فرعون نے انہیں یقین دلا رکھا تھا کہ آخر کار وہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سمیت بنی اسرائیل پر غالب رہے گا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے اہل مصر واہل قبط پر ان کے کفر اور ظلم وستم پر عذاب نازل کیا یعنی ان کی کھیتیاں سوکھ گئیں' ان کے اشجار پھلوں سے خالی رہنے لگے اور ان پر یکے بعد دیگرے دوسرے مصائب نازل ہونے لگے تو فرعون نے کہا کہ وہ سب کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی (نعوذ باللہ) نحوست کی وجہ سے تھا اور اس نے بنی اسرائیل پر ظلم وتشدد میں اور اضافہ کر دیا۔

آخر کار خدائے واحد وقہار کا غضب جوش میں آیا اور پھر فرعون اور اس کے حواریوں پر کیا گزری ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

فرعون وجنودِ فرعون کی ہلاکت

جب مصر کے قبطی صرف تین افراد کے علاوہ جن میں فرعون کی بیوی بھی شامل تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایات سننے اوران کے معجزات دیکھنے کے باوجود فرعون اور اس کے حواریوں ہامان وغیرہ کی ہاں میں ہاں ملانے اور انہی کی طرح کفر وضلالت پر کمربستہ رہے حالانکہ نہ وہ ایمان لانے والے جادوگروں کے علاوہ جادوگر تھے نہ آل فرعون میں شامل تھے تو شہر کے قرب وجوار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک شخص آیا اوران سے عرض کیا کہ وہ وہاں سے اپنے ساتھیوں یعنی بنی اسرائیل کو لے کر نکل جائیں ورنہ جیسا کہ اسے معلوم ہوا ہے' فرعون نہ صرف انہیں بلکہ تمام بنی اسرائیل کو ان کے بال بچوں سمیت ایک ساتھ قتل کرنے والا ہے اور وہ ان اہل قبط اور آل فرعون کو بھی جو ایمان لے آئے ہیں قتل کر دے گا۔

اس روایت کے بارے میں اہل کتاب خاموش ہیں۔ البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے بیان کیا ہے اور انہی کے حوالے سے ابن ابی حاتم نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے تفصیل سے بتایا ہے کہ تمام جادوگر' کچھ اہل قبط اور آل فرعون کے کچھ لوگ اور بنی اسرائیل تمام کے تمام افراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے۔ اس کا ثبوت ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَمَا آمَنَ لِمُوسٰى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَأِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾

سے بھی ملتا ہے جب کہ کلام الٰہی میں ﴿اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ﴾ کی ضمیر صرف فرعون کی طرف راجع ہے جیسا کہ سیاق کلام سے صاف ظاہر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اوّل اوّل فرعون اور اس کے جابر وظالم حواریوں کے خوف سے اپنی رسالت کا اعلان نہیں فرمایا تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ اور فرعون کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے ﴿و ان فرعون لعال فی الارض ﴾ یعنی بغیر حق صرف ظلم وجبر سے زمین پر حکومت کررہا تھا۔ اس کے متعلق جیسا کہ سطور بالا میں پیش کیا گیا' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ یعنی جو کچھ طاقت اور زر ومال اسے حاصل تھا اسے جا و بے جا غل وغش صرف کرتا تھا۔ اس کے علی الرغم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے' اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴾ یعنی اے قوم اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ تو اسی پر توکل کرو تا کہ معلوم ہو کہ تم واقعی مسلم ہو۔ اس کا جواب جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا' یہ دیا:

﴿ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ﴾

پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور مجاہد' ابو مالک' ابراہیم نخعی' ربیع' ضحاک' زید بن اسلم اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن وغیرہ نے ان آیات کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم سے کہیں کہ اس کے افراد اپنے لیے اہل قبادمصر سے الگ پہچانے والے یعنی مساجد کی طرح کے مکان بنائیں تا کہ وہ فرعون اور اس کے معاونین و ملازمین کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں اور وہ مکان ایسے ہوں کہ جب ضرورت پڑے تو وہ انہیں زمین سے اکھاڑ کر اور سواریوں میں لاد کر فوری طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جہاں چاہیں لے جاسکیں اور اس وقت تک حکم الٰہی ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ پر عمل کرتے رہیں۔ پھر جیسا کہ سب جانتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے یہی حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مصائب میں مبتلا اہل ایمان کو دیا تھا جب کہ آپ خود بھی ایسے مواقع پر حکم الٰہی پر عمل کرتے تھے۔

بہرکیف جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے' جب فرعون کے مظالم حد سے گزر گئے اور وہ بنی اسرائیل کے مردوزن اور بچوں کے علاوہ خود اپنی قوم اور اہل قبط کے ان لوگوں کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور خدا پر ایمان لے آئے تھے چن چن کر قتل کرانے لگا تو ان لوگوں نے اپنے ان مکانوں کو جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت مساجد کی طرز پر بنائے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر جو انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اکھاڑ کر سواریوں پر لاد دیا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ سفر کے ارادے سے ایک ساتھ مصر سے نکل کر دریا کے کنارے جا پہنچے تو دیکھا کہ دریا حد سے زیادہ طغیانی پر ہے اور ادھر جب فرعون کو اس کی خبر ہوئی تو اپنا لاؤ لشکر لے کر ان کے تعاقب میں چل پڑا تا کہ انہیں دریا عبور کرنے سے قبل ایک ایک کر کے قتل کر دے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھایا کہ دریا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام' ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھی اہل ایمان کے لیے خشک زمین کی طرح اتنا چوڑا راستہ بنا دیا کہ اس پر چل کر وہ سب اور ان کا مال اسباب اس کنارے سے آسانی کے ساتھ دوسرے کنارے پر جا سکے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ اور ان پر اس کا یہ کرم دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہی خوش ہو گئے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہمراہیوں کو اس راستے سے دریا پار کرنے کا حکم دیا تو خدا کا نام لے کر اس راستے پر ہو لیے اور سب کے سب بآسانی دریا کے دوسری جانب جا پہنچے جب کہ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے' فرعون اور اس کا لاؤ لشکر جو جس طرح خدا کی قدرت سے پہلے وہ راستہ پیدا ہوا تھا اچانک تہ دریا چلا گیا اور فرعون اور اس کا تمام لاؤ لشکر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے اور اس کی وضاحت میں مفسرین' محدثین اور دوسرے معتبر وثقہ راویوں نے طویل روایات وحکایات قلمبند کیں دیکھتے ہی دیکھتے دریا کی طوفانی لہروں کی نذر ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کی ہلاکت کا واقعہ روز عاشورہ پیش آیا تھا۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مدینے کے یہودی بھی یوم عاشورہ کو روزہ رکھا کرتے تھے کیونکہ مدینے کے یہودیوں سے آپ نے فرمایا تھا کہ اگر تم موسیٰ علیہ السلام کے دین پر چلتے ہو تو اس روز روزہ رکھا کرو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون پر فتح کامل سے سرفراز فرمایا تھا۔ یہ حدیث بہ تمام وکمال صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں موجود ہے۔ واللہ اعلم

فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کا احوال

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ہلاکت کا قرآن شریف میں ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب فرعون نے اپنے شاہانہ تکبر کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اوران کی قوم بنی اسرائیل کے علاوہ ان تمام لوگوں پر جوان کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے ظلم کی انتہا کر دی تو اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر اسے' اس کے امراء و وزراء اور لشکر کو دریا میں غرق کر دیا اور فرعون کے مال ومتاع پر انہی لوگوں یعنی بنی اسرائیل کو جو اس کے نزدیک کمزور اور بے کس و بے بس تھے قابض کر دیا۔ اس سے قبل بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے مویشی ذبح کر کے ان کا خون نشانی کے طور پر اپنے گھروں کے دروازوں پر لگا دیں مگر ان مویشیوں کا گوشت خود پکا کر نہ کھائیں البتہ وہ ان کے سری پائے چاہیں تو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں۔

پھر جب فرعون کے امراء و وزراء اس کا لشکر اور وہ خود حکم الٰہی سے دریا میں غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مصر کے مشرقی و مغربی علاقوں پر قابض فرما کر انہیں وہاں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔

جہاں تک اہل مصر کا تعلق ہے وہاں فرعون کے امراء و وزراء کی بیویاں یا وہاں کے نچلے طبقے کے غریب لوگ باقی رہ گئے تھے جن سے ان امراء و وزراء کی بیویوں نے مجبوراً شادی کر لی تھی اور ان کی غربت کی وجہ سے ان پر حاوی ہو گئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی مصر میں وہی روایت چلی آتی ہے یعنی وہاں کی عورتیں مردوں پر غالب اور حاوی چلی آتی ہیں۔

جب بنی اسرائیل نواح مصر میں آباد ہو گئے تو وہاں وہ ہر سال کئی عیدیں منایا کرتے تھے جن میں ان کی عورتیں دف بجا کر خوشی کا اظہار کیا کرتی تھیں اور ان میں پیش پیش خود مریم بنت عمران یعنی حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن ہوتی تھیں۔

اہل کتاب کے بعض بیانات میں مریم بنت عمران کو مریم نبیہ بتایا گیا ہے وہ صریحاً غلط ہے بلکہ جن روایات میں ان کے نام کے بعد یہ لفظ بڑھایا گیا وہ صرف تعظیماً بڑھا دیا گیا ہے کیونکہ قرابت کے لحاظ سے ان کا تعلق انبیاء یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام سے تھا لیکن درحقیقت جیسا کہ ظاہر ہے وہ نبیہ نہیں تھیں۔

جہاں تک عیدوں کے موقعوں پر بنی اسرائیل کی لڑکیوں کے دف بجا بجا کر گیت گانے اور مریم بنت عمران کے اس میں پیش پیش رہنے کا تعلق ہے تو خوشی کے مواقع پر اظہار مسرت کے طور پر یہ رواج عربوں میں بھی تھا بلکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لے گئے تو وہاں آپ کے استقبال کے موقع پر لڑکیاں چھتوں پر چڑھ کر دف بجا کر وہ مشہور گیت گا رہی تھیں' جس کے بول طلعت البدر علینا وغیرہ ہیں اور جب جیسا کہ بعض روایات میں مذکور ہے انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دف بجا کر گانے سے منع کیا تو آپؐ نے ان سے فرمایا تھا: ''انہیں یونہی گانے دو' یہ ان کی عید ہے''۔ اس کے بعد آپؐ نے فرعون پر

غلبہ پانے کے بعد بنی اسرائیل کی لڑکیوں کے عید منانے اور دفوں پر گیت گانے کا حوالہ بھی دیا تھا۔ واللہ اعلم

اہل کتاب کی روایات کے مطابق دریا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہیوں کے لیے جو خشکی کا راستہ بنا تھا وہ دریا کے کنارے پانی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنا عصا مارنے سے بنا تھا اور وہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کے دریا میں اترنے کے بعد غائب بھی تب ہی ہوا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کے دوسرے کنارے پہنچ کر وہاں پانی پر دوبارہ عصا مارا تھا۔ واللہ اعلم

بہر کیف اس واقعے سے قبل بنی اسرائیل سالہا سال سے مصر میں آباد چلے آ رہے تھے اور اس کے بعد بھی وہ وہاں کم و بیش چار سو تیس سال تک اس کے نواحی علاقوں میں آباد رہے۔ اس زمانے میں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کی تھی کہ انہیں بھی قوم فرعون کی طرح اصنام تراشی کی اجازت دی جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا: ''کیا تم بھی نادان قوم ہو؟'' بلکہ قرآنی آیہ شریفہ کے مطابق ان سے ﴿ان یسومون سوء العذاب﴾ بھی فرمایا تھا۔

چار سو تیس سال کے بعد جیسا کہ بعض روایات میں بتایا گیا ہے' بنی اسرائیل شام کی طرف چلے گئے تھے۔

اکثر مفسرین نے بنی اسرائیل کے بارے میں جو بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بھیجے ہوئے جو بارہ آدمی شاہ جبارین کے پاس یکے بعد دیگرے آئے تھے وہ قد و قامت کے لحاظ سے ایسے طویل القامت اور فربہ اندام تھے کہ انہیں دیکھ کر اس نے کہا تھا: ''کیا یہ بنی آدم ہیں؟'' تو یہ صرف کہانیاں اور اسرائیلات کے خرافات سے ماخوذ ہیں کیونکہ یہ بات صریحاً خلاف عقل اور بعید از قیاس ہے۔

اسی طرح تلک جبارین کی بابت جو یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کا بھیجا ہوا جو مسمیٰ عوج بن عنق شخص بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا تاکہ وہ انہیں ایک ایک کر کے ہلاک کر دے اس کا قد تین ہزار تین سو تیس گز اور ایک تہائی گز تھا اور اس کے کھانے کے لیے اس نے جو انگور اور اسی قسم کے پھلوں کے جو خوشے اسے دیئے تھے ان میں سے ایک ایک دانہ اتنا بڑا تھا کہ وہ موٹے سے موٹے اور قد آور سے قد آور شخص کی پورے دن کی خوراک ہو سکتا تھا تو وہ سب بھی اسرائیلات میں درج دیگر خرافات کی طرح صرف خرافات و فضولیات ہی گردانا جا سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک متفق علیہ صحیح حدیث کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کا قد پہلے زیادہ سے زیادہ ستر فٹ بنایا تھا لیکن پھر رفتہ رفتہ اس میں کمی ہوتی چلی گئی۔

اسی طرح اسرائیلات میں درج یہ بیان بھی جو عوف البکالی سے مروی ہے اور ابن جریر نے اسی کے حوالے سے پیش کیا ہے سراسر لغو ہے کہ جب عوج بن عنق بنی اسرائیل کی طرف آ رہا تھا تو پہلے وہ ایک عظیم پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو اس نے اس پہاڑ کو اٹھا کر بنی اسرائیل پر پھینکنا چاہا تھا لیکن اس وقت کہیں سے ایک پرندہ نمودار ہوا اور اس نے اس پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور اس کے ایک ٹکڑے کا حلقہ بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا یا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد خود دس گز تھا ہوا میں دس گز اچھلے تھے تو عوج بن عنق کے صرف ٹخنے تک پہنچ پائے تھے تاہم انہوں نے اس کے ٹخنے ہی پر اپنا عصا مار کر اسے ہلاک کر دیا تھا صرف ایک ناقابل یقین مضحکہ خیز کہانی ہے جسے عوف البکالی ہی نے بیان کیا ہے اور ابن جریر نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پیش کیا ہے لیکن ابن جریر کی یہ سند محل نظر ہے۔

اسرائیلیات کی یہ حکایات واقعہ نگاری کے اصول کے صریحاً خلاف ہیں جب کہ خود انہی کے دو باوثوق افراد نے ان کی صاف صاف تردید کی ہے۔ بنی اسرائیل کے یہ بیانات اس وجہ سے بھی ناقابل یقین ہیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء کو قتل کر کے اس کا الزام دوسروں پر تھوپنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ قرآن کے علاوہ دیگر معتبر روایات سے ثابت ہے' بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جہاد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اپنے دشمنوں سے خود جہاد کریں اور اپنی مدد کے لیے اپنے خدا کو بلائیں۔ بنی اسرائیل کے جن دو اشخاص کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم کے ان اعمال اور ان کی خلافِ مذہب حرکات پر انہیں خدا سے خوف کی وجہ سے ﴿رَجُلَانِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ﴾ ٹوکتے تھے ان کے نام ابن عباس' مجاہد' عکرمہ' عطیہ' السدی' ربیع بن انس کے علاوہ متعدد دوسرے ثقہ راویوں نے یوشع اور کالب بتائے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل ایمان ہونے کی وجہ سے نوازش فرماتے ہوئے انہیں انعام سے نوازا تھا: ﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا﴾ جب کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا: ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ﴾ یعنی یا اللہ مجھے صرف اپنے اوپر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے۔ اس لیے ہمیں اور اس فاسق قوم کو علیحدہ علیحدہ کر دے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت میں ''فافرق'' کا مطلب ''اقض'' بتایا ہے یعنی ہم میں اور اس قوم فاسق کے درمیان انصاف فرما دے۔

انہی دو وجوہ کی بنا پر کہ بنی اسرائیل نے دشمنوں سے جہاد کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا تھا کہ ''ہمیں کیا غرض کہ ہم ان سے جہاد کریں' جاؤ تم اور تمہارا خدا ان سے لڑو''۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ انہیں ''صرف اپنے اور اپنے بھائی پر اختیار ہے۔ اس لیے اس فاسقوں کی قوم اور ہمارے درمیان انصاف فرما دے' بنی اسرائیل متواتر چالیس سال تک روئے زمین پر بھٹکتے پھرے تھے اور انہیں کہیں ٹھکانا نہ ملتا تھا اور وہ سب کے سب سوائے یوشع اور کالب علیہم السلام کے سوا ہلاک ہو گئے تھے کیونکہ انہی دونوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لا کر ان کی حمایت کی تھی۔

اس کے برعکس جیسا کہ سعد بن معاذ کے حوالے سے امام احمدؒ، وکیعؒ، سفیانؒ، مخارق ابن عبد اللہ احمسیؒ، طارق یعنی مقداد ابن شہابؒ وغیرہ نے جن میں عبیدہ بن حمید' حمید اور انس شامل ہیں بیان کیا ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے آپؐ سے متواتر یہی عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم جان و دل سے آپ کے ساتھ ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے آپؐ کے اور اسلام کے دشمنوں سے آخر وقت تک مقابلہ کرتے رہیں گے تا آنکہ آپ کی دعا سے ہمارا پروردگار ہمیں ان پر فتح سے ہمکنار یا شہادت سے سرفراز فرمائے''۔

یہ روایت نسائی نے محمد بن مثنیٰ' خالد بن حارث' حمید اور انس کے حوالے سے پیش کی ہے اور ابن حبان نے انہی اسناد کی بنیاد پر اسے اپنی کتاب صحیح میں ابی یعلیٰ' عبد الاعلیٰ بن حماد اور معمر کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

بنی اسرائیل کا اَلتیہ میں داخلہ اور وہاں ان کے لیے امورِ عجیبہ کا ذکر

ظالم جبارین کے ہاتھوں بنی اسرائیل کے قتل اور ان کے جانی و مالی نقصانات کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ جب جبارین کے ظلم و جبر و تشدد سے کسی طرح اپنی جانیں بچا کر وہ التیہ پہنچے تو انہوں نے مصر سے نکلنے کے بعد دوبارہ کسی قدر سکون کا سانس لیا۔ تاہم اس سے قبل وہ حضرت موسیٰ‘ حضرت ہارون اور حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ کچھ عرصے البریہ میں قیام کر چکے تھے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ہزار ہزار سو سو اور پچاس پچاس کی جماعتوں میں تقسیم کر کے ان میں سے ہر جماعت پر ان ہی میں سے ایک سالار مقرر کر دیا تھا اور وہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شریعت موسوی کے مطابق تمام بالغوں سمیت بچوں کی ختنوں کی بنیاد ڈالی تھی۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ جیسا کہ ابھی بیان کیا ان کے بھائی ہارون اور یوشع علیہ السلام بھی تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اہل خانہ میں ان کی بیوی اور دو بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک کی شادی وہ یوشع علیہ السلام سے پہلے ہی کر چکے تھے۔

بہر کیف جب حضرت موسیٰ علیہ السلام البریہ میں داخل ہوئے تھے تو انہوں نے پہلے ایک پہاڑ کے دامن میں قیام کیا تھا لیکن وہاں انہیں پہاڑ سے دھواں اٹھتا نظر آیا تھا اور بجلی کی چمک کے ساتھ ایسا کڑکا سنائی دیا تھا جس سے ان کے ہمراہی تمام بنی اسرائیل کانپ اٹھے تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے تھے لیکن وہ پہاڑ تمام کا تمام لرز رہا تھا۔ تاہم اسی وقت انہیں ایک غیبی آواز سنائی دی جو ان کے پروردگار کی تھی یعنی خود ذات باری تعالیٰ اپنے بندے اور اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ آواز اس سے پہلے بھی سن چکے تھے جب وہ مصر میں داخلے سے قبل وہاں کی ایک وادی میں دور سے پہاڑ پر آگ روشن دیکھ کر کڑکڑاتی سردی کے باوجود وہاں آگ لینے پہنچے تھے اور وہیں انہیں ذاتِ باری تعالیٰ نے پہلی بار مخاطب فرما کر نبوت کے عہدۂ جلیلہ سے سرفراز فرمایا تھا جس کے بعد انہوں نے نہ صرف بنی اسرائیل بلکہ تمام اہل مصر کو اللہ تعالیٰ اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی ہدایت کی تھی۔ اس لیے یہ دوسرا موقع تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید ہدایات دے کر ان پر توریت کی پہلی دس آیات نازل فرمائی تھیں جن میں ان کی قوم کو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کی ہدایت کے علاوہ اسے تمام برائیوں مثلاً دروغ گوئی‘ چوری اور بے جا قتل و غارت گری وغیرہ سے ممانعت کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہی آیات میں بنی اسرائیل کے لیے عبادت کا دن یوم السبت یعنی ہفتہ (سینچر) کا دن مقرر فرمایا تھا جسے یہودی (بنی اسرائیل) یوم الیسوع کے نام سے یاد کر کے عید کی طرح آج بھی مناتے ہیں۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اہل اسلام کے لیے ہفتے میں یہ دن جمعہ مقرر فرمایا گیا اور اسے ہفتے کے دوسرے دنوں پر فضیلت بخشی گئی اور اس روز انہیں بطور خاص ادائے نماز کی ہدایت کی گئی جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے۔

جو آیات ربانی پہلے روز حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں اور ان میں بنی اسرائیل کو جو ہدایات دی گئی تھیں۔ ان پر جملہ علمائے اسلاف واخلاف متفق ہیں۔ ان کے علاوہ جو ارشادات ربانی وحی الٰہی کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے جن میں بنی اسرائیل مخاطب ہیں اور وہ توریت میں درج ہیں ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کے سورۂ انعام اور دوسری سورتوں میں فرمایا ہے مثلاً سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کو پہلے فرعون کے ظلم وستم سے نجات دلائی گئی۔ پھر انہیں انعام و اکرام سے نوازا گیا' جب انہوں نے زمین پر اُگی ہوئی غذائی اشیاء کھانے سے تنگ آ کر کسی نئی چیز کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خواہش ظاہر کی تو ان کی دعا پر ان کے لیے آسمان سے براہِ راست من وسلویٰ نازل کیا گیا لیکن وہ اس سے بھی تنگ آ گئے اور پھر اپنی پہلی غذائی اشیاء کا تقاضا کرنے لگے تو دوبارہ ان کی اس خواہش کو پورا کیا گیا لیکن وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے اور جیسا کہ سورۂ بقرہ میں تفصیل سے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے انہوں نے گائے کی قربانی کرنا چاہی اور اس کے رنگ' اس کی نسل اور عمر وغیرہ کی سینکڑوں شرائط رکھیں تو ان کے لیے ایسی گائے تخلیق کی گئی لیکن پھر بھی روبہ اصلاح نہ ہوئے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے سونے کا ایک بچھڑا بنا کر اس کی پرستش کرنے لگے۔

بنی اسرائیل کی ان تمام باتوں کا ذکر ہم قرآن ہی کے حوالے سے ان شاء اللہ آگے چل کر عنقریب کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں بنی اسرائیل کی بچھڑا پوجنے کی داستان

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے الگ ہو کر حکم الٰہی کے تحت میقات میں چالیس روز گزارنے اور وہاں رب العزت کی عبادت میں شب و روز مصروف رہنے کے لیے تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل نے ان کی غیبت میں ایک سوکھے اور دبلے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی جو انہوں نے سونے سے سامری جادوگر کی ترغیب پر خود بنایا تھا چونکہ اس میں گائے کی طرح ڈکرانے کی صلاحیت نہیں تھی اس لیے سامری نے اس کے دبر میں جادو کے زور سے کوئی چیز داخل کر کے اس کے منہ سے نکالی تو وہ بچھڑا گائے کی طرح ڈکرانے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ سامری نے جادو سے ہوا بنا کر اس بچھڑے کی دبر میں داخل کی تھی اور اس کے منہ سے نکالی تھی۔ بہر حال جب وہ بچھڑا گائے کی طرح ڈکرانے لگا تو سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ دیکھو یہ تمہارے موسیٰ (علیہ السلام) کا اور تمہارا خدا ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں لاکھ سمجھایا اور خدا کے خوف سے ڈرایا لیکن انہوں نے ان کی کوئی بات نہ سنی اور کہنے لگے کہ ہم موسیٰ (علیہ السلام) کی غیبت میں تمہاری ایک بات نہ مانیں گے۔

بہر کیف جب حضرت موسیٰ علیہ السلام میقات سے واپس تشریف لائے تو وہ اپنی قوم بنی اسرائیل کی یہ قبیح حرکت دیکھ کر بہت غضب ناک ہوئے اور انہیں سخت سست کہا تو وہ پھر توبہ کرنے لگے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَاِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ اس نے ان کی توبہ قبول کر کے انہیں اپنی رحمت سے معاف فرما دیا۔

بنی اسرائیل کی اس داستان کے ساتھ قرآن شریف میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی تھی ''رب ارنی'' (اے میرے پروردگار تو مجھے کھلی آنکھوں سے اپنا جلوہ دکھا) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا ''لن ترانی'' یعنی تم مجھے ہرگز اس طرح نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا تھا ''پہاڑ کی طرف دیکھو'' لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کی طرف نگاہ کی تو وہاں بجلی کی طرح ایک ایسی نگاہوں کو خیرہ کرنے والی چمک دیکھی کہ وہ غش کھا کر گر پڑے۔

قرآن شریف کی ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے جن میں یہ ذکر آیا ہے مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ جلوۂ خداوندی کی ایک جھلک بھی انسانی بصارت کے لیے محال ہے نیز یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کی طرف رُخ کر کے جو جلوہ دیکھا تھا وہ جلوۂ خداوندی کی ایک معمولی سی جھلک تھی اور وہ بھی پس پردہ تھی۔

ابن حبان کی روایت کردہ حدیث نبویؐ

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن اسحٰق اور ابن لہیعہ نے ابی الہیثم اور ابوسعید الخدری کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تھا کہ یا رب تو نے اس وقت کے دنیا میں اپنے نیک ترین بندے کے لیے کیا انعام رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہوں کے سامنے جنت کا ایک دروازہ کھول کر ان سے فرمایا تھا کہ دیکھو یہ وہ جگہ ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے اور یہ دیکھ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حسبِ وعدہ اس انعام واکرام کا شکر ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تھا کہ کافروں کے لیے تو نے کون سی جگہ مقرر فرمائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے دوزخ کا سب سے زیادہ آتش فشاں منظر کر دیا تھا۔

ابن حبان سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے یہ بھی پوچھا تھا کہ اس کے ذکر میں کون سا ذکر سب سے اچھا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جواب دیا تھا کہ لا الہ الا اللہ اور مزید یہ بھی فرمایا تھا کہ اس سے بہتر ذکر الٰہی میں کوئی ذکر نہیں ہے اور سبع سماوات میں اور زمین کے ہر طبقے میں مخلوق خداوندی جو جہاں ہے یہی ذکر کرتی ہے۔ حدیث بطاقہ سے بھی اس حدیث نبوی کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس سے ملتی جلتی ایک اور حدیث نبوی سنن میں (ابن ماجہ نے) پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر معروف وافضل وہ دعا ہے جو میں کرتا ہوں اور مجھ سے قبل تمام انبیاء (علیہم السلام) کرتے رہے ہیں۔ وہ دعا یہ ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

ان احادیث کے علاوہ متعدد دیگر احادیث قصہ موسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں اکثر مفسرین ومورخین نے بطور سند پیش کی ہیں۔

بقرۂ بنی اسرائیل کی تفصیل

بقرۂ بنی اسرائیل کا ذکر اللہ تعالیٰ جلہ شانہٗ نے قرآن پاک میں یوں فرمایا ہے:

''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کرو' وہ بولے کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا کہ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔ انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے التجا کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ بیل کس طرح کا ہوگا۔ (موسیٰ نے) کہا پروردگار فرماتا ہے کہ وہ بیل نہ تو بوڑھا ہو نہ بچھڑا بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو سو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو۔ انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے درخواست کیجیے کہ ہم کو یہ بھی بتادے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ موسیٰ نے کہا پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں (کے دل) کو خوش کر دیتا ہو۔ انہوں نے کہا (اب کے) پروردگار سے پھر درخواست کیجیے کہ ہم کو بتادے کہ وہ اور کس کس طرح کا ہو کیونکہ بہت سے بیل ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں (پھر) خدا نے چاہا تو ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی۔ موسیٰ نے کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ بیل کام میں لگا ہوا نہ ہو۔ نہ تو زمین جوتتا ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتا ہو اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔ کہنے لگے اب تم نے سب باتیں درست بتادیں۔ غرض (بڑی مشکل سے) انہوں نے اس بیل کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو باہم جھگڑنے لگے لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے خدا اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ تو ہم نے کہا کہ اس بیل کا کوئی سا ٹکڑا مقتول کو مارو۔ اس طرح خدا مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو''۔ (۲:۶۷۔۷۳)

ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک بوڑھا شخص بہت مالدار تھا۔ اس سے اسی کی قوم کے کسی شخص نے جو اس بوڑھے کا قرابت دار تھا اسے قتل کر دیا تاکہ اس کے مال پر قابض ہو جائے جب دوسرے لوگوں کو اس کا علم ہوا تو وہ اس مقتول کے دروازے پر جمع ہو گئے اور قاتل کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے اور آپس میں جھگڑنے لگے تو کسی نے ان سے کہا کہ اللہ کے رسول (یعنی موسیٰ علیہ السلام) کے پاس کیوں نہیں جاتے تاکہ وہ اپنے پروردگار سے دریافت کر کے تمہیں قاتل کا نام اور پتا بتادیں۔

چنانچہ جب وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور سارا معاملہ ان کے سامنے رکھ کر ان سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معلوم کر کے اس شخص کے یعنی قاتل کے بارے میں معلوم کر کے انہیں بتادیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ وہ ایک بیل ذبح کریں لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ کیا وہ ان سے مذاق کرتے ہیں یعنی وہ تو ان سے قاتل کا نام اور پتہ معلوم کرنا چاہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ان کے پروردگار کا حکم ہے کہ وہ ایک بیل ذبح کریں۔

اس روایت میں آگے چل کر ابن عباس رضی اللہ عنہما متعدد مستند حوالوں سے وہی کچھ بیان کرتے ہیں جو قرآن شریف میں آیا ہے اور جسے ہم بھی پہلے بطور حوالہ پیش کر چکے ہیں یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملنے کے بعد) کہا کہ وہ ایک بیل ذبح کریں تو پہلے تو انہوں نے اسے جیسا کہ قرآن شریف میں بیان کیا ہے' مذاق سمجھا اور اس کے بعد اس کے بارے میں طرح طرح کے سوال کیے اور آخر کار اسے ذبح کیا۔ پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ان سے کہا گیا کہ وہ اس ذبح شدہ بیل کا کوئی سا ٹکڑا اس مقتول کو ماریں تو وہ زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دے گا۔ پھر جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی (اسی کے حوالے اور دیگر مفسرین کے حوالے سے) بیان کیا ہے کہ انہیں اس بیل کو ذبح کرنے کی وجہ بتائی گئی یعنی اس ذبح شدہ بیل کا کوئی سا ٹکڑا اس مقتول کو ماریں گے تو وہ زندہ ہو جائے گا اور قاتل کے بارے میں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا سب کچھ بتا دے گا۔ پھر جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے متعلقہ قرآنی آیات کی تفاسیر کے حوالے سے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ کی منشاء انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھانی تھیں کہ وہ اس طرح بھی مردوں کو زندہ فرما دیا کرتے ہیں ورنہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ روز قیامت تمام نوع انسانی کو ان کی موت کے بعد فردِ واحد کی طرح دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔

قصہ موسیٰ وخضر علیہما السلام

قصہ موسیٰ وخضر علیہما السلام کے بارے میں قرآن پاک میں جو ذکر ہے وہ یہ ہے:

''اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں۔ جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے' تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنالیا۔ جب آگے چلے تو موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لیے کھانا لاؤ۔ اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی ہے (اس نے) کہا کہ آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا۔ موسیٰ نے کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جسے ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔ خضر نے کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکو گے۔ اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیونکر سکتے ہو۔ (موسیٰ نے) کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا' (خضر نے) کہا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں' تو دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضرؑ نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے اس کو اس لیے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دیں۔ یہ تو آپ نے بڑی (عجیب بات کی) (خضر نے) کہا کیا میں نہیں کہتا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کرسکو گے' (موسیٰ نے) کہا کہ مجھ سے جو بھول ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے' پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اسے مار ڈالا (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا۔ یہ تو آپ نے بری بات کی (خضرؑ نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کو قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے۔ پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے' اور ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی۔ خضرؑ نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام چلتا) خضرؑ نے کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی (مگر) جن

باتوں پر تم صبر نہ کر سکے ان کا تمہیں بھید بتائے دیتا ہوں (کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت کرے (یعنی کشتیاں چلا کر) گزارہ کرتے تھے اور ان کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں (تاکہ وہ اسے غصب نہ کر سکے) اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں مؤمن تھے۔ تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر جو بدکردار ہوتا، کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے، تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار ان کو اس کی جگہ اور (بچہ) عطا فرمائے جو پاک طینتی اور محبت میں اس سے بہتر ہو۔ اور وہ جو دیوار تھی سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں رہتے تھے اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ ایک نیک بخت آدمی تھا۔ تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔ یہ ان باتوں کا راز ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے''۔ (۱۸: ۶۰-۸۲)

بہر کیف حضرت خضر علیہ السلام کے اس قصے کے بارے میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اس لیے مبعوث فرمایا تھا تاکہ وہ آخر الذکر کی معاونت کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ ان کے زمانے میں جو دوسرا نبی مبعوث ہو تو وہ ہمیشہ ان کے معین و معاون ہوں گے۔ مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جس طرح جبریل علیہ السلام کو دوسرے فرشتوں پر فضیلت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سلسلہ ابراہیمی کے انبیاء کو جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں دوسرے انبیاء پر فضیلت بخشی تھی۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ، حضرت خضر علیہ السلام سے خدا کے نزدیک اشرف تھے لیکن جس حدیث نبویؐ کے حوالے سے یہ تفاسیر پیش کی گئی ہیں وہ اہل تحقیق کے نزدیک ضعیف ہے اور حاکم نے جن اسناد کے حوالے سے پیش کیا ہے وہ خود اپنی اپنی جگہ ضعیف بتائی گئی ہیں۔ واللہ اعلم

حدیثِ فتون

حدیثِ فتون کے بارے میں امام عبدالرحمٰن نسائی نے اپنی کتاب سنن میں سورۂ طٰہ کی آیہ شریفہ:

﴿ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنَّاكَ فُتُوْنًا ﴾

یعنی حدیثِ فتون کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیہ شریفہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو فرماتے ہوئے اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے از اوّل تا آخر تمام واقعات بیان فرمائے نیز بنی اسرائیل کے کردار، ان کے ہاتھوں انبیاء مرسلین کے قتل اور ان کے ان بداعمال کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے جو انہیں سزا دی اور وہ دنیا میں دردر کی برسوں ٹھوکریں کھاتے پھرے اور آپ کے زمانے تک ان کا وہی حال رہا اسے بھی تسلسل سے اور تفصیلاً بیان فرمایا۔

اس حدیث کے بارے میں دیگر مفسرین و علمائے دین کی متعدد روایات ہیں جن پر مؤرخین نے بھی اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے انداز میں روشنی ڈالی ہے جن کے بیانات ہم نے بخوفِ طوالت یہاں حذف کر دیئے ہیں۔

ذکر بناءِ قُبتہُ الزماں

اہل کتاب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ ایک قبہ (گنبد) تعمیر کریں جس میں درخت شمشاد کی لکڑیاں' مویشیوں کی کھالیں اور بکریوں کے بال استعمال کیے جائیں اور اسے سونے چاندی کے تانے بانے سے تیار کردہ حریر کے کپڑے سے آراستہ کیا جائے اس گنبد میں جیسا کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے۔ اس گنبد میں جو اندر سے بڑا وسیع و عرض تھا دس چوکور ستون تھے جن کی لمبائی اٹھائیس فٹ اور چاروں طرف سے ان کی چوڑائی چار فٹ رکھی گئی تھی۔ اس گنبد کی چھت بھی مرصع تھی اور اس میں سونے چاندی سے نقش بنائے گئے تھے۔ اس گنبد کے ہر پہلو میں دو دو دروازے تھے جن کی سردلیں اور چوکھٹیں سونے چاندی سے تیار کر کے انہیں نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس کے سب سے بڑے مرکزی دروازے کو بھی اسی طرح سونے چاندی سے تیار کر کے نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔

اس گنبد کے ساتھ جو مینار تھا وہ بھی سونے چاندی سے تیار کیا گیا تھا جس میں اوپر تک ہر منزل میں تین مرصع روشندان تھے جن پر حریر کے پردے پڑے رہتے تھے۔ اس گنبد اور مینار کا بالائی حصہ خالص سونے سے تیار کیا گیا تھا۔ اور گنبد کے اندرونی حصے کی طرح اس میں بھی ہر منزل کے ہر حصے میں چراغوں کی گنجائش رکھی گئی تھی۔

اس گنبد میں ایک وسیع و عریض دسترخوان بھی زائرین کی ضیافت کے لیے تیار کیا گیا تھا اور اسے بھی زرتار بنایا گیا تھا اور اس کے تین مساوی حصے رکھے گئے تھے۔

ان تمام چیزوں کے علاوہ اس گنبد کے احاطے میں ایک مذبح یا قربان گاہ بھی رکھی گئی تھی۔

یہ قبہ یا گنبد سنتِ موسوی کے مطابق فصل ربیع میں مکمل ہوا تھا اور اس میں تابوت شہادت بھی رکھا گیا تھا جس کا ذکر قرآن پاک کی سورۂ بقرہ کے سولھویں رکوع کی چھٹی آیت ﴿اِنَّ آيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ الخ﴾ میں آیا ہے۔

اس قبہ یا گنبد کا حال اہل کتاب کی تفسیر کتابوں میں بڑے طول طویل انداز میں کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں بچھڑے کی عبادت کے رواج سے قبل موجود تھا۔ اور اس کی قدامت کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ اس کی بنیاد بیت المقدس سے بھی قبل رکھی گئی تھی اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد اور اس گنبد میں داخلے کے وقت بنی اسرائیل نے پہلی بار باقاعدہ خدائے واحد کی عبادت کی ابتداء کی تھی۔

ان کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے اس کی نگرانی سنبھالی تھی اور پھر یہی گنبد' گنبد صخرہ کہلایا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک جملہ انبیائے کرام کا مرکز عبادت اور کعبۃ اللہ کی طرح کعبہ و قبلہ رہا جو درست ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قارون کا قصہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے قارون بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اگرچہ اس کا تعلق بھی بنی اسرائیل سے تھا لیکن وہ اپنی زر پرستی اور حرص و ہوس کی وجہ سے فرعون کے ساتھ ہو کر اس کے کفر اور بنی اسرائیل سے اس کی دشمنی میں برابر کا شریک تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ اس کی بداعمالیوں اور زر پرستی کا ذکر بھی اللہ جل شانہٗ نے تفصیل سے فرمایا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی اس زر پرستی اور حرص و ہوس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے تمام خزانوں کے ساتھ زندہ درگور کر دیا گیا تھا تا کہ اہل بصیرت اس کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ موسیٰ کی قوم ہی میں سے تھا لیکن اس نے اپنے مال و زر کے گھمنڈ میں آ کر جو در حقیقت اسے خدا ہی نے دیا تھا اپنی قوم سے غداری کی تھی حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اس کی قوم کے ان لوگوں نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے' اسے سمجھانے کی لاکھ کوشش کی تھی کہ اس کا سارا مال و متال اور دنیا کا سامان راحت سب یہیں دھرا رہ جائے گا۔ جب کہ اس کے نیک اعمال آخرت میں اس کے کام آئیں گے اور وہاں اس کے ابدی آرام کا وسیلہ بنیں گے لیکن اس نے اپنے زمانے کے نبی یعنی موسیٰ علیہ السلام اور اپنی قوم کی ان باتوں پر کان نہ دھرا بلکہ ان کی تضحیک کی اور مسلسل فرعون اور اس کے امراء و وزراء اور اس کے دیگر ساتھیوں کا مسلسل ساتھ دیتا رہا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور دشمنی میں ان سے بھی چار قدم آگے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گمراہی' کفر پرستی اور غرور و تکبر کی اسے یہ سزا دی کہ اسے اس کے تمام خزانوں کے ساتھ زیر زمیں زندہ دفن کر دیا۔

اعمش نے منہال بن عمرو ابن سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابن عم یعنی چچازاد بھائی بتایا ہے اور ابراہیم نخعی' عبداللہ ابن الحرث بن نوفل' سماک بن حرب' قتادہ' مالک ابن دینار اور ابن جریج نے مذکورہ بالا راویوں کے اس بیان میں اضافہ کرتے ہوئے اس کا پورا نام قارون بن یصہر بن ہافث بتایا ہے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران بن ہافث تھے۔ اس لیے ابن جریج نے ٹھیک بتایا ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابن عم یعنی چچازاد بھائی تھا اور دوسرے متعدد راویوں کے اس بیان کی تصدیق کی ہے۔

قتادہ کہتے ہیں کہ توریت میں جو اس کا نام نور بتایا گیا ہے وہ اس کے خوش الحان ہونے کی وجہ سے بتایا گیا ہے اور قتادہ نے اس کے ذکر کی وضاحت بھی کی ہے جب کہ بخاری نے بھی ایک حدیث نبوی کے حوالے سے مذکورہ بالا راویوں کے بیانات کی تصدیق کی ہے اور ساتھ ہی اس کے ضمن میں متعلقہ آیاتِ قرآنی کے حوالے بھی دیئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت وفضائل اور وفات کا ذکر

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے آنحضرت ﷺ سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر فرمایا اور آپ سے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو یاد کیجیے جنہیں ہم نے نبوت اور (براہِ راست) ہم کلامی کا شرف بخشا اور انہیں یہ امتیاز بھی عطا کیا کہ ان کی سفارش پر ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو بھی نبوت بخشی۔ قرآن پاک کی اس آیہ شریفہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی مرسل فرماتے ہوئے انہیں بطور خاص مخلص فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ:

''ہم نے انہیں طور کی طرف سے آواز دی اور اپنی خاص قربت بخشی''۔

﴿ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مُوْسٰۤی اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا وَّ نَادَیْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا وَّ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا ﴾

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی ایک دوسری آیہ شریفہ میں آنحضرت ﷺ سے (ذریعہ وحی) ارشاد فرمایا کہ:

''جن کے ہم نے آپ سے قصے بیان کیے وہ ... انبیائے مرسلین تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جن کا ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ہم کلامی کا شرف بھی بخشا''۔

پھر ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''اے ایمان لانے والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اذیت پہنچائی (جبکہ) ہم نے انہیں ان جملہ الزامات سے جو ان لوگوں (مخالفین) نے ان پر لگائے تھے بری الذمہ قرار دیا اور اللہ کے نزدیک وہ وجیہ تھے''۔

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے روز قیامت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہونے والی جس عزت وحرمت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ''مجھے موسیٰ (علیہ السلام) پر ترجیح نہ دینا'' وہ حقیقت آپؐ کے حسن اخلاق اور تواضع کی دلیل اور آپ کی سیرت کا ایک نمونہ ہے ورنہ بحیثیت نبی آخر الزمان جیسا کہ خود ارشاد باری تعالیٰ ہے آپ کو تمام انبیائے ماسبق پر فضیلت حاصل ہے۔

اکثر راویوں نے یہ اسناد صحیح بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ہاتھوں ان کی تکالیف اور اذیتوں کا ذکر فرمایا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر کی تعریف وتوصیف فرمائی۔

جناب اعمشؒ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''یارسول اللہ (ﷺ) آپؐ نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص آپؐ کے حق میں بطورِ الزام زبان کھولے تو ہم آپؐ

سے اس کا ذکر نہ کیا کریں لیکن ایک بہت ہی معتبر آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دوسرا شخص یہ کہہ رہا تھا کہ فلاں موقع پر رسول اللہ (ﷺ) نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں حکم الٰہی کے مطابق انصاف نہیں فرمایا''۔

اعمش (رحمہ اللہ) بیان فرماتے ہیں کہ اس شخص سے یہ بات سن کر آپ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا:

''بخدا موسیٰ (علیہ السلام) پر اس سے زیادہ الزامات لگا کر ان کی قوم نے انہیں تکلیف پہنچائی لیکن انہوں نے (ہمیشہ) صبر کیا''۔ (ترجمہ مفہومی)

یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی نے بھی اسرائیل کی زبانی اور ولید بن ابی ہاشم کے حوالے سے بیان کی ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں احادیث اسراء کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ جب شب اسراء آنحضرت ﷺ کا گزر موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہوا تھا تو آپؐ نے انہیں ان کی قبر میں بحالت قیام نماز میں مشغول دیکھا تھا۔

اس روایت کو مسلمؒ نے انسؓ کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔

صحیحین میں حدیث نبوی (ﷺ) کے حوالے سے شب معراج کے تذکرے کے ضمن میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان ششم پر دیکھا تھا اور جب جبریل علیہ السلام نے ان سے آپ کا تعارف کرایا تھا تو آپؐ نے انہیں سلام کیا تھا اور انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے آپ کو انبیائے صالحین میں سے ایک اور اپنا بھائی کہہ کر آپ کی وہاں تشریف آوری پر آپ کو مبارک باد دی تھی لیکن جب آپؐ نے وہاں سے آگے قدم بڑھایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے تھے۔ جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ان کے بعد آخر میں مبعوث ہونے والے ایک نبی مرسل روز قیامت ان سے قبل جنت میں داخل ہوں گے اور جنت میں داخل ہونے والوں میں ان کی امت کی تعداد ان کی اپنی امت کے لوگوں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اشارہ آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کی طرف تھا۔

اس حدیث نبوی کی روایت میں بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات فلک ہفتم پر ہوئی تھی لیکن کچھ دوسرے معتبر تر راویوں کا بیان ہے کہ فلک ہفتم پر آپ کی ملاقات آپؐ کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تھی جہاں ان کی مسند بیت المعمور کی پشت پر نزدیک ہی فلک ہفتم پر تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات فلک ششم پر ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ اس حدیث کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ واپسی پر بھی آپ کی ملاقات دوبارہ فلک ششم ہی پر ہوئی تھی اور جب آپؐ نے ان سے بیان کیا تھا کہ آپ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی ہے تو انہوں نے آپ سے کہا تھا کہ اس میں آپؐ اللہ تعالیٰ سے التجا فرما کر کمی کرائیں تو آپؐ نے انہی کے مشورے پر آپ کی اللہ تعالیٰ سے اس میں کمی کے لیے درخواست کی تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر آپ کی اللہ تعالیٰ سے چند بار درخواست کے نتیجے میں پچاس وقت کی نماز گھٹتے گھٹتے پانچ وقت کی رہ گئی تھی تب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو اس میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے کمی کرانے کا

مشورہ دیا تھا لیکن اس بار آپؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ ''اب مجھے اس میں کمی کے لیے اپنی پروردگار سے درخواست کرتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے''۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ان کے فضائل کے ساتھ سورۂ انعام' سورۂ مائدہ' سورۂ انبیاء اور سورۂ قصص میں بھی کئی جگہ آیا ہے۔

متعدد معتبر روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ورقہ بن نوفل سے آپ پر نازل ہونے والی پہلی وحی کا ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ آپؐ سے اس وحی میں:

﴿ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَءْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴾

فرمایا گیا تو ورقہ بن نوفل نے آپ کی زبان مبارک سے اللہ کا یہ کلام سن کر کہا تھا:

''سبحان اللہ، سبحان اللہ یہ وہی ''ناموس'' ہے جو وحی کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران پر نازل ہوا تھا''۔ (یعنی وحی الٰہی)

ورقہ بن نوفل کا یہ کہنا درست تھا' لیکن اس کے بعد توریت وانجیل میں جو بے شمار تحریفات کی گئیں ان کا ذکر یہاں طوالت سے خالی نہیں۔ البتہ آگے چل کر ہم ان شاء اللہ اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کے حج بیت العتیق کا ذکر

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے داؤد بن ابی ہند نے ابوالعالیہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی ازرق سے گزر رہے تھے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے راوی سے پوچھا کہ وادی ازرق کون سی ہے اور کہاں ہے تو اس نے پھر صرف وادی ازرق ہی بتایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی گفتگو جاری رکھتے ہوئے بیان کیا کہ جب آپ وادی ازرق سے گزر رہے تھے تو آپؐ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تھا اور انہوں نے بیان کیا تھا کہ وہ بھی کبھی حج العتیق کے لیے اسی وادی سے گزرے تھے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعد میں جب آپ نے انہیں دیکھا تو وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) تلبیہ پڑھتے ہوئے بیت العتیق کے قریب پہنچ چکے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آپ اس وقت ثنیۂ ہرشاء میں تھے۔ راوی سے پوچھا گیا کہ یہ ثنیۂ ہرشاء کیا اور کہاں ہے تو اس نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ آپؐ نے یونس بن متی کو بھی دیکھا تھا وہ اس وقت سرخ اونٹ پر سوار تھے' ان کا جبہ اونی تھا۔ جو خطام کا بنا ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث' حدیثِ اسراء کہلاتی ہے اور اس میں یقیناً آپؐ نے عہد عتیق کا ذکر فرمایا ہوگا ویسے طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیت العتیق (قدیم بیت اللہ) کے حج کے لیے تشریف لے گئے تھے تو حدیث مذکور کے مطابق وہ سرخ رنگ کے ایک بیل پر سواری کر رہے تھے لیکن یہ روایت بہت عجیب ہے۔

امام احمدؒ نے جو حدیث نبوی اسود' اسرائیل' عثمان بن مغیرہ' مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے شبِ معراج اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فلک ہفتم تک ہر آسمان سے گزرتے ہوئے حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات اور ان تمام انبیاء کے شکل و شمائل اور قد و قامت کے بارے میں اپنی مسند میں پیش کی ہے اسے ہم بہ تفصیل اس سے قبل گذشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکرِ وفات:

امام بخاریؒ اپنی ''صحیح'' میں وفات موسیٰ علیہ السلام کے عنوان کے تحت بیان فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرزاق اور معمر نے ابن طاؤس اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب عزرائیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے ان کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو وفات کے ذریعہ یاد فرمایا ہے تو انہوں نے ان سے کہا کہ کیا میرے رب نے مجھے اس ارض مقدس سے ارض حجر یعنی قبر میں جانے کا حکم دیا ہے اور جب عزرائیل نے اثبات میں جواب دیا تو وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) اپنے پروردگار کے اس حکم کی تعمیل پر بخوشی تیار ہو گئے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مزید بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارے میں اس قدر فرما کر پھر ارشاد

فرمایا کہ ''کاش میں تم لوگوں کو کثیب احمر کے راستے میں بنی ہوئی ان کی قبر دکھا سکتا''۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نبویؐ ان سے معمر نے ہمام اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی اسی طرح بیان کی تھی۔

ویسے یہ حدیث مسلم نے مذکورہ بالا پہلی حدیث کے الفاظ میں حماد بن سلمہ حماد بن ابی حماد اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے پیش کی اور امام احمدؒ اسے وہیں سے اخذ کیا ہے۔

دوسرے متعدد ثقہ راویوں نے کئی مستند حوالوں سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب عزرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے اللہ تعالیٰ کا مذکورہ بالا حکم بیان کیا تو وہ انہیں پہچان نہ سکے تھے جس کے بعد جبریل علیہ السلام ایک اعرابی کی شکل میں ان کے سامنے آئے تو وہ انہیں جھٹ پہچان گئے کیونکہ ترسیل وحی کے لیے وہ اس شکل میں بھی کئی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے اور اس کے بعد انہوں نے عزرائیل کو قبض روح کا اشارہ کر دیا۔

انبیاء علیہم السلام کی قبض روح کے سلسلے میں متعدد روایات میں بتایا گیا ہے کہ عزرائیل ان کی اجازت لے کر ان کی قیام گاہوں میں داخل ہوئے اور پھر انہیں ان کے پروردگار کا حکم سنانے کے بعد ان کا اشارہ پا کر ان کی ارواح قبض کرتے تھے۔

اس روایت میں حدیث نبویؐ کے حوالے سے اس کی کئی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہارون علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے التیہ سے بیت المقدس روانہ ہونے اور وہاں پہنچنے کے بعد ان کی وفات ہوئی تھی جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے چل کر تفصیل سے کریں گے۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تدفین کے بعد ملائکہ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر ان پر صلوٰۃ وسلام پڑھا تھا۔

اہل کتاب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال بتائی ہے۔

یوشع علیہ السلام کی نبوت اور موسیٰ وہارون علیہما السلام کے بعد عبائے بنی اسرائیل میں ان کے قیام کا ذکر

یوشع علیہ السلام کا پورا نام اور نسب نامہ یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہم السلام ہے۔ اہل کتاب انہیں ہود علیہ السلام کا چچازاد بھائی بتاتے ہیں۔

بہر کیف اللہ تعالیٰ نے ان کے نام کی صراحت کیے بغیر موسیٰ وخضر علیہما السلام کے قصے کے ضمن میں ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰهُ﴾ ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ﴾[1] فرمایا ہے اور اس آیہ شریفہ میں دونوں جگہ فتاہ سے تمام مفسرین کے مطابق یوشع علیہ السلام ہی مراد ہیں۔

اس سے قبل ہم اپنی ''صحیح'' کے حوالے سے ابن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ اس روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوشع نون کے بیٹے تھے اور آپؐ اہل کتاب کی اس روایت سے متفق تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اس زمانے کے کچھ لوگ جو سامریہ کہلاتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشعؑ کے سوا کسی نبی کو نبی نہیں مانتے تھے کیونکہ توریت میں صرف انہی کی نبوت کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کے علاوہ کچھ دوسرے بھی اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے اور جہاں تک یوشعؑ کا تعلق ہے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ وہ ان پر نازل ہونے والی وحی کے بارے میں از اوّل تا آخر تمام کیفیات بتائیں جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی قدر رملکدر ہو گئے تھے۔ ممکن تھا کہ وہ پھر ان کے سامنے ان کی وضاحت کر دیتے لیکن اس دوران میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور ان کے بعد خود یوشعؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت تفویض کی گئی۔

ہم اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں قبۃ الزماں کی تعمیر کا ذکر کر چکے ہیں اسی قبے یا گنبد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ آسمانی کتاب توریت ان کی وفات کے بعد رکھی گئی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ محمد بن اسحٰق نے اہل کتاب کے بیانات کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس سے قبل بنی اسرائیل کو توریت کے اندراجات کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا کیونکہ توریت تابوت الشہادۃ کے پاس مدت تک یونہی رکھی رہی تھی۔

اہل کتاب کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اپنے تیسرے سفر کے موقع پر فرمایا تھا کہ اگر جبارین ان سے جنگ کریں تو وہ بھی اپنے دفاع کے لیے ان سے جنگ کرنے پر تیار رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے پیروکاروں کو یہ حکم یقیناً حکم الٰہی کے تحت تھا جیسا کہ جنگِ تبوک کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تھ

---

[1] اس آیہ شریفہ کا ترجمہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ (مترجم۔ شادانی)

کہ اسلامی لشکر کو حکم دیں کہ وہ صرف ان سے قتال کریں جو ان کے مقابلے میں آئیں اور یہی سلسلہ اسلامی طریقہ جنگ کا اس وقت تک جاری رکھا گیا جب مشرق و مغرب کے بہت سے ملک مسلمانوں کے زیرنگیں آ چکے تھے۔ البتہ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَالِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾

یعنی اس کے بعد جو اس حکم سے پھرا وہ گمراہ ہوا تو جب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے احکام سے سرتابی کی تو انہیں جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے انہیں دربدری کی سزا دی گئی جس طرح نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روگردانی کی سزا ملی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ان سے اسود بن عامر اور ابوبکر نے ہشام' ابن سیرین اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے لیے یوشع (علیہ السلام) کے علاوہ چند راتوں تک محبوس نہیں کیا یعنی طلوع ہونے سے نہیں روکا جب انہوں نے بیت المقدس کو فتح نہیں کرلیا''۔

اس حدیث نبویؐ سے صاف ظاہر ہے کہ بیت المقدس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہیں بلکہ یوشع علیہ السلام نے فتح کیا تھا۔

اس سلسلے کی ایک حدیث نبوی وہ بھی ہے جسے امام احمدؒ نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے دروازے میں جھک کر داخلے کا حکم دیا تھا تو وہ اپنے پروردگار اور یوشع علیہ السلام کے حکم سے برعکس بیٹھ کر اس دروازے میں داخل ہوئے تھے: '' قال اللہ لبنی اسرائیل ادخلوا الباب سجداً '' حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مبنی بر کلام اللہ یعنی حدیث قدس۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اس سرتابی سے جیسا کہ متعدد راویوں نے بیان کیا ہے' بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب بطور سزا نازل کیا گیا تھا۔ بعض راویوں نے طاعون کے بجائے برد (انتہائی خنکی) بیان کیا ہے جب کہ بعض دوسروں نے طاعون اور انتہائی خنکی دونوں بتایا ہے۔

یوشع علیہ السلام کی عمر ان کی وفات کے وقت ایک سو ستائیس سال بتائی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ستائیس سال زندہ رہے۔
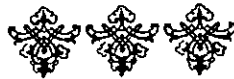
خضر و الیاس علیہم السلام کے قصے

قصہ خضر علیہ السلام:

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی کتاب عزیز قرآن پاک کے سورۂ کہف میں خضر علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پہلے سفر میں خضر علیہ السلام ملے تھے اور انہوں نے ان سے کہا تھا کہ انہیں علم لدنی سے آگاہ فرمائیں اور خضر علیہ السلام نے ان کی یہ درخواست قبول کر کے انہیں اپنے ساتھ سفر کرنے کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ خضر علیہ السلام جو کچھ بھی کریں موسیٰ علیہ السلام ان سے اس کے بارے میں نہ کوئی سوال کریں نہ انہیں ٹوکیں اور اس کے بعد بھی یہ کہا تھا کہ وہ درحقیقت صبر نہیں کر سکیں گے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی پہلی شرط قبول کر کے ان سے وعدہ کیا کہ وہ ہر بات کو دیکھ کر صبر کریں گے اور کسی حیرت و اضطراب کا مظاہرہ نہیں کریں گے تو خضر علیہ السلام نے اس سفر میں موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی تھی۔

خضر و موسیٰ علیہما السلام کا یہ قصہ توریت میں بھی کافی صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ خضر علیہ السلام کے نام اور ان کے نسب نامے کے بارے راویوں میں باہم اختلافات پائے جاتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ آدم علیہ السلام کے بیٹے اور قابیل کے بھائی تھے جب کہ کچھ دوسرے لوگ انہیں بنی اسرائیل سے اور کچھ آل فرعون سے بتاتے ہیں اور جس طرح ان کے نام و نسب کے بارے میں راویوں میں باہم اختلافات پائے جاتے ہیں ویسے ہی ان کی نبوت اور عصر حاضر تک ان کے زندہ رہنے کے بارے میں بھی اختلافات ہیں۔

ابو حاتم نے متعدد حوالوں سے ان کا نام خضرون بتایا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور انہی کو آدم علیہ السلام نے اپنی تدفین کے بارے میں وصیت کی تھی۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ وہ خضر علیہ السلام ہی تھے جنہیں آدمؑ نے اپنی تدفین کی وصیت کے علاوہ انہیں طوفان نوح کی خبر دی تھی اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو کر طوفان سے محفوظ رہنے والوں میں سے ایک تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے انہیں تا قیامت طول عمر کی دعا دی تھی اس لیے وہ اب تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''معارف'' میں وہب بن منبہ کے حوالے سے ان کا نام ملیا بتایا ہے جب کہ ان کا نام ایلیا بن ملکان بن فالغ بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بھی بتایا جاتا ہے۔

جن راویوں نے انہیں فرعون کا بیٹا بتایا ہے ان کی روایات ضعیف ٹھہرائی گئی ہیں۔

ابن جریر نے یہ صحیح کہا ہے کہ وہ افریدون بن اثفیان کے زمانے سے پہلے تھے اور اسی زمانے میں ان کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ ابن جریر کا یہ بیان اس روایت کو مسترد کرتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے اور فرعون کے زمانے ہی میں تھے۔

بعض لوگوں نے ان کی کنیت ابوالعباس اور اس سے ملتی جلتی کوئی دوسری بتائی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان کا لقب خضر ان سب پر حاوی ہے۔

ان کے نام خضر کی وجہ تسمیہ بخاریؒ نے متعدد حوالوں کے ذریعہ یہ بتائی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ خضر جس سفید چٹائی (فروہ) پر بیٹھتے تھے وہ ان کے عقب میں سبز رنگ کی طرح چمکتی تھی اس لیے خضر کا نام خضر پڑ گیا۔

عبدالرزاق نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فروہ کے معنی سفید خشک چٹائی بتائے ہیں جب کہ خطابی اور ابوعمر نے فروہ کے معنی زمین کا وہ حصہ بتائے ہیں جس پر گھاس نہ ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ ان کے جسم کے بال سبزی مائل تھے جس کی وجہ سے انہیں خضر کہا جانے لگا تھا جب کہ خطابی نے ان کے حسن سبز (ملاحت جو سبزی مائل تھی) اور چہرے کی وجاہت کی وجہ سے ان کا نام خضر پڑ گیا تھا۔ یہ بات اس روایت سے ملتی جلتی ہے جو صحیح بخاری میں پیش کی گئی ہے۔

حدیث نبویؐ کے حوالے سے یہ روایت کہ جس مصلّی پر خضر علیہ السلام نماز پڑھتے تھے وہ اگرچہ سفید تھا لیکن ان کی نماز کے دوران میں اس کا رنگ سبز ہو جاتا تھا وہ حدیث غریب بتائی گئی ہے۔

جہاں تک حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض نبوت کا تعلق ہے اس کے ثبوت میں پہلی دلیل قرآن کی آیہ شریفہ:

﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَ عَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾

پیش کی جاسکتی ہے جب کہ دوسری دلیل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ہمسفر ہونے کے دوران میں ان سے جو جو باتیں ظہور میں آئیں اور ان پر ہر بار موسیٰ علیہ السلام کو حیرت ہوئی۔ اور انہوں نے انہیں ٹوکا لیکن آخر میں انہیں یہ راز بتایا کہ وہ سب باتیں انہوں نے یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے خدا کے حکم کے تحت کی تھی' جو اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ دیا تھا (یہ آیت قرآنی کا ترجمہ ہے) تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے کیونکہ وحی کا مستحق نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

اس دلیل سے ان لوگوں کا بیان بھی غلط ثابت ہوتا ہے جو خضر علیہ السلام کو ولی بتاتے ہیں کیونکہ نبوت و ولایت بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں۔ دوسرے ولی معصوم نہیں ہوتے۔ بلکہ ان سے سہواً ہی سہی غلطی کا امکان پایا جاتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ کوئی حکم نہیں دیتا۔

رہیں وہ روایات جن میں سے ایک میں حدیث نبوی کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ بصرے کے بازار میں ایک بھکاری بھیک مانگ رہا تھا تو اس نے خضر علیہ السلام سے بھی کچھ مانگا لیکن اس کے بار بار اصرار اور ان کے یہ کہنے کے باوجود کہ ان کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے وہ ان کے پیچھے لگا رہا تو انہوں نے اسے ایک طرف لے جا کر ایک بڑا پتھر اٹھانے کے لیے کہا۔ جب اس نے وہ پتھر اٹھایا تو اس کے نیچے ایک خزانہ مدفون تھا۔ انہوں نے وہ خزانہ اس بھکاری کو دکھا کر یہ شرط رکھی کہ وہ اس میں سے ہر روز جب تک زندہ رہے حسب ضرورت کام میں لاتا رہے گا۔

اس کے علاوہ ایک دوسری روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کے جنازے کی نماز پڑھانے والے تھے کہ انہیں دور سے ایک آواز سنائی دی کہ ابھی ٹھہر جائیے۔ چنانچہ جب تک وہ آواز دینے والا اس نماز میں شریک نہ ہوا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رُکے رہے۔ اس کے بعد جب لوگوں نے اس شخص کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ خضر (علیہ السلام) تھے۔

ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی میت پر افسردہ کھڑے تھے تو وہاں ایک شخص کو گریہ کناں دیکھا گیا بعد میں کسی صحابی یا آپؐ کے نواسے حسین رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ شخص خضر علیہ السلام تھے۔

یہ جملہ روایات مرسل اور ضعیف ٹھہرائی گئی ہیں نیز خضر علیہ السلام کی خوارق العادات کے بارے میں جو روایات اب تک مشہور چلی آتی ہیں ان سب کو بھی غلط بتایا گیا ہے کیونکہ وہ سب کی سب غیر مستند ہیں۔

آخر میں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اگرچہ خضر علیہ السلام جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے موسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر تھے لیکن ان کا زمانہ نبوت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھا کیونکہ ان کے بعد یوشع اور عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ بنی اسرائیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک کوئی نبی نہیں ہوا۔

جہاں تک خضر علیہ السلام کی طویل العمری اور ان کی قیامت تک زندہ رہنے کا سوال ہے تو اس کے بارے میں یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے تمام انبیاء و رسل سے عہد لیا تھا کہ ان کے بعد جو نبی سب سے آخر میں مبعوث ہوگا ان پر اس کی اتباع لازم ہوگی اور یہ بھی یاد رہے کہ جیسا حدیث اسراء میں آیا ہے بیت المقدس میں جملہ انبیاء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نماز ادا کی تھی۔ اس کے علاوہ عہد انبیاء کے تحت خضر علیہ السلام کو ان جملہ غزوات میں جن میں آنحضرتؐ نے شرکت کی خصوصاً غزوۂ بدر میں اگر وہ اس وقت زندہ تھے شرکت کرنا اور آپ کی مدد کرنا چاہیے تھی لیکن کسی حدیث یا روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان غزوات میں آپ کی طرف سے شریک تھے۔

اس کے علاوہ ایک حدیث نبوی جس پر تمام معتبر و مستند راوی متفق ہیں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپؐ کے زمانے میں روئے زمین پر کسی انسان نے سو سال سے زیادہ عمر نہیں پائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے زمانے تک خضر بقید حیات نہیں تھے۔

قصہ الیاس علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ قصہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد اپنی کتاب عزیز قرآن مجید' فرقان حمید میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اور الیاس پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔ کیا تم بعل [1] کو پکارتے (اور اسے پوجتے ہو) اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو (یعنی) خدا کی جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا سو وہ (دوزخ میں) حاضر کیے جائیں گے۔ ہاں خدا کے بندگانِ خاص (مبتلائے عذاب) نہیں ہوں گے۔ اور ان کا ذکر (خیر) پچھلوں میں چھوڑ دیا۔ کہ الیاسین پر سلام۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے''۔ (۳۷:۱۲۳۔۱۳۲)

علمائے انساب حضرت الیاس علیہ السلام کو الیاس التشبی بتاتے ہیں جب کہ انہیں ابن یٰسین بن فخاس ابن عیزار بن ہارون اور

[1] بعل بیس گز قد اور چار منہ والا ایک بت تھا۔ بحوالہ حاشیہ ص ۷۳۱ فتح الحمید ترجمہ قرآن مجید از مولانا فتح محمد خاں جالندھری مرحوم۔ (شادانی)

الیاس بن عازر بن عیزار بن ہارون بن عمران بھی کہا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ان کی بعثت دمشق کے مغربی علاقے کے لوگوں یعنی اہل بعلبک کے لیے ہوئی تھی اور انہوں نے ان کے بت بعل کی پرستش چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی تھی۔

کہتے ہیں کہ بعل نام کی وہاں ایک عورت تھی لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بیس گز قد اور چار منہ والا ایک بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿أَلَا تَتَّقُونَ أَتَدْعُونَ بَعْلًا الخ﴾ لیکن ان لوگوں نے الیاس کو کاذب ٹھہرایا بلکہ انہیں قتل تک کرنے پر تیار ہو گئے۔ لہٰذا وہ وہاں سے کہیں جا کر چھپ گئے۔

ابو یعقوب اذرعی یزید بن عبد الصمد اور ہشام بن عمار کے حوالے سے الیاس کے بارے میں بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے کعب الاحبار کا تذکرہ کرنے والے لوگوں سے بھی سنا کہ الیاس اپنی قوم کے بادشاہ سے چھپ کر جو ان کے قتل پر آمادہ تھا ایک پہاڑی غار کی تہ میں چلے گئے تھے اور وہاں دس سال تک چھپے رہے تا آنکہ ان کی قوم کے اس بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے موت سے ہم کنار کر دیا اور اس کا وارث کوئی اور ہوا تو وہ اس غار سے نکل کر اس کے پاس پہنچے اور اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا اور اس کی قوم کے بے شمار لوگ بھی اس کے ساتھ اسلام لے آئے اور باقی لوگ جن کی تعداد دس ہزار تھی ان کے بادشاہ کے حکم سے ایک ایک کر کے قتل کر دیئے گئے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی نہ بچا۔

ابو یعقوب اذرعی کے برعکس ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ان سے ابو محمد القاسم بن ہاشم' عمر بن سعید دمشقی اور سعید بن عبد العزیز نے دمشق کے کچھ معزز لوگوں کے حوالے سے بیان کیا کہ الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے چھپ کر جس پہاڑی غار میں چلے گئے تھے وہاں انہوں نے بیس راتیں یا بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق زیادہ سے زیادہ چالیس راتیں گزاری تھیں جس کے بعد برزقہ کے مغربی حصے کے لوگ انہیں وہاں سے ڈھونڈ کر واپس لے آئے تھے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی کہتے ہیں کہ انہیں ہشام بن محمد بن سائب کلبی نے اپنے باپ کے حوالے سے بتایا کہ سب سے پہلے نبی ادریسؑ تھے پھر ان کے بعد نوح، پھر ابراہیم' پھر اسماعیل و اسحٰق' پھر یعقوب' پھر یوسف' پھر لوط' پھر ہود' پھر صالح' پھر شعیب پھر عمران کے دو بیٹے موسیٰ و ہارون' پھر الیاس التشبی بن عازر بن ہارون بن عمران بن قاہث بن یعقوب بن اسحٰق ابن ابراہیم علیہ السلام نبی ہوئے۔ واقدی نے ان انبیاء علیہم السلام کی یہی ترتیب بیان کی ہے لیکن درحقیقت یہ ترتیب محل نظر ہے۔

مکحول نے کعب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ دو نبی خضر و الیاس علیہ السلام زمین پر اور دو نبی ادریس و عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ابھی تک زندہ ہیں۔

ہم اس سے قبل ایک معتبر حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ الیاس و خضر ایک مدت تک ہر سال رمضان کے مہینے میں بیت المقدس میں اکٹھے ہوئے۔ تمام احکام شریعت بجا لائے لیکن روزہ رکھنے وغیرہ اور پھر (شام کو بطور افطار) آبِ زمزم کا شربت جو وہاں کے عوام میں بہت مقبول تھا پیا کرتے تھے۔ ہم اس سے قبل ایک اور روایت بھی بیان کر چکے ہیں کہ خضر و الیاس علیہ السلام ہر سال مقام عرفات پر جمع ہوتے تھے اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ روایت بعید از قیاس ہے کیونکہ وہ دونوں اس سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔

وہب بن منبہ وغیرہ سے مروی ہے کہ الیاس کو جب ان کی قوم نے کاذب بتایا اور انہیں حد سے زیادہ اذیت دینے لگی تو

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ انہیں اپنے پاس بلالے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرما کر ان کے پاس ایک آتش رنگ چوپایہ بھیجا اور ان کے چہار جانب ریشے پیدا کر کے اور انہیں لباس نور پہنا کر ان کی لذت اکل وشرب منقطع کر دی اور پھر انہیں زمین پر پھرنے والے فرشتوں میں انسان رکھتے ہوئے شامل کر دیا۔ اسی روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ الیاس علیہ السلام نے یسع بن اخطب کو وصیت کی تھی لیکن یہ روایت بظاہر اسرائیلیات کی من گھڑت کہانیوں میں سے ایک بعید از قیاس اور نا قابل اعتبار ہے۔ واللہ اعلم

ایک حدیث نبوی جس کے بارے میں ابوبکر بیہقی کہتے ہیں کہ ان سے ابوعبداللہ الحافظ' ابوالعباس ابن سعید المعدانی' عبداللہ بن محمود' سنان کے دو غلاموں' احمد بن عبداللہ البرقی یزید بن یزید البلوی اور ابواسحٰق الفرازی نے اوزاعی' مکحول اور انس بن مالکؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دفعہ یہ سب لوگ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے تو جب راستے میں ایک جگہ ہمارا پڑاؤ ہوا تو اس وادی میں ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا کہ یا اللہ مجھے امت محمد یہ مرحومہ مغفورہ میں سے بنا دے جس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ اور جب مذکورہ بالا اشخاص میں سے آخر الذکر یعنی انس بن مالکؓ وادی میں یہ آواز سن کر اس طرف گئے تو انہوں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کا قد تین سوفٹ سے زیادہ تھا۔ اس نے ان سے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ''میں رسول اللہ (ﷺ) کا خادم انس بن مالکؓ ہوں''۔ اس شخص نے پوچھا: ''وہ اس وقت کہاں ہیں؟'' انہوں نے یعنی انس بن مالکؓ نے جواب دیا: ''وہ یہیں قریب ہیں اور تمہاری باتیں سن رہے ہیں''۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر وہ بولا: ''ان سے جا کر کہو کہ آپ کا بھائی الیاس آپ کو سلام کہتا ہے۔ چنانچہ انس بن مالکؓ نے آنحضرت ﷺ سے وہی آ کر عرض کر دیا جو اس شخص نے کہا تھا جسے سن کر آپؐ اس شخص کے پاس بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر اس شخص نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دے کر اس سے معانقہ فرمایا۔ پھر وہ دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے جن کے دوران میں اس شخص نے آپ سے کہا:

''یا رسول اللہ (ﷺ) میں سال بھر میں صرف ایک دن کھانا کھاتا ہوں اور چونکہ آج میرے افطار کا دن ہے اس لیے آج ہم دونوں ساتھ کھانا کھائیں گے''۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مزید بتایا کہ:

''پھر اسی وقت ان دونوں کے سامنے آسمان سے اتر کر خود بخود ایک دسترخوان بچھ گیا جس پر خربوزے' مچھلی وغیرہ جیسی چیزیں تھیں چنانچہ ان دونوں نے اس دسترخوان پر ایک ساتھ بیٹھ کر وہ کھانا کھایا اور اس میں سے ہمیں بھی کھانے کو دیا۔ اس کے بعد ہم نے نماز عصر ادا کی جس کے بعد وہ شخص آسمان کی طرف مائل پرواز ہو کر بادلوں میں غائب ہو گیا''۔

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد بیہقی نے خود ہی اسے جگہ جگہ ضعیف بتایا ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے بیہقی ہی کے حوالے سے اسے اپنی کتاب مستدرک میں شامل کیا ہے بلکہ صحیحین (صحیح مسلم وصحیح بخاری) میں بھی یہ روایت ابن انس کے حوالے سے انہی کے الفاظ میں اسی طرح منقول ہے۔ حالانکہ یہ حدیث بالاتفاق حدیث موضوع ٹھہرائی گئی ہے کیونکہ یہ حدیث دوسری صحیح احادیث کے مقابلے میں قطعی بے بنیاد ہے۔ اس کی عدم حجت کی ایک وجہ جیسا کہ ہم

پہلے بیان کر چکے ہیں' یہ بھی ہے کہ آنحضرت کے ارشاد گرامی کے مطابق جنت میں یا آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک کوئی بھی سوفٹ سے زیادہ قد کا نہیں ہوا۔ البتہ زمین پر ابن آدم کے آباد ہونے کے بعد سوفٹ سے گھٹتے گھٹتے آپ کے وقت تک بہت کم رہ گیا تھا جو سب کو معلوم ہے اور اس کا تناسب اب بھی وہی چلا آتا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ شخص جو درحقیقت الیاس علیہ السلام تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے بلکہ آپ خود ان کے پاس گئے جو ظاہر ہے کہ صریحاً بعید از قیاس ہے۔

اس کے علاوہ ابن عساکر نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ الیاس علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ وہ چالیس دن میں صرف ایک دن کھانا کھاتے ہیں اور پھر انہوں نے آپ کے ساتھ آسمان سے نازل شدہ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا تھا جس پر ان اشیاء کے علاوہ جو مندرجہ بالا حدیث میں بیان کی گئی ہیں اور بے شمار چیزیں تھیں جو اشیائے متعارضہ میں شامل ہیں اور آخر میں اس حدیث کو خود ہی حدیث ضعیف بھی بتایا ہے۔ اس کے باوجود یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ابن عساکر نے اسے حسین بن عرفہ وغیرہ کے حوالے سے پیش کر کے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اس شخص کو جس کا اس روایت میں ذکر ہے بلوایا تھا تو سب نے دیکھا تھا کہ اس شخص کا قد دو یا تین گز تھا۔ اسی روایت میں ابن عساکر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ زمانہ غزوہ تبوک کا تھا جب کہ ایک دوسری حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الیاس علیہ السلام سے خضر علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے آپ سے کہا کہ ان کا اور خضر علیہ السلام کا صرف ایک سال ساتھ رہا نیز یہ کہ اگر وہ (خضر علیہ السلام) اس وقت زندہ ہوتے تو وہ (الیاس علیہ السلام) ان کا سلام آپ تک ضرور پہنچاتے۔

اس روایت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ خضر و الیاس علیہما السلام سے پہلے وفات پا چکے تھے۔

بہر کیف واقدی' بیہقی اور ابن عساکر سے مروی مندرجہ بالا حدیث سال دس ہجری سے پہلے کبھی اجتماعی طور پر صحیح تسلیم نہیں کی گئی بلکہ بعد میں بھی اسے ہمیشہ موضوع ہی قرار دیا جاتا رہا۔

مذکورہ بالا انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے اختتام پر ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جو ﴿سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْنَ﴾ فرمایا ہے وہ درحقیقت ﴿سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِ﴾ ہے کیونکہ اہل عرب اکثر ناموں کے آخر میں حرف نون کا الحاق کر کے بولتے اور لکھتے ہیں یعنی ان کا حرف آخر گرا کر اس کی جگہ حرفِ نون استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً اسماعیل کی جگہ اسماعین' اسرائیل کی جگہ اسرائین بولتے اور لکھتے ہیں اور ان میں کبھی بلحاظ قواعد زبان الحاق ''نون'' سے قبل حرف ''یا'' کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں جیسے الیاس کی جگہ وہ اکثر الیاسین لکھیں اور بولیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کی اس عادت کا لحاظ فرماتے ہوئے الیاس کی جگہ الیاسین ارشاد فرمایا ہے جب کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے قرآن میں ''الیاسین'' کی قرأت ''ادراسین'' کرتے ہوئے بتایا ہے کہ الیاس اور ادریس دونوں ایک ہی شخص ہیں۔ یہی بات اگرچہ ضحاک بن مزاحم' قتادہ اور محمد بن اسحٰق نے بتائی ہے۔ لیکن بہ اسناد دیگر صحیح بات یہ ہے کہ ادریس والیاس علیہما السلام دو الگ الگ شخصیتیں تھیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس جلد اوّل کے بعد ان شاء اللہ دوسری جلد میں پہلے موسیٰ علیہ السلام کے بعد دوسرے انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر ہوگا۔